ابوزید شلبی

میری لائبریری

خالد سیف اللہ

حضرت خالدؓ بن ولید

کا ند ۳

نیا ایڈیشن

قیمت

خالدؓ سیف اللہ

مسری لائبریری
(۲۸)

خالدؓ سیف اللہ

حضرت خالدؓ بن ولید

زندگی اور فتوحات

ابو زید شلبی

ترجمہ :- شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ میری لائبریری - لاہور

ترتیب

فہرست شجرات و نقشہ جات

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

یہ کتاب اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت کے بارے میں لکھی گئی ہے جو متفقہ طور پر مسلمانوں کا سب سے بڑا سپہ سالار مانا جاتا ہے، ہماری مراد خالد بن ولید سے ہے جنھیں بارگاہ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب مرحمت ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

جس بات نے مجھے اس عظیم فاتح کی سوانح حیات لکھنے پر آمادہ کیا وہ میرا یہ مشاہدہ تھا کہ زندہ اور ترقی کرنے والی قومیں اپنے مشاہیر کے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ ان پر فخر کرتی ہیں، اور کسی موقع پر بھی ان کی تعریف و توصیف سے غافل نہیں رہتیں۔ ذاتی محفلیں ہوں یا پبلک جلسے کوئی جگہ بھی ان کے تذکرے سے خالی نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے بچے بچے کے دل میں اپنے بڑے لوگوں کے لئے احترام اور تعظیم کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔

اس کے بالمقابل مسلمانوں نے اپنی ان مایہ ناز ہستیوں کو بالعموم فراموش کر دیا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلاءِ کلمۃ الحق اور دین خدا کی حمایت و نصرت کے لئے وقف کر دی تھی جو امت مسلمہ کی عزت و افتخار کا باعث تھیں، اور جن کی بیش بہا قربانیوں کے باعث اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی، ہمیں دنیا کی قوموں میں جو مقام حاصل ہے وہ محض اپنے اسلاف کی وجہ سے ہے، کیا یہ ظلم نہیں کہ ہم ان کے سارے کارنامے بھول چکے ہیں اور ہمیں ان کی حقیقی شان کا مطلق علم نہیں، ہماری بے حسی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمیں بہادری، شجاعت اور جوانمردی کے بارے میں جب بھی کوئی مثال دینی

کی ضرورت پیش آئے گی تو نپولین کا نام ہی ہماری زبان پر آئے گا۔ ہمیں قطعاً یہ خیال نہیں آئے گا کہ ہماری قوم ایک شاندار ماضی کی حامل ہے اور ہم میں ایسی ایسی نادرۂ روزگار ہستیاں گزری ہیں جن کے سامنے نپولین جیسے عظیم المرتبت جرنیل بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

ذرا تصور تو کیجئے اگر خالد بن ولیدؓ کسی زندہ و بیدار قوم کے فرزند ہوتے تو ہر سال کتنے جلسے محض ان کی یاد منانے کے لئے منعقد کئے جاتے اور کتنی یادگاریں ان کے نام پر قائم کی جاتیں؟

میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جامعہ ازہر مصر کی تعلیم کے دوران مجھے ایسے فاضل اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا جن کی غیرت اسلامی اور اسلاف سے محبت نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا۔ اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ میں نے اپنے لئے یہ موضوع منتخب کیا۔ اگر پڑھنے والوں کو اس میں کوئی مفید پہلو نظر آئے تو اس کا تمام تر سہرا میرے اساتذہ کے سر پر ہے۔

جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے آج تک کوئی مستقل کتاب اسلام کے اس عظیم الشان سپہ سالار کے بارے میں نہیں لکھی گئی۔ مجھے امید ہے کہ میری اس تصنیف سے حضرت خالدؓ بن ولید کی زندگی کے تمام پہلو نمایاں ہو جائیں گے اور روم و فارس میں جو کارہائے نمایاں آپ نے سرانجام دئے اور ان علاقوں میں اسلام پہنچانے کے لئے آپ نے جو عدیم المثال قربانیاں کیں ان کا نقشہ پڑھنے والوں کے سامنے آجائے گا۔ میں نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بڑی محنت کی ہے اور کوشش کی ہے کہ یہ کتاب کسی پہلو سے بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

خدا کرے میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

۱۳۵۲ھ

ابو زید شلبی — ۱۹۳۳ء

پیش لفظ

کسی قوم کی حقیقی قدر و منزلت اس کے افراد کے ذریعے ہوتی ہے، افراد اپنے کاموں کے بدولت قوم کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں، جس قوم میں مخلص کارکن، باعمل عالم، نڈر اور بے خوف مجاہدین اور راست باز سیاستدان ہوں وہ قوم ترقی حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہی قوم اس بات کی مستحق ہے کہ زمین کی بادشاہت اس کے ہاتھ آئے،

اسلام سے قبل عربوں کا شمار دنیا کی وحشی قوموں میں ہوتا تھا وہ انتہائی پراگندگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے کسی کی اطاعت کرنا ان کے لئے عار تھا معمولی معمولی باتوں پر غیظ و غضب کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک اٹھتی تھی، جس کا نتیجہ عموماً خون ریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ قبائلی عصبیت پر دوسری تمام چیزیں قربان کر دی جاتیں، اپنے قبیلے کی حمایت میں ہر شخص مرنے کو تیار ہو جاتا تھا خواہ قبیلہ حق پر ہو یا ناحق پر، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ان کی حالت بالکل اس شعر کے مصداق تھی:

لا یسألون اخاهم حین یندبهم

فی النائبات علی ما قال برهانا

(جس وقت ان کا بھائی کسی مصیبت کے موقع پر ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو معاملے کی نوعیت دریافت کئے بغیر اس کی مدد کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں) وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ وہم سمایا تھا کہ اس طرح انہیں خداتعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ علم و شائستگی سے عاری تھے اور فکر و تدبر و تامل اندیشی ان سے کوسوں دور تھی،

ایک لمبے عرصے کی گمراہی اور پستی کے بعد آخر خداتعالیٰ نے ان پر اسلام کے ذریعے اپنی رحمت نازل کرنے اور اپنے انعامات سے انہیں سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اسلام کے ظہور کے قریب اس نے قیس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل جیسے چند نیک لوگوں کو پیدا کیا، جنہیں عقل و فکر

تدبّر و فراست، زیرکی و دانائی سے حصّہ وافر ملا تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو اسلام کی تعلیمات قبول کرنے کے لئے تیار کیا جا سکے، ان لوگوں نے اپنی پُر حکمت باتوں اور مواعظ حسنہ کے ذریعے عربوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کی گمراہی کو ان پر آشکارا کرنا شروع کیا۔ ان میں سے ایک گروہ دین ابراہیمی کی تلاش میں تھا۔ اور ایک جماعت اس فکر میں غلطاں تھی کہ اپنی قوم کے دین سے کسی بہتر دین تک اس کی رہنمائی ہو جائے۔[1]

ان حکماء اور مفکرین کے گروہ کی مثال صبح کاذب کی روشنی سے دی جا سکتی ہے، جو صبح صادق کی خبر دینے کے لئے فجر سے قبل کچھ وقت کے لئے نمودار ہوتی ہے اس کے بعد صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے پھر کچھ عرصہ بعد صبح کے مطلع تاباں سے سورج طلوع ہو کر تمام عالم کو روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام کی صبح درخشاں کا ظہور ایک ہولناک تاریکی کے بعد ہوا۔ اس وقت دنیا شاہان کسریٰ کے استبداد اور قیاصرہ کے ظلم و جور کی چکیوں کے نیچے بری طرح پس رہی تھی، خدا کے بندے اپنے معبود حقیقی کو بھول کر بے جان پتھروں اور ستاروں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔ اس حالت کو دیکھ خدا تعالیٰ نے، کہ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے نہ چاہا کہ اس کے بندے گمراہی میں اِدھر اُدھر بھٹکتے پھریں اس نے اپنے رسول حضرت محمد صلعم کو بھٹکی ہوئی دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جنہوں نے آکر لوگوں کو بتایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے، اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں،

آپ نے انسانوں کے لئے جو ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا اس سے بہتر نہ ضابطہ اخلاق پہلے کسی نے پیش کیا تھا اور نہ آئندہ کوئی پیش کر سکتا ہے، آپ نے تمام انسانوں کو قطع نظر اس کے کہ وہ عربی ہیں یا عجمی، آزاد ہیں یا غلام، معزز قوم کے افراد ہیں یا پست اقوام سے تعلق رکھتے ہیں، مساوی حقوق دئے۔ فضیلت کا معیار آپ نے تمام انسانوں کو ایک اور صرف ایک تقویٰ مقرر فرمایا۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وہی فرد ہے جو تقویٰ کے میدان میں سب سے آگے ہے۔ لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی "کسی عربی کو کسی غیر عربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں، اگر کسی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو محض تقویٰ کے سبب"

امت مسلمہ اپنے عہد اوّلین میں تمام اقوام عالم کے لئے ایک نمونہ تھی اس نے دنیا کو دکھا دیا

کہ وطن کی خاطر قربانی اور ایمان کی پختگی کا اظہار کس طرح کیا جاتا ہے اور جو فتوحات مسلمانوں نے حاصل کیں ان کے پس منظر میں جو چیز کام کر رہی تھی وہ تھی قوم کی صفوں میں مکمل اتحاد و یکجہتی اور رعایا کے درمیان کامل مساوات؎۱

اُمتِ مسلمہ ابتدا ہی میں عدل و انصاف کی قدر و قیمت سے حقیقی طور پر آشنا تھی، کوئی معزز ترین شخص بھی قصور کر کے سزا سے بچ نہ سکتا تھا۔ اور کوئی نہایت ہی غریب شخص بھی مظلوم ہو کر انصاف سے محروم نہیں رہ سکتا تھا

جس ایک کلمے پر مسلمان متحد ہو گئے تھے وہ تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ زبان پر آتے ہی مسلمانوں کے دلوں سے کینہ مٹ جاتا تھا اور ان کے سینوں میں ایک نئی حرارت پیدا ہو جاتی تھی ان کی تمام جدوجہد اسی کلمے کو سربلند کرنے کی خاطر تھی اسی کی خاطر وہ جمع ہوتے تھے اور اسی کی خاطر وہ جہاد کرتے تھے؎۲۔

کوئی مؤرخ جب ان فتوحات پر نظر دوڑاتا ہے جو مسلمانوں نے ابتدائی عہد میں (جبکہ ان کی وحشیانہ زندگی کو ختم ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے) حاصل کی تھیں تو حیرت سے اس کا دماغ چکرانے لگتا ہے آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے اس تہذیب و اخلاق سے عاری قوم کو اعلیٰ درجے کی مہذب اور شائستہ قوم بنا دیا اور اس میں وہ اتحاد پیدا کر دیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، حالانکہ ایک وقت یہ تھا کہ کسی شاعر کا ایک شعر ہی ایک باپ کے دو بیٹوں میں ہمیشہ کے لئے تفریق ڈالنے اور باہم عداوت کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔ تفریق و عداوت بھی ایسی کہ اس کا نتیجہ اکثر خونریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا۔

ہر شخص کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں یہ انقلاب عظیم کس طرح برپا ہوا؟ کیا اس انقلاب کا سبب وہ نیا دین تھا جس کے وہ پیروکار بن گئے تھے؟ یا وہ عدل تھا جو اس وقت قائم ہو چکا تھا؟ یا مساوات تھی جس نے حاکم اور محکوم دونوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا تھا۔ یا فوجوں کی اعلیٰ کارکردگی جس نے ان کو فتوحات سے نوازا؟

۱؎ السیرۃ الحلبیہ جلد اوّل صفحہ ۱۷۲

۲؎ آگے چل کر مکہ کی سیاسی حیثیت کے بیان میں مفصل طور پر اس کا تذکرہ آئے گا۔

ان تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ وہ دین اسلام ہی تھا جس نے عربوں کے منتشر شیرازے کو یکجا کیا، ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کیا، دورِ جہالت کی مہلک رسومات سے انہیں روکا اور عین اسوقت جب ان کی قوتیں باہمی تنازعات میں ضائع ہو رہی تھیں ان کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھا اور ان کی قوتوں کو اس کے حصول کی کوشش میں لگایا۔[1]

اسی دین نے انہیں مساوات اور عدل کی نعمتوں سے روشناس کرایا۔ اس نے انہیں اتحاد کی تلقین کی اسی نے انہیں "اطیعوا اللہ ورسولہٗ ولا تنازعوا فتفشلوا" (اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں مت جھگڑو کیونکہ اس طرح تم کمزور ہو جاؤ گے) کی تعلیم دیکر اختلافات اور جھگڑوں سے بچنے کا حکم دیا۔ اسی نے یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمہارا سامنا ہو تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اسی طرح تم کامیاب ہو سکتے ہو) کا فرمان سنا کر انہیں فتح پانے کا گر بتایا۔

اسی دین نے ان کی عقلوں کو جِلا دی اور اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض وما خلق اللہ من شیئ (کیا انسان زمین و آسمان کی بادشاہت اور خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء پر غور و فکر نہیں کرتے) کا حکم سنا کر انہیں زمین و آسمان کے عیاں و نہاں خزانے حاصل کرنے کی طرف توجہ کیا۔

جب مسلمانوں نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو امراء عیش پرستی میں مشغول ہیں، دوسری طرف غلام اور غریب رعایا جور و ستم میں دبی ہوئی ہے، ننگ انسانیت کام کئے جا رہے ہیں اور ہر طرف گمراہی کا بازار گرم ہے اس وقت انہیں یہ خدائی فرمان یاد آیا

---

[1] مشہور فرانسیسی مستشرق ڈیبان اپنی کتاب "التعالیم النفیسہ للحرب الادربیہ" کے چوتھے باب میں "دوران جنگ میں روحانی عوامل" کے عنوان کے تحت اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے عربوں کے اس ایمان کے نتیجے میں جو انہیں حاصل تھا اس چھوٹی سی جماعت نے نہایت قلیل مدت میں دنیا کے تقریباً تمام متمدن حصے کو فتح کر لیا اور ان کی سلطنت کا دائرہ مشرق سے مغرب تک وسیع ہو گیا۔ صفحہ ۶۶ مطبوعہ الہلال پریس ۱۹۱۲ء

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر

(تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کی تلقین کرے اور بدی سے بچائے) اس فرمان کے بموجب انہوں نے دین اسلام کی اشاعت اور خدا کے بندوں کو ہدایت دینے کی خاطر کمر ہمت باندھی، اور جی جان سے اس کام میں لگ گئے، ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا، اور وہ تھا اعلائے کلمۃ الحق اور مخلوق خدا کی بھلائی، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ علیؓ، عمروؓ بن العاصؓ اور خالدؓ بن ولید اس میدان کے عظیم ترین شہسوار ہیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید انتہائی اہم شخصیت کے مالک تھے، مرتدین کا زور توڑنے اور سواد عراق اور شام کو فتح کرنے میں جو کارہائے نمایاں آپ نے سرانجام دئے وہ تاریخ میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں، جس حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ آپ نے اسلامی فوجوں کی کمان کی، اسی کا اثر تھا کہ جب دشمن سنتے تھے کہ خالدؓ بن ولید ان کے مقابلے کے لئے آرہے ہیں تو ان کے چھکے چھوٹ جاتے تھے، اور وہ مقابلے سے پہلے ہی ہمت ہار بیٹھتے،

ابو زید شبلی،

پہلا حصّہ

خالدؓ بن ولید اسلام سے قبل

حضرت خالدؓ بن ولید کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے،

نسب ابو سلیمان[1] خالدؓ بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر[2] بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی اس طرح رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے آپ کا نسب ساتویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ (شجرہ نمبر ۱)

آپ کی والدہ کا نام لبابہ الصغریٰ تھا جو حارث بن حزن ہلالیہ کی بیٹی تھی، ان کا اور آپ کے والد ولید کا سلسلۂ نسب مضر پر جا کر مل جاتا ہے، (شجرہ نمبر ۲)

ولادت تاریخ کی کسی کتاب سے بھی حضرت خالدؓ بن ولید کی صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں چلتا البتہ ابن عساکر نے اور ابن برہان الدین نے اپنی سیرت[3] میں لکھا ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت خالدؓ بن ولید نے کشتی لڑی جس میں خالدؓ نے عمرؓ کی پنڈلی توڑ ڈالی جو کافی علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوئی، اس واقعہ سے دونوں کا ہم عمر ہونا ثابت ہوتا ہے

---

[1] بعض روایات میں ابو سلیمان کی بجائے ابو الولید آیا ہے

[2] بعض کتب تاریخ میں عمر کی بجائے عمرو لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے ہم کئی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی چھان بین کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ انساب القرشیین جلد ۱ صفحہ ۵۹ ابن ہشام کی جلد اول و جلد ثانی، ابن سعد جلد ۳، اور طبری جلد ۲، ۳ کے بے شمار مقامات پر عمر ہی لکھا ہے

اسلام کے ظہور کے وقت حضرت عمرؓ ستائیس سال کے تھے، حضرت خالدؓ کی بھی اس وقت تقریباً یہی عمر ہوگی۔ [٢]

حضرت خالدؓ کی زندگی کے اصل واقعات شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے منشا، مولد، ان کے قبیلے اور ان کے والدین کا مختصر حال بیان کر دیا جائے کیونکہ ہم اس طرح ان کے متعلق ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں جو حقیقت سے دور نہیں ہوگی، وہ جگہ جہاں کوئی شخص قیام پذیر ہوتا ہے، اس جگہ کی آب و ہوا، وہاں کے میدان اور وادیاں، اس شخص کی ساتھی، ہوا اور دوست اور قبیلہ جن میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے اس کے اخلاق و عادات اور خصائل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں؛ ان اثرات کا تعلق انسان کی ابتدائی زندگی ہی سے نہیں بلکہ قبل از پیدائش کی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کا مقولہ ہے کہ کسی شخص میں کسی خاص خصلت کا پایا جانا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اس کے والدین اس کی پیدائش سے پہلے کسی حادثے سے دوچار ہو چکے ہیں چنانچہ سترھویں صدی کے مشہور انگریز مدبر ٹھامس ہوب کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ انتہائی بزدل تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی والدہ کو ہسپانوی بحری بیڑے 'آرمیڈا' کے انگلستان پر چڑھائی کے دوران میں انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں سے گزرنا پڑا تھا اس خوف و ہراس کا اثر اس کے بیٹے میں سرایت کر گیا۔

خالدؓ کا وطن خالدؓ بن ولید خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے جو مکہ کا مشہور و معروف قبیلہ تھا، شہر اور قبیلے نے خالدؓ پر گہرا اثر ڈالا تھا، ان اثرات کو سمجھنے

---

[١] تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۷۰، و سیرت ابن برہان الدین جلد ۳ صفحہ ۲۷۶

[٢] اگر یہ بات مان لی جائے کہ دونوں ہم سن تھے تو حضرت عمرؓ کی عمر بعثت نبوی کے وقت متفقہ طور پر ۲۷ برس کی تھی اور رسول کریم صلعم پر پہلی وحی ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو نازل ہوئی تھی، (رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۵۲) اس سنہ میں سے ۲۷ برس منہا کئے جائیں تو اس حساب سے خالدؓ کی پیدائش ۵۸۳ء میں ثابت ہوتی ہے، یعنی رسول کریم صلعم کی ولادت باسعادت سے تقریباً بارہ سال بعد (مترجم)

شجرہ
نمبر (۱)

فہر
(قریش)
|
غالب
لؤی
کعب
مرّہ

(دائیں شاخ)
- یقظہ
- مخزوم
- عمر
- عبداللہ
- المغیرہ
- الولید
- خالد
- رضی اللہ عنہ

(درمیانی شاخ)
- کلاب
- قصی
- عبدمناف
- ہاشم
- عبدالمطلب
- عبداللہ
- محمد
- رسول اللہ
- صلے اللہ علیہ وسلم

(بائیں شاخ)
- تیم
- سعد
- کعب
- عمرو
- عامر
- عثمان
- ابوقحافہ
- ابوبکر
- رضی اللہ عنہ

شجرہ نمبر ۲

حضرت خالد کا شجرہ نسب
والد اور والدہ کی طرف سے

ماخذ

۱۔ الطبری جلد نمبر ۲
صفحہ نمبر ۱۷۷، ۱۷۸

۲۔ نہایت الارب جلد نمبر ۲
صفحہ ۳۵۶

۳۔ الاستیعاب جلد نمبر ۲
صفحہ ۷۷۸، ۷۷۹

۴۔ انساب الاشراف جلد ۲
صفحہ ۲۱۴، ۲۱۶

۵۔ سیرۃ ابن ہشام جلد نمبر ۱
صفحہ ۱۹۷، ۲۰۰

۶۔ الاصابہ جلد ۸
صفحہ ۱۷۸

مضر

قیس عیلان	الیاس
خصفہ	مدرکہ
عکرمہ	خزیمہ
منصور	کنانہ
ہوازن	النضر
بکر	مالک
معاویہ	فہر
صعصعہ	غالب
عامر	لوئی
ہلال	کعب
عبداللہ	مرۃ
زوبیہ	یقظہ
الہزم	مخزوم
بجیر	عمر
حزن	عبداللہ
الحارث	المغیرہ
لبابہ (والدہ خالدؓ)	الولید (والد خالدؓ)

خالدؓ
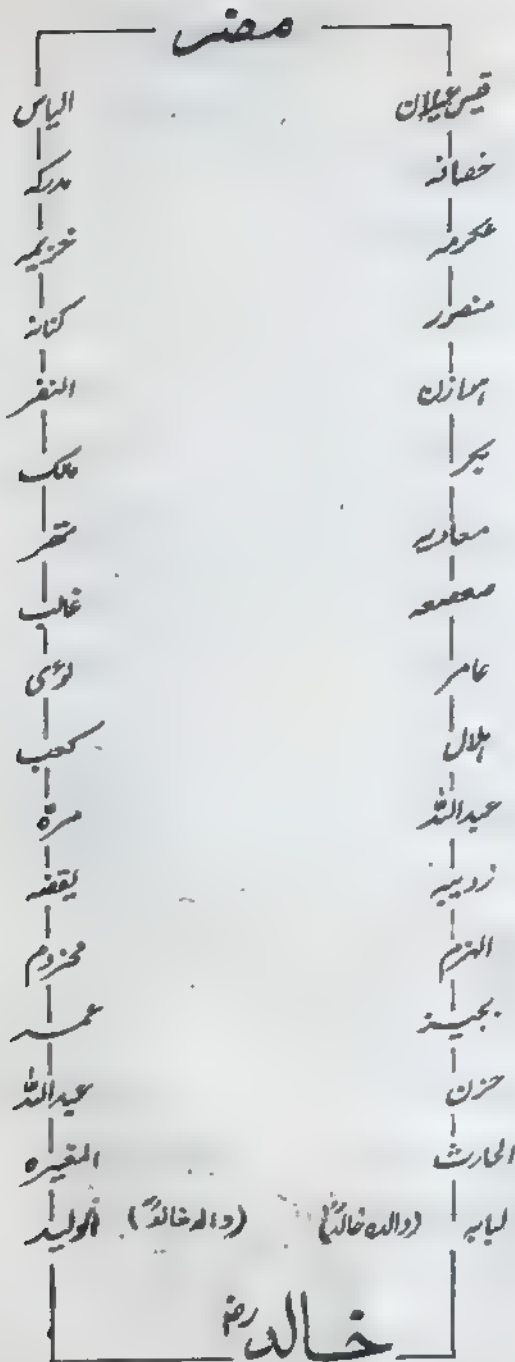
کے لئے مکہ کی طبعی اور اجتماعی حالتوں کا مطالعہ ضروری ہے،

مکہ۔ طبعی حالت مکہ حجاز کے جنوبی علاقے میں بنجر آبادی کے درمیان واقع ہے یہاں کی آب وہوا گرم ہے البتہ پانی ہر قسم کی کدورتوں اور گندگی سے پاک ہے ساحل سمندر قریب ہی ہے اس لئے صحرا میں ہونے کے باوجود صحرائی آب وہوا کا زیادہ اثر مکہ پر نہیں ہے،

یہ علاقہ زراعت اور صنعت وحرفت کے قابل نہیں ہے ریتلی زمین ہونیکی وجہ سے کھیتی باڑی نہیں ہوسکتی ہے اور صنعت وحرفت کے لئے خام مال نہیں مل سکتا اس لئے یہاں کے باشندوں کو روزی کمانے کے لئے سفر پر نکلنا پڑتا ہے، چنانچہ جس زمانے کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس میں اہل مکہ سال کا بیشتر حصہ سفر میں گزارتے تھے اور ان کے قدم رات دن گردش میں رہتے تھے، اس کی طرف خدا تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے،

لایلاف قریش ایلافهم رحلة الشتاء والصیف فلیعبدوا رب هذا البیت الذی اطعمهم من جوع وآمنهم من خوف ٥ (چونکہ خدا تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں جاڑے اور گرمی کے سفروں کی الفت پیدا کردی ہے اس لئے انہیں چاہیئے کہ وہ اس الفت پیدا کردینے کی وجہ سے اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے اس کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن میں رکھا۔)

اہل مکہ پر ان حالات کا اثر:۔

ان طبعی حالات کا اثر باشندوں پر پڑنا ضروری تھا۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی کھلے آسمان کے نیچے زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ستارہ شناسی میں انہیں کافی مہارت تھی دن رات سفر میں رہنے کے باعث ان میں محنت ومشقت اٹھانے کی عادت راسخ ہو چکی تھی، مختلف قوموں سے میل جول تھا اس لئے فراست اور دانائی میں یہ لوگ دوسرے عرب قبائل میں ممتاز تھے،

مکہ۔ اجتماعی کیفیت

مکہ دینی مرکز مذہبی لحاظ سے عرب میں مکہ کو بہت اہمیت اور تقدیس حاصل تھی کیونکہ

اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے بنائی ہوئی وہ مقدس عمارت کھڑی تھی جسے کعبہ مکرمہ اور بیت اللہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے جس کی طرف منہ کر کے دنیا کا ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے اور جس کی زیارت کے لئے ہر سال لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں بیت اللہ کے مکہ میں واقع ہونے کے علاوہ اہل مکہ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ وہ حضرت اسماعیل جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے، کعبہ کی تولیت انہی کے ہاتھ میں تھی اور اس وجہ سے ایسی خاص مراعات کے حامل تھے جو دوسرے عرب قبائل کو حاصل نہ تھی، چنانچہ اسلام سے قبل حج کے موقع پر اہل مکہ "عرفات میں جا کر نہیں ٹھہرتے تھے، حالانکہ عرفات میں ٹھہرنا حج کا رکن اعظم ہے" وہ کہتے تھے کہ ہم عین حرم کے رہنے والے ہیں حرم کی حد کے باہر کیوں جائیں اسی طرح وہ باہر سے آنے والوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے معمولی کپڑوں میں حج نہ کریں بلکہ خاص کپڑے (احرام) پہن کر آئیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو ننگے ہو کر حج کریں[1]

اسی کا اثر تھا کہ تمام عرب قبائل میں اہل مکہ کو نہایت درجہ عزت واحترام حاصل تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ عرب کا کوئی فرد، گھرانہ اور قبیلہ اس سے زیادہ معزز نہیں ہے خدا تعالیٰ نے بھی اس نعمت عظمیٰ کا ذکر کر کے، جو اس نے مکہ کو عطا فرما رکھی تھی مندرجہ بالا سورۃ میں شکر ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

مکہ، تجارتی مرکز مکہ ان تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا جو ہندوستان اور اپنے ملک کی چیزیں لے کر یمن سے شام اور مصر جایا کرتے تھے، یہ قافلے پانی کا ذخیرہ کرنے اور راستے کے لئے سامان خورد ونوش اکٹھا کرنے کے لئے یہاں ضرور قیام کرتے تھے، مکہ کے قریب کئی بازار تھے، جن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں نہ صرف تجارتی سامان فروخت ہوتا تھا بلکہ شاعری اور ادب کے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے، عرب قبائل ایک دوسرے پر اپنی فوقیت اور بڑائی کا اظہار انہیں بازاروں میں کرتے تھے، تجارتی قافلوں کے آنے

---

[1] اسلام نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا اور اہل مکہ پر یہ فرض قرار دیا کہ باہر سے آنیوالے لوگ جس طریق پر حج کرتے ہیں اسی طریق پر وہ بھی کریں، انہیں کسی قسم کی مراعات نہیں دی جا سکتیں۔

جانے سے مکہ میں خوب چہل پہل گہما گہمی اور رونق رہتی تھی، مکہ محض تجارتی قافلوں کی گزرگاہ ہی نہ تھا بلکہ یہاں کے باشندے بھی تجارت کا وسیع کام کرتے تھے،

تجارتی سفروں کی کثرت اور مختلف اقوام کے ساتھ میل جول رکھنے کا نتیجہ اہل مکہ کے حق میں بہت سود مند ثابت ہوا۔ ان کے یہاں مال کی فراوانی تھی، اور نہایت خوشحال تھے دوسری قوموں کے ساتھ میل جول کے نتیجہ میں اُن کو مختلف تہذیبوں اور افکار کے مطالعہ کا موقع ملا۔ جس سے ان کی عقلیں امیق ہوئیں اور ذہن کافی حد تک بلند ہوا۔

مکہ۔ ادبی اور اخلاقی مرکز مذہبی حیثیت کے علاوہ مکہ کو تمام عرب پر ادبی اور اخلاقی حیثیت سے بھی امتیاز حاصل تھا۔ یہ امتیاز اس وقت سے شروع ہوا جب قریش کے جدامجد قصیٰ بن کلاب[1] نے خزاعہ پر غلبہ حاصل کیا، مکہ کی سیادت اور بیت الحرام کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ قصیٰ کو جو عزت، قدر و منزلت حاصل ہوئی وہ اس کی وفات پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی اولاد میں منتقل ہوتی چلی گئی چنانچہ اہل مکہ تمام عرب میں انتہائی ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے اہل مکہ کے اس امتیازی اور برتری میں بہت بڑا حصہ ان بازاروں کا بھی تھا جو مکہ کے قریب واقع تھے، یہ بازار جن کو میلہ کہنا زیادہ مناسب ہے ہر سال منعقد ہوتے تھے، سارے عرب سے شعرا، خطیب، مفکر اور حکما ان میلوں میں شامل ہونے کے لئے آتے تھے، شعر و شاعری کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں فصیح البیان خطیب اپنے خطبوں سے لوگوں کے دل گرماتے ہر قبیلہ اپنے شاعروں، خطیبوں مفکروں اور حکماء کے بل پر دوسرے قبیلوں پر اپنی بڑائی جتاتا۔ اور اپنے بلند اور اعلیٰ مرتبے کا ڈھنڈورا پیٹتا۔ ان میلوں میں اہل مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی جب شعراء فخریہ اشعار سناتے اور قبائل کے سردار اپنی بڑائی اور برتری کا اظہار کرتے تو قریش کو مستثنیٰ قرار دے لیتے تھے، چنانچہ مشہور شاعر اخطل کہتا ہے

رأیت الناس ماحاشا قریشا
فانا نحن افضلهم فعالا

(میں نے تمام لوگوں کو خوب اچھی طرح پرکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ ہم سوائے قریش کے باقی تمام

---

[1] زمانہ حال کے مؤرخین کی تحقیق یہ ہے کہ قصیٰ بن کلاب نے ۴۸۰ء میں وفات پائی۔

لوگوں سے افضل ہیں)

اہل مکہ میں اپنی بڑائی اور برتری کے احساس کی وجہ سے شجاعت، بہادری، ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کی قوت، ہر میدان میں کامیابی حاصل کرنے اور دشمنوں سے پورا پورا انتقام لینے کا جذبہ، اپنی تعریف سننے کا شوق، ہر قومی کام میں سبقت، وفا، عہد، پڑوسیوں اور پناہ گزینوں کی حفاظت کے خصائل قدرتی طور پر پیدا ہو گئے تھے اپنے قومی کردار کے قیام اور عزت نفس کو برقرار رکھنے کے لئے وہ کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

مکہ سیاسی مرکز اہل مکہ میں سیاسی شعور بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان میں جو سیاسی نظام مروج تھا وہ شورائی اور جمہوری نظام حکومت سے ملتا جلتا ہے، عہدوں اور رتبوں کی تقسیم میں ہر قبیلہ شریک تھا اور کوئی قبیلہ اپنے جائز حق سے محروم نہ تھا۔

باہمی معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے ایک "دارالندوہ" قائم تھا۔ جہاں وقتاً فوقتاً سرداران قبائل جمع ہو کر حاضر الوقت مسائل پر بحث و تمحیص کرتے اور باہمی مشورے سے کسی قطعی اور یقینی فیصلے پر پہنچتے، دارالندوہ کا قیام اسی شکل کو بعد میں متمدن اقوام نے اپنایا جسے آجکل پارلیمنٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سرداروں کے فیصلوں کو حرف آخر کا رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اور قوم کو انہیں لازماً قبول کرنا پڑتا تھا۔ دارالندوہ کا قیام اس لئے عمل میں لایا گیا تھا کہ یہاں بیٹھ کر سرداران قبائل پہلے متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کریں تاکہ کسی خامی اور غلطی کا امکان نہ رہے اس کے بعد اسے اپنے اپنے قبیلے کے ذریعے نافذ کرائیں، اسطرح اہل مکہ کی قومی زندگی میں دارالندوہ کو زبردست اہمیت حاصل تھی، یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہاں بیٹھ کر جو فیصلے کئے جاتے تھے کسی شخص کو ان پر چوں چراں کرنے کا حق نہ تھا۔ ہر کوئی سچے دل سے ان کو قبول کرتا اور بعد میں کسی قسم کے حیلے بہانے کر کے انہیں کالعدم قرار دینے کی کوشش نہ کرتا اس طرح قوم میں یکجہتی اور اتحاد

والفاق قائم رہتا تھا۔

اس جمہوری طریقے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ مکہ کے ہر قبیلے کے لوگوں میں اپنے فرائض کا احساس اور اپنے سردار کا احترام تھا۔ ان پر شوریٰ کی اہمیت اچھی طرح واضح تھی، اور اس کے لئے وہ ایسے ہی نمائندے (رئیس) کو منتخب کرتے تھے جو اُن کے معاملات کو اچھی طرح مجلس کے سامنے پیش کر سکے۔

معاملات کے اس اجتماعی نظام کا اہل مکہ پر بہت گہرا اثر پڑا۔ عرب کے دوسرے قبائلوں کے مقابلے میں ان کا اخلاق نمایاں طور پر بہتر تھا۔ اپنے اور دوسرے لوگوں کے حقوق و فرائض کا انہیں کما حقہ احساس تھا۔ قریش کے جدّ اکبر قصیٰؑ سے قبل اور اسلام کے ظہور کے وقت اہل مکہ کی حالتوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو دونوں حالتوں میں ہمیں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وہ ایک پراگندہ اور جاہل قوم سے، جسے اپنے اونٹوں کے علاوہ اور کسی چیز کی خبر نہ تھی ایک ایسی متمدن قوم میں تبدیل ہو گئے تھے جس نے شائستگی اور تہذیب میں کافی حد تک ترقی کر لی تھی اہل مکہ کے کردار میں تبدیلی کی روشن مثال "حلف الفضول" کا واقعہ ہے جب انہوں نے مل کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ ہر مظلوم کی مدد کریں گے، اس حلف الفضول کے بارے میں رسول کریم صلعم نے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں میں نے ایک ایسا عہد کیا تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے اور اگر اب اسلام کے زمانے میں بھی مجھ سے اس کا واسطہ دے کر مدد مانگی جائے تو میں اس کے لئے تیار ہوں [1]

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل ابن ہشام نے اپنی سیرت میں باین الفاظ بیان کی ہے "قریش کے بعض قبائل نے باہم ایک عہد کرنا چاہا چنانچہ وہ عبداللہ بن جدعان بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی کے گھر میں جمع ہو گئے اور سب نے بالاتفاق قسمیں کھائیں کہ مکہ میں وہ جس مظلوم کو دیکھیں گے خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا مسافر اس کے ساتھ ہو کر ظالم سے اس کا بدلہ لیں گے۔ اس حلف کا نام انہوں نے "حلف الفضول" رکھا۔ مندرجہ ذیل قبائل اس موقع پر جمع تھے۔ بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب [illegible] بنو زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ"

باقی صفحہ ۲۴ پر

اس کے ساتھ ساتھ قریش میں ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہوں نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے بُت پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کر لی اس روشن ضمیری کا پتہ دیتا ہے جو قریش میں رونما ہو رہی تھی لہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

اس حلف کے بارے میں زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے تھے،

ان الفضول تحالفوا و تعاقدوا
الا یقیم ببطن مکۃ ظالم
امر علیہ تعاهدوا و تعاقدوا
فالجار والمعتر فیہم سالم

السہیلی جلد نمبر ا صفحہ ۹۱ و ابن خلدون جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳

یعنی" فضول نے (یہ حلف اٹھانے میں چار ایسے آدمی پیش پیش تھے جن کا نام فضل تھا اسی مناسبت سے اس کا نام "حلف الفضول" پڑ گیا۔) یہ عہد کر لیا ہے کہ آئندہ وادی مکہ میں کوئی ظالم رہنے نہیں پائے گا اس عہد کی انہوں نے خوب نگہداشت کی اس کا نتیجہ ہے کہ اب پڑوسی اور غریب و مسکین کی طرف کوئی شخص آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

لہ ابن ہشام اپنی سیرۃ میں لکھتے ہیں، ایک دفعہ قریش نے اپنے ایک تہوار کے موقع پر ایک بڑے بُت کے قریب جمع ہو کر جس کی وہ بہت تعظیم کرتے تھے، اس پر چڑھاوا چڑھاتے تھے، اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے اور اس کے گرد طواف کرتے تھے اس موقع پر چار افراد نے خفیہ طور پر ان سے علیحدگی اختیار کر لی جو مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) ورقہ بن نوفل ۲۔ عبداللہ بن جحش ۳۔ عثمان بن حویرث ۴۔ زید بن عمرو بن نفیل۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ چونکہ ہماری قوم نے انتہائی گمراہی اختیار کر لی ہے اور دین ابراہیمی سے ان کو کسی قسم کا تعلق نہیں رہا جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ محض پتھر ہیں۔ جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچاتے ہیں، نہ نفع دیتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

ذہنیتوں اور افکار میں یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی؟ اور وہ جو کبھی جنگل کے بھیڑئیے تھے متمدن انسانوں میں کس طرح تبدیل ہو گئے؟ یہ دراصل اس امر کی علامت تھی کہ اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نئے دین کا ظہور ہونیوالا ہے اور اس پیغمبر کی ولادت کا وقت آن پہنچا ہے جس کے سپرد دین خدا کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کا کام کیا گیا ہے۔ قریش کی ظاہری حالت اگرچہ ایسی نہ تھی کہ تاریخ میں زیادہ دیر تک ان کا نام زندہ رہ سکتا۔ اور وہ تمام عرب کو اپنے گرد جمع کر کے اور انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر ایک لمبے عرصے تک عالم دنیا پر حکمران کرتے لیکن چونکہ رسول کریم صلعم کی ولادت کے بعد دنیا کی سرداری کا تاج انہی کے سر پر رکھا جانے والا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کی مخفی استعدادوں اور صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا جو ان عظیم فتوحات اور کارہائے نمایاں میں بے حد ممد ثابت ہوئیں جن کا کچھ ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

خالد کا قبیلہ حضرت خالد بن ولیدؓ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ زیرک، دانا اور باکمال افراد کی اس قبیلہ میں کمی نہ تھی۔ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر جو تجارت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اسی قبیلے کے ایک فرد تھے، ابو وہب بن عمرو بھی جنہوں نے سب سے پہلے لوگوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں صرف وہی رقم صرف کی جائے جو حلال طریقوں سے حاصل کی گئی ہو۔ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جب قریش کعبہ کی تعمیر نئے سرے سے شروع کرنے لگے تو ابو وہب نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "اے میری قوم تم اس عمارت کی تعمیر شروع کرنے لگے ہو

(بقیہ صفحہ ۲۴)

اس لئے ہمیں دین ابراہیمی کی تلاش کرنی چاہیئے ان میں سے ورقہ بن نوفل نے بہت کچھ غور و فکر کرنے کے بعد عیسائیت اختیار کرلی اور بائبل اور انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ عیسائیت کے بہت بڑے پیرو کار بن گئے"۔ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۱۴۵۔

جو خانہ خدا ہے۔ جس میں شب و روز خدا کا نام لیا جاتا ہے اس لیئے اس بات کا سختی سے خیال رکھو کہ اس کی تعمیر میں کوئی ایسی رقم نہ لگائی جائے جس کے حرام ہونے کے متعلق تمہیں شبہ بھی ہو۔ نہ تو اس میں فاحشہ عورت کا روپیہ خرچ ہونا چاہیئے نہ سود کا روپیہ لگنا چاہیئے، اور نہ ایسا روپیہ لگنا چاہیئے جو لوگوں پر ظلم و ستم کر کے حاصل کیا گیا ہو لے

ابو وہب رسول کریمؐ کے ماموں تھے اور تمام مکہ میں نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بنو مخزوم کو جو رتبہ قریش میں حاصل تھا اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب کعبہ کی تعمیر کا سوال درپیش ہوا تو اس خیال سے کہ تمام قبائل کو اس کی تعمیر کا شرف حاصل ہو۔ عمارت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر قبیلے کے سپرد ایک ایک حصہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر کعبہ کی عمارت کا جو تھائی حصہ یعنی حجر اسود سے لیکر رکن یمانی تک بنو مخزوم کے حصے میں آیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو مخزوم کس قدر بلند مرتبہ کے مالک تھے لے

بنو مخزوم کی بزرگی اور قدر و منزلت کا اظہار اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ قریش کی سیادت کے معاملے میں ان کا بنو ہاشم سے اکثر جھگڑا رہتا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بنو ہاشم قریش کا معزز ترین قبیلہ تھا کسی قبیلے کو اس سے ہمسری کے دعوے کی جرأت نہ تھی لیکن بنو مخزوم کسی بھی موقع پر اپنی بڑائی اور شرف منزلت کا اظہار کرنے سے چوکتے نہ تھے جب رسول کریم صلعم نے خدا تعالیٰ کے اذن سے نبوت کا دعویٰ کیا تو

لے مصنف روض الانف لکھتے ہیں کہ ابو وہب بن عمرو کی اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قریش سود، ظلم اور فواحشات کو دل سے حرام ہی سمجھتے تھے (گو ظاہر میں انہیں ایسا کرنے میں کوئی باک نہ تھا) روض الانف جلد اوّل صفحہ ۱۳۱۔

لے یعقوبی جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۸۔ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۳۱ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۰، طبری اور ابن ہشام نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ مذکورہ بالا رکن تمام کا تمام بنو مخزوم کے حصہ میں آیا تھا ان کا بیان ہے کہ اس حصہ کی تعمیر میں بنو مخزوم کے علاوہ چند اور قبائل بھی شریک تھے۔

انہوں نے یہ کہہ کر آپ کی مخالفت کی کہ اگر خدا تعالیٰ کسی کو نبی بنانا چاہتا تو ہم میں سے کسی کو بناتا۔ چنانچہ ابوجہل بنو ہاشم کو مخاطب کر کے کہا کرتا تھا جس وقت سخاوت، شجاعت، بزرگی اور عزت و شرف کا مقابلہ ہوا اور گھوڑے میدان میں دوڑنے لگے اور ہم نے مقابلہ جیت لیا تو اس وقت تم نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم میں نبی پیدا ہو گیا ہے[1]

جس وقت قریش نے رسول کریم صلعم کی مخالفت میں مغلوب الغضب ہو کر باہم ایک معاہدہ تحریر کیا کہ کوئی شخص آپ سے اور بنو ہاشم سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گا اور انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز مہیا نہ کرے گا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ قریش نے تمام دروازے بند کر رکھے تھے اور کسی جانب سے بھی آپ کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچ سکتی تھی جب محصورین بھوک اور پیاس کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئے تو سب سے پہلے جس کے دل میں مسلمانوں کے متعلق جذبہ ترحم پیدا ہوا اور جس نے اس صریح ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کیلئے زور دیا وہ بنو مخزوم ہی کا ایک فرد زہیر بن ابو اُمیہ بن مغیرہ تھا[2]

جب بعض مسلمان کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ چلے گئے تو کفار نے اُن کو واپس بلانے کیلئے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس دو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بھیجا جس میں ایک تو عمرو بن العاص تھے اور دوسرا بنو مخزوم کا کوئی فرد تھا[3]

---

[1] المغازی للواقدی صفحہ ۲۳

[2] طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۳۲

[3] بعض روایات میں آیا ہے کہ عمرو بن العاص کے علاوہ دوسرا شخص حضرت خالد بن ولید کا بھائی عمارہ بن ولید تھا اور بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا تاہم قطع نظر اس کے کہ کونسی روایت صحیح ہے اس امر پر مورخین کا اتفاق ہے کہ دوسرا شخص قبیلہ بنو مخزوم ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت خالدؓ کے بھائی کے ذکر میں یہ بیان تفصیل سے آئے گا۔

ایسی معزز سفارت میں جو ایک بادشاہ کے پاس بھیجی جا رہی تھی بنو مخزوم کے ایک فرد کے شامل ہونے سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو قریش کے دل میں اس قبیلے کی تھی۔

بنو مخزوم اور سرداران بنو ہاشم کے درمیان ازدواج کا سلسلہ بھی جاری تھا چنانچہ عاتکہ بنت عبدالمطلب، ابو اُمیہ بن مغیرہ سے بیاہی ہوئی تھیں اسی ابو اُمیہ کے بیٹے زہیر بن ابو اُمیہ نے سب سے پہلے قریش کے ظالمانہ معاہدے کو فسخ کرنیکا سوال اٹھایا تھا رسول کریم صلعم کی دادی فاطمہ بنت عمرو بنو مخزوم ہی سے تعلق رکھتی تھیں [۱] اگر ان سب باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی بنو مخزوم کی منزلت، شرف اور فخر کیلئے یہ امر کافی ہے کہ رسول کریم صلعم نے بھی اس قبیلے سے ازدواجی تعلق قائم کیا۔ چنانچہ آپ کی دو ازدواج مطہرات حضرت اُم سلمہ رض اور حضرت میمونہ رض بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں

جس طرح بنو مخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے اسی طرح وہ دولت و ثروت میں بھی کسی سے کم نہ تھے واقدی نے قریش کے اس عظیم الشان قافلے کا حال بیان کرتے ہوئے جو جنگ بدر سے قبل اس مقصد کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ کہ اس سے جو منافع حاصل ہوگا اسے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں خرچ کیا جائے گا۔ لکھا ہے کہ اس قافلے میں بنو مخزوم کے دو سو اونٹ تھے اور اس میں ان کا حصہ چار یا پانچ ہزار مثقال سونا تھا [۲]

جہاں بنو مخزوم رسول کریم صلعم کی مخالفت اور دشمنی کرنے میں پیش پیش تھے وہاں اس قبیلے میں مخلصین کی بھی کمی نہ تھی۔ اس قبیلے کے کئی لوگ سابقون الاولون میں شامل ہیں۔ اور کئی نے اللہ کی راہ میں ہجرت بھی کی چنانچہ حبشہ کی طرف جو مسلمانوں نے

---

[۱] فاطمہ بنت عمرو رسول کریم صلعم کے والد حضرت عبداللہ آپ کے چچاؤں ابو طالب اور زبیر اور سوائے صفیہ کے باقی تمام پھوپھیوں کی والدہ تھیں ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۸، طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۳، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۔ [۲] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ و ۸، ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ و ۲۶۳، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ [۳] المغازی للواقدی صفحہ ۲۱

ہجرت کی ان میں بنو مخزوم کے آٹھ افراد تھے [1] جن میں حضرت ابو سلمہ رض بن عبدالاسد اور حضرت ارقم رض بن ابی ارقم [2] بھی شامل تھے حضرت ابو سلمہ رض ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ اور مدینہ کی ہجرتوں کے موقع پر مہاجرین میں پیش پیش آپ ہی تھے۔ حضرت ارقم رض کی بلندئ مرتبہ کیلئے یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی پہلی مسجد آپ ہی کی جائے سکونت تھی۔ جہاں وہ کفار مکہ کی نظروں سے چھپ کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور جہاں جمع ہو کر وہ اسلام کی ترقی کی تدابیر سوچا کرتے تھے۔

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۰۶

[2] ابن ہشام (جلد اوّل صفحہ ۱۶۵) کی روایت کے بموجب حضرت ابو سلمہ کا نمبر اسلام لانے والوں میں دسواں اور حضرت ارقم کا بارھواں تھا۔ لیکن ابن سعد (جلد نمبر ۳ صفحہ ۳) کی روایت ہے کہ ابو سلمہ رض ساتویں نمبر پر اسلام

مخزوم
(۱) حزن ـ المسیّب
(۲) سعید
یربوع
عامر
عمر
عمران
(۳) فاطمہ
ابووہب
عنتکہ
عمرو ـ عائذ
عبداللہ
(۴) ھنساء
(۵) عبداللہ
سفیان
ابوالسائب
(۶) السائب
عائذ
(۶) ابوسلمہ
ہلال
المغیرہ
ابوالارقم
عبدالاسد
(۸) الارقم
عبداللہ
الفاکہ
عبدشمس
حفص
الولید
ہاشم
ابوحذیفہ
ابوربیعہ
ابوامیہ
ہشام

شجرہ نمبر ۳ (صفحہ ۲۹)

بنو مخزوم کے بعض سربرآوردہ اشخاص

ماخذ

۱۔ طبقات ابن سعد
۲۔ سیرت ابن ہشام
۳۔ تاریخ طبری
۴۔ انساب قریشین
۵۔ تاریخ ابن خلدون

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ بیعت رضوان میں شامل تھے۔
۲۔ معززین قریش میں سے تھے اور مؤلفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل تھے۔
۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی اور زبیر اور ابو طالب کی والدہ تھیں۔
۴۔ اوّلین مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنیوالوں میں شامل تھے
۵۔ " " " " " "
۶۔ اولین مسلمانوں اور مہاجرین حبشہ میں شامل تھے مدینہ کی طرف سب سے پہلے انہوں نے ہی ہجرت کی۔
۷۔ مؤلفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل اور مخلص مسلمان تھے۔
۸۔ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے انہیں کے گھر میں مسلمان خفیہ طور پر جمع ہو کر نمازیں وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔

شجرہ نمبر ۴

حضرت خالدؓ کے چچا اور بعض چچازاد بھائی اور بہنیں

ماخذ:

(۱) مغازی الواقدی ۲۔ طبقات ابن سعد
۳۔ سیرت ابن ہشام ۴۔ تاریخ طبری
۵۔ تاریخ ابن خلدون ۶۔ فتوح البلدان بلاذری

المغیرہ

- ہشام
  - ۱ ابوجہل
  - ۲ سلمہ
  - ۳ خالد
  - ۴ الحارث
  - ۵ العاص
- ابوامیہ
  - ۶ زہیر
  - ۷ عبداللہ
  - ۸ ام سلمہ
  - ۹ المہاجر
- ابوربیعہ
  - ۱۰ عیاش
  - ۱۱ عبداللہ
- ابوحذیفہ
  - ۱۲ ابوامیہ
  - ۱۳ ہاشم
- الولید
  - خالد رضی اللہ عنہ
- ہاشم
  - ۱۴ حنتمہ
- حفص
- عبدالشمس
  - ۱۵ الولید
- الفاکہ
  - ۱۶ ابوقبیصہ
- عبداللہ
  - ۱۷ عثمان
  - ۱۸ نوفل

شجرات نمبر ۳، ۴ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنو مخزوم میں کتنے مشہور اور معزز ترین لوگ گزرے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی تمام قوم کو سربلند کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور جن کی

حضرت رضؓ کے چچا زاد بھائیوں اور بہنوں کے حالات (متعلقہ شجرہ نمبر ۴)

۱۔ ابوجہل : سرداران قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ مشہور صحابی حضرت عکرمہ رضؓ کا باپ تھا۔

۲۔ مسلمہ : قدیمی مسلمان ہیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی جنگ مرج الصفر میں شہادت پائی۔

۳۔ خالد : مؤلفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہوازن کی غنیمتوں میں حصہ دیا تھا۔

۴۔ حارث : حارث مخلص مسلمان تھے ان کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے ؎

اولی قریش بالمکارم والذی

فی الجاھلیۃ کان والاسلام

(جہالت اور اسلام دونوں زمانوں میں اخلاق اور سخاوت کے لحاظ سے حارث بہترین شخص ہیں)

۵۔ العاص ۔ سرداران قریش میں سے تھا۔ جنگ بدر میں حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسے قتل کیا۔

۶۔ زہیر : محاصرۂ ابوطالب کو توڑنے کے لئے سب سے پہلے انہی نے آواز اٹھائی تھی،

۷۔ عبداللہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔

۸۔ اُمِ سلمہ : اُم المومنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

۹۔ المہاجر : انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنعا کا امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ مرتدین کی جنگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسود عنسی سے لڑنے کیلئے جھنڈا مرحمت فرمایا تھا۔

۱۰۔ عیاش : ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور دار ارقم میں مسلمانوں کے جمع ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے۔

۱۱۔ عبداللہ : صحابی تھے، جنگ طائف میں شہید ہوئے۔

وجہ سے اس قبیلے کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس قبیلے کے بعض افراد ابھی تک بالائی مصر میں "اشمونین" کے مقام پر آباد ہیں۔ اور بہادری اور شجاعت کی قومی خصلتیں ان میں اب تک موجود ہیں۔

اس قبیلے کو قریش میں جو شرف اور مرتبہ حاصل تھا اس کے مختصر سے ذکر کے بعد یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت خالدؓ کے اعمام (چچاؤں) کا بھی مختصر سا حال بیان کریں جس سے معلوم ہو کہ انہیں اپنی قوم میں کس درجہ بزرگی، سیادت اور بلند رتبہ حاصل تھا۔

خالدؓ کے اعمام: حضرت خالد کے چچا قریش میں ہر قومی کام کے موقع پر سب سے آگے ہوتے تھے شرافت، سخاوت اور امارت میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا سوال پیدا ہوا تو قریش میں زبردست اختلاف برپا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصے میں آئے اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں اور خانہ جنگی برپا ہو جائی اس وقت حضرت خالدؓ کے چچا ابو اُمیہ ابن مغیرہ ہی تھے جنہوں نے یہ تجویز پیش

۱۲۔ ابو اُمیہ: سرداران قریش میں سے تھا اور جنگ بدر کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

۱۳۔ ہاشم: ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے۔

۱۴۔ حنتمہ: حضرت عمرؓ بن خطاب کی والدہ تھیں۔

۱۵۔ الولید: جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

۱۶۔ ابو قیس: سرداران قریش میں سے تھا جنگ بدر میں حضرت حمزہ نے اسے قتل کیا تھا۔ پہلے اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔

۱۷۔ عثمان: یہ ابن حضرمی کے قافلہ میں شریک تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا۔

۱۸۔ نوفل: جنگ خندق کے موقع پر خندق پر گر پڑا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھروں کی بارش کی حضرت علیؓ نے خندق میں کود کر اس کا کام تمام کر دیا۔

کی کہ اس جھگڑے کا تصفیہ اس شخص سے کرایا جائیگا جو کل سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو[1]
اس تجویز پر سب لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور قریش ایک زبردست خانہ جنگی سے بچ گئے۔

ابو امیہ قریش "زاد الراکب" (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ جو شخص ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا اسے اپنا زاد راہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اس کے کھانے پینے کے تمام اخراجات ابو امیہ برداشت کرتے تھے ابو امیہ ظہور اسلام سے قبل ہی وفات پا گئے ابوطالب نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الا ان زاد الركب غير مدافع   بسرو سحيم غيبته المقابر[2]

(افسوس "زاد الراکب" کی حفاظت کرنیوالا کوئی نہیں ہے اسے "سرو سحیم" میں قبروں نے اپنے نیچے چھپا لیا)
ابو اجیحہ نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا

الا هلك الماجد الرافد   وكل قريش له حامد
ومن هو عصمة ايتامنا   وغيث اذا فقد الرعد[3]

(افسوس وہ شخص فوت ہو گیا جو بزرگ اور سخی تھا، قریش کا بچہ بچہ اسکی تعریف میں رطب اللسان تھا، وہ ہمارے یتیموں کی پناہ گاہ تھا وہ خشک سالی کے موسم میں باران رحمت تھا۔)
حضرت خالدؓ کے دوسرے چچا بھی سخاوت اور مہمانوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے

---

[1] قریش کی خوش قسمتی تھی کہ اگلے روز سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ رسول کریم صلعم تھے جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے "یہ شخص امین ہے اس لئے ہم اسکے فیصلے پر راضی ہیں"
ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۳۲۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹
ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۵

[2] "سرو سحیم" اس شہر کا نام ہے جہاں ابو امیہ تجارت کے لئے شام جاتے ہوئے فوت ہوئے تھے۔ بلوغ الارب مؤلفہ الوسی جلد ۳ صفحہ ۲۱۵

[3] السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۱۶۱

فاکہ بن مغیرہ نے ایک "بیت الضیافت" بنا رکھا تھا۔ جہاں جاکر ہر شخص بلا اجازت کھانا کھا سکتا تھا
آپ کے ایک اور چچا ابو حذیفہ بن مغیرہ ان چار بڑے بڑے رؤسا میں شریک تھے [1] جنہوں
نے رسول کریم صلعم کے فیصلے کے بعد حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کیلئے اس چادر کے کونے پکڑے
تھے جسمیں حجر اسود رکھا ہوا تھا۔

ایک چچا ہشام بن مغیرہ بھی قریش کے سرداروں میں سے تھے، حرب فجار کے موقع پر
بنو مخزوم کی قیادت انہیں کے سپرد تھی۔ وہ بڑے جری اور بہترین شاہسوار تھے شکل بڑی بارعب
تھی۔ ان کی وفات سے قریش کو سخت رنج پہنچا تھا۔ اور کئی خطبے ان کی شان میں پڑھے گئے
تھے۔ مقدسی لکھتا ہے ہشام کی وفات کے بعد مکہ کے قریب تین سال تک کوئی میلہ نہ لگا
کئی سال تک یہ طریقہ رائج رہا کہ اگر قریش کسی واقع کا ذکر کرتے تو یہ کہتے کہ یہ واقعہ ہشام کی
موت کے عرصے بعد وقوع پذیر ہوا [2] ہشام کی وفات پر ایک شاعر نے اپنے مرثیے
میں کہا تھا:-

واصبح بطن مكة مقشعرا

كان الارض ليس بها هشام [3]

(وادی مکہ بے نور ہوگئی۔ کیونکہ ہشام اس سرزمین سے اُٹھ گیا ہے)

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ کے چچا قوم میں کس قدر بلند
شخصیت کے مالک تھے، (تفصیل کیلئے شجرہ نمبر ۴ دیکھیں)

---

[1] یہ چار رؤسا مندرجہ ذیل تھے۔
عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس - اسود بن عبد المطلب بن اسد بن عبد العزی
ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمر بن مخزوم اور قیس بن عدی السہمی الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹
ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۴ مروج الذہب مؤلفہ مسعودی جلد اول ۳۹۷

[2] انساب القریشیین مؤلفہ مقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۴۸

[3] بلوغ الارب مؤلفہ الوسی جلد ۳ صفحہ ۲۱۵

خالدؓ کے بھائی

مورخین میں آپ کے بھائیوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے بعض ان کی تعداد دسؔ بتاتے ہیں[1] بعض تیرہ اور بعض کہتے ہیں کہ آپؓ سات بھائی تھے قرآن کریم کی آیت (وبنین شھودا) سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کئی بھائی تھے جو سب کے سب مرفع الحال تھے اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے سات بھائیوں کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اسلام سے قبل اور بعد کے واقعات اور غزوات کی چھان بین کرنے سے سات سے زیادہ کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ سات بھائیوں کے نام یہ ہیں۔[2] عاصؔ۔ ابو قیس[2]۔ عبد شمس[3]۔ عمارہ[4]۔ ہشام[5]۔ ولید[6] خالدؔ۔ بہنیں ۲ دو تھیں فاطمہ اور فاختہ[2]۔

ان میں سے عاص اسلام سے قبل ہی بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ ابو قیس اسلام لے آیا تھا مگر بعد ازاں مرتد ہو گیا تھا اور جنگ بدر میں حضرت حمزہ اور بعض روایات کے بموجب حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اس کے بارے میں قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ[3] (بعض وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہوتے ہیں۔)
عبد شمس حضرت خالدؓ کے بھائیؓ کا نام ہی نہ تھا بلکہ ان کے والد کی کنیت بھی تھی[4]۔[5]

---

[1] امام فخر الدین رازی مؤلف تفسیر کبیر نے بھی بھائیوں کی تعداد دسؔ ہی لکھی ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۸۷

[2] کسی مورخ نے ان بھائیوں کے نام یکجا نہیں لکھے مختلف واقعات کی چھان بین کرنے سے جن بھائیوں کا حال ہمیں معلوم ہوا وہ ہم نے لکھ دیا ہے البتہ علامہ الوسی نے اپنی تفسیر (جلد ۹ صفحہ ۱۲۲) میں مذکورہ بالا ساتوں بھائیوں کے نام لکھے ہیں۔

[3] ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۷۷،۵، ۱۰۳

[4] المغازی للواقدی صفحہ ۱۴۷۔ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۶۰، ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۱

عمارہ کو قریش نے عمرو بن العاص کے ساتھ مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے کیلئے بھیجا تھا۔
اسی عمارہ کو قریش نے رسول کریم صلعم کے چچا حضرت ابو طالبؓ کو آپ کے بدلے پیش کیا تھا۔
اور کہا تھا کہ "اے ابو طالب! یہ لڑکا قریش میں سب سے خوبرو اور صاحب فہم و تمیز ہے تم اسے اپنا بیٹا
بنا لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمدؐ کو ہمیں دے دو"[1] قریش کا یہ کہنا دراصل
یہ اعتراف کرنا تھا کہ عمارہ میں وہ خوبیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام قوم میں منفرد حیثیت رکھتا ہے
اسی لئے انہوں نے اسکو رسول کریم کے عوض ابو طالب کے سامنے پیش کیا اور اسکی انہی خوبیوں
کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے نجاشی کے پاس بھیجنے کیلئے بھی منتخب کیا۔[2]

خالدؓ کے علاوہ ولید اور ہشام کو بھی اسلام قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی
سعادت نصیب ہوئی۔ ہشام ان لوگوں میں سے تھے جنہیں رسول کریم صلعم اسلام قبول کرنے کے
بعد بطور تالیف قلوب کچھ نہ کچھ مرحمت فرمایا کرتے تھے[3] ولید پر ان کے بھائی اور دوسرے
قریش اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت ظلم توڑا کرتے تھے آخر کار وہ موقع پاکر مدینہ بھاگ
گئے۔ راستے میں لگاتار چلنے کی وجہ سے ان کی ایک انگلی زخمی ہوگئی۔ انہوں نے انگلی کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا:- هل انت الا اصبع دميت
وفی سبیل اللہ ما لقیت

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۱

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۰۹

[3] یہ بیان بعض کتب مثلاً طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ کے اس بیان کے مطابق نہیں ہے جس
میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ دوسرے شخص عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے،،
عمرو بن العاص کئی بار حبشہ گئے تھے ایک بار عمارہ بن ولید بھی ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ مؤلف
السیرۃ الحلبیہ نے یہی خیال ظاہر کیا ہے (السیرۃ الحلبیہ جلد اول ۳۳۲ و جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)
جن کتابوں میں عمارہ کا عمرو بن العاص کے ساتھ جانا بالصراحت مذکور ہے ان
میں اغانی جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۴ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۸ اور الروض الانف جلد اول
صفحہ ۱۷۱ قابل ذکر ہیں۔

(تو کیا ہے ؟ محض ایک انگلی ہی تو ہے جو زخمی ہو گئی ابھی تو نے اللہ کے راستے میں تکلیف ہی کیا برداشت کی ہے ؟)

ولید اپنے دونوں بھائیوں خالد اور ہشام سے بہت پہلے اسلام لائے تھے رسول کریم صلعم ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے حضرت خالدؓ کے اسلام لانے میں ولید کا بھی ہاتھ ہے آپ کی بہن فاطمہ نے فتح مکہ کے دن رسول کریم صلعم کی بیعت کی تھی ان کی شادی حارث بن ہشام مخزومی سے ہوئی تھی ۔ دوسری بہن فاختہ، صفوان بن اُمیہ کی بیوی تھیں اپنے شوہر سے کئی ماہ قبل اسلام لائی تھیں [۱] (شجرہ نمبر ۵ دیکھیں)

خالدؓ کی والدہ

آپ کی والدہ لبابۃ الصغریٰ کا نسب اپنے شوہر ولید سے قیس عیلان بن مضر پر جا کر مل جاتا ہے (شجرہ نمبر ۲ دیکھیں) ان کے اسلام لانے کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے ۔ مؤلف کتاب الاصابہ لکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئی تھیں ان کے اس دعوے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ وہ حضرت کے زمانے تک زندہ رہیں [۲] لیکن ابن حجر ان کے اسلام لانے کو تسلیم نہیں کرتے لبابۃ الصغریٰ کی آٹھ بہنیں تھیں۔

(۱) میمونہ بنت حارث زوجۂ رسول کریم صلعم گویا حضرت خالدؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُن کی ایک خالہ اُمہات المؤمنین میں سے تھیں۔

(۲) اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت حارث زوجہ عباس بن عبدالمطلب ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد وہ سب سے پہلی عورت ہیں جو اسلام لائیں۔ ان کی اولاد آگے چل کر عظیم الشان عباسی سلطنت کی مالک بنی۔

(۳) عصما بنت حارث زوجۂ ابی بن خلف الجمحی ان کے بطن سے پیدا ہوئے ۔

(۴) عزہ بنت حارث زوجۂ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی ان کے متعلق ابن عبدالبر

---

[۱] الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷۷ و ۷۷۶، طبری جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۰ و ۱۲۲

[۲] الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۸

کہتے ہیں کسی شخص نے ان کا شمار صحابیاتؓ میں نہیں کیا میرا خیال بھی یہی ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ملی۔"

(۵) ہزیلہ بنت حارث ان کا نکاح کسی اعرابی کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ اکثر اپنی بہن حضرت میمونہؓ کو گھی، پنیر اور مکھن بھیجا کرتی تھیں۔

(۶) اسماء بنت عمیس سب سے پہلے یہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان سے شادی کی۔ آخر میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی زوجیت میں آئیں [1]

(۷) سلمیٰ بنت عمیس پہلے یہ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہیں۔ ان کی شہادت کے بعد شدادؓ بن اسامہ بن ہاد بن اسامہ بن ہاد اللیثی نے ان سے شادی کی۔

(۸) سلامہ بنت عمیس زوجہ عبداللہ بن کعب بن منبہ خثعمی [2]

اس طرح لبابۃ الصغریٰ سمیت کل نگی بہنیں (باپ کی طرف سے) نو تھیں۔ رسول کریم صلعم نے انہیں "الاخوات مومنات" [3] کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ لبابہ کے سوتیلے بھائی محمیہ بن جزو بن عبد یغوث زبیدی تھے جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے رسول کریم صلعم نے انہیں "خمس" وصول کرنے پر لگایا ہوا تھا۔ اور انہیں ایک لونڈی بھی مرحمت فرمائی تھی۔ کلبی نے لکھا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک تھے لیکن واقدی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلی جنگ جس میں وہ شریک ہوئے جنگ مریسیع تھی [4]

شجرہ نمبر ۵
حضرت خالدؓ کے بھائی بہن

الولیدؓ

ان تمام بہنوں کی والدہ ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ الحمیریہ تھیں[۵] شجرہ نمبر[۲] اور شجرہ نمبر ۶ سے واضح ہو جائیگا کہ شرف اور حسب و نسب میں خالدؓ کی والدہ کا درجہ کتنا بلند تھا۔ وہ اس قبیلے کی طرف منسوب تھیں جو تمام قبائل مضر میں سب سے زیادہ معزز اور بڑا تھا۔ اس حسب و نسب اور شرافت کا اثر ان کے بیٹوں کے اخلاق پر پڑنا لازمی تھا۔

خالد کے والد

خالدؓ کے والد عبد شمس ولید بن مغیرہ مخزومی تھے جو قریش میں صاحب عقل و فہم و ذکاء اور بڑے فصیح البیان خطیب مانے جاتے تھے۔ انہیں جو عزت، شرف اور رتبہ میسّر تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل تھا وہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں وہ بھی شامل تھے[۶] اسلام سے قبل ہی انہوں نے مے نوشی ترک کر دی تھی[۷] چوری کرنے کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا سب سے پہلے انہوں نے ہی ایجاد کی تھی جس کی بعد میں اسلام نے بھی توثیق کر دی[۸]

۱؎ انساب الاشراف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۶ ۔ الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۸، ۷۹، و ۸۰، و ۸۶، السہیلی جلد ۲ صفحہ ۸، و ۹،

۲؎ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۲۱۶ ۔ الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۹، و ۸۷، و ۸۶،

۳؎ الروض الانف جلد اوّل صفحہ ۱۶۸

۴؎ الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۶۸ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۶

۵؎ الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۸۰، انساب الاشراف جلد اوّل صفحہ ۲۱۴

۶؎ الیعقوبی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰

۷؎ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۳

۸؎ السہیلی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳

انہیں "عدل قریش"[1] کے نام سے پکارا جاتا تھا ایک سال صرف وہ اکیلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے حالانکہ دوسرے سال تمام قریش مل کر غلاف چڑھاتے تھے

حج کے موسم میں وہ منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے ان کے علاوہ اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ منیٰ میں کھانا پکانے کیلئے آگ جلائے حجاج کے ساتھ ان کے مشفقانہ سلوک کی وجہ سے اعرابی ان کے بے حد مداح اور ثنا خواں تھے[2] خدا تعالیٰ نے انہیں مال و دولت کی فراوانی سے بھی نوازا تھا۔ بارہ ہزار دینار سے کم کسی وقت بھی ان کے پاس روپیہ نہ ہوتا تھا[3] ان کی دلیری وعزم اور ارادہ کی پختگی کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو ڈھا کر از سر نو بنانے کا ارادہ کیا تو ہر شخص اسے ڈھاتے ہوئے ڈرتا تھا کہیں اس پر خدائی عذاب نازل نہ ہو جائے لیکن انہوں نے کدال لی اور یہ کہہ کر عمارت ڈھانی شروع کر دی

---

[1] مؤلف انساب الاشراف لکھتے ہیں کہ انہیں یہ لقب اس لئے دیا گیا تھا کہ ان کے نزدیک عدل القضاء میں تمام قریش کو مساوی حقوق حاصل تھے (جلد اول صفحہ ۶۰) السیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۷

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۷

[3] آیت "وجعلت لہ مالا ممدودا" انہی کے بارے میں اور انہی کے لئے نازل ہوئی تھی۔ السہیلی جلد ۱ صفحہ ۱۷۳

[4] السیرۃ الحلبیہ صفحہ ۳۴۷ لیکن میرے محترم استاد شیخ عبدالوہاب اس امر کو ناممکن سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مکہ سے طائف تک باغات کا وجود صرف خواب ہی میں ممکن ہے دونوں شہروں کے درمیان صرف جبل کرا پر باغات ہیں لیکن یہ مقامات مکہ سے کافی فاصلہ پر ہے اور کافی بلند ہے" محترم استاد نے جو کچھ کہا وہ اپنے اس مشاہدے کی بنا پر کہا ہے جو انہیں ۱۳۴۹ھ میں سفر حج کے دوران میں حاصل ہوا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ طبعی حالات کی وجہ سے زمین میں تغیر واقع ہو گیا ہو اور جس سرزمین پر پہلے باغات موجود ہوں طبعی حالات کے باعث وہ بعد میں ناپید ہو گئے ہوں، ہمارے بیان سے یہ بھی نہیں لازم آتا کہ یہ باغات مکہ سے طائف تک مسلسل چلے گئے تھے ہو سکتا ہے کہ وہ فاصلے فاصلے پر واقع ہوں۔

مد اے اللہ ہم جو کچھ کرنے لگے ہیں اس میں کسی بدارادے کو دخل نہیں ہمارا ارادہ نیک ہے"[1]
کعبہ کی وہ اتنی تعظیم کرتے تھے کہ کبھی اس میں جوتیاں پہن کر داخل نہیں ہوئے اور کہا جاتا ہے
کہ سب سے پہلے جس نے اس طریقے کو رائج کیا وہ ولید ہی تھے[2] عقیدے کی پختگی اور اپنے آبائی دین
سے حد درجہ شغف کا ہی اثر تھا کہ وہ اسلام کے شدید مخالف بن گئے اور رسول کریم صلعم
کے پیغام کو ناکام بنانے کیلئے انہوں نے سرتوڑ کوشش شروع کردی۔ قریش کے شرفاء اور معززین
کے اس وفد میں جو حضرت ابوطالب کے پاس یہ درخواست لیکر گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کو
ان کے دین کی تحقیر اور ان کے بتوں کی برائی کرنے سے روک دیں، ولید بھی شامل تھے[3]
رسول کریم صلعم کی شدید خواہش تھی کہ ولید اسلام لے آئیں تاکہ اسلام کو شان و شوکت
نصیب ہو۔ جب کبھی ولید آپ کے پاس آتے تو آپ نہایت انہماک سے تبلیغ کرتے ایک
دفعہ آپ انہیں تبلیغ فرما رہے تھے کہ ابن اُم مکتوم کا بیچ میں دخل دینا رسول کریم کو کچھ ناگوار
گزرا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

عبس وتولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ وما یدریک لعلہ یزکیٰ ....»

اے رسولؐ تو نے صرف اس بات پر کہ تیرے پاس اندھا آیا، تیوری چڑھائی اور
منہ پھیرا تجھے کیا پتہ کہ شاید وہ اندھا پاکیزگی حاصل کرتا۔

طبعی اور خاندانی شرافت کا یہ اثر تھا کہ باوجود اسلام کے شدید دشمن ہونے کے
جس وقت حضرت عثمان بن مظعون الجمحی نے حبشہ سے واپس مکہ آکر ان سے پناہ کی درخواست
کی تو انہوں نے بلا تامل یہ درخواست قبول کرلی اور عثمان کو قریش کی ایذاؤں سے بچا لیا۔
چند دن بعد حضرت عثمان نے اپنی درخواست واپس لے لی۔ اور کہا کہ مجھے خدا کی پناہ کے
سوا اور کوئی پناہ مطلوب نہیں۔ لیکن ولید کی شرافت کا ان کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں
نے پناہ کی درخواست واپس لیتے ہوئے ان کے متعلق کہا۔" میں نے ولید کو انتہائی
باوفا اور بہترین پناہ دینے والا پایا"[4]

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۱، ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ [2] صبح الاعشیٰ جلد ۹ صفحہ ۴۲۸
[3] طبری جلد صفحہ ۲۱۸ [4] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۴۰

شجرہ نمبر ۶

حضرت خالد کی سگی اور سوتیلی خالائیں اور ماموں

ماخذ

الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۶

الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۸ ۔ جلد ۶ صفحہ ۶۷

انساب الاشراف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۶

ہند بنت عوف
زوجہ
حارث بن حزن

سگی خالائیں

- عزہ
- عصماء
- ہزیلہ
- ام المومنین میمونہ رضؓ
- لبابۃ الصغریٰ
- لبابۃ الکبریٰ

سوتیلی خالائیں

محمیہ بن جزء الزبیدی (سوتیلے ماموں)

- اسماء بنت عمیس
- سلمیٰ بنت عمیس
- سلامہ بنت عمیس

ولید کو اپنی قوم میں اتنا اثر و رسوخ اور عزت حاصل تھی کہ اگر وہ اسلام لے آتے تو قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ اسلام لے آتی۔ ایک مرتبہ انہیں قرآن کریم سننے کا اتفاق ہوا۔ ان کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگے اس کلام کی مثال اس خوبصورت کھجور کے درخت کی سی ہے جس کا پھل نہایت ہی میٹھا ہوتا ہے، جس کا اوپر کا حصہ ثمردار ہوتا ہے اور نچلا حصہ پانی سے تر اور جو ہمیشہ بلند و بالا رہتا ہے۔ لے ان کے یہ الفاظ سن کر قریش بڑے مضطرب ہوئے اور کہنے لگے "اے ولید تم دین سے پھر گئے ہو اور اپنے ساتھ تم قریش کو بھی گمراہ کر دو گے۔" اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض ولید کے یہ تسلیم کر لینے سے کہ قرآن مجید روزمرّہ کے عام کلام کی طرح نہیں ہے قریش میں بے چینی پھیل گئی۔ اور انہیں ڈر پیدا ہو گیا کہ ولید اسلام لے آئیں گے تو اپنے ساتھ اور بہت سے لوگوں کو بھی لے جائیں گے؟

ولید کے جواز صاف ہمارے سامنے ہیں اور جن کا قرآن کریم میں بھی اشارہ موجود ہے، انکا انکار اس بنا پر تھا۔ کہ وہ اسلام قبول کرنے اور قرآن مجید کی تصدیق کرنے میں پیش پیش ہوتے لیکن تکبر اور جاہ و تمکنت راہ میں حائل ہو گئی۔ اور وہ نہ صرف اسلام قبول کرنے سے محروم رہے بلکہ اسفل السافلین میں جا گرے ان کی حالت بالکل اس آیت کی مصداق تھی:

فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون

(اے رسول! یہ کفار تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں)

ولید کا شمار ان پانچ سربرآوردہ اشخاص میں تھا جو رسول کریم صلعم کی دشمنی اور آپ سے استہزاء کرنے میں پیش پیش تھے انہی کے اور انکے ساتھیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [۲]

"انا كفيناك المستهزئين الذين يجعلون مع الله الها آخر فسوف يعلمون"

(اے رسول ہم ان ٹھٹھا کرنیوالوں سے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں خود نپٹ لیں گے اور عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ استہزاء کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے)

لے سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۱۷۳، تفسیر البغوی، ابن کثیر اور طبری میں بھی یہ روایت باختلاف الفاظ موجود ہے۔

۲ے سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۲۵، ۲۴۳

قریش میں ولید "الوحید" [1] کے نام سے پکارے جاتے تھے کیونکہ وہ ان خوبیوں اور خصلتوں میں جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں تمام قوم میں منفردانہ حیثیت رکھتے تھے، ہجرت کے تین ماہ بعد پچانوے برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ حجون مقام میں دفن کئے گئے [2] موت کا سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کیلئے خزاعہ قبیلے میں گئے وہاں ایک شخص تیر تیار کر رہا تھا ان کا پیر ایک تیر پر پڑ کر سخت زخمی ہو گیا۔ یہی زخم جان لیوا ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کر دی تھی کہ وہ خزاعہ سے خون بہا ضرور لیں چنانچہ خزاعہ کو خون بہا دینا پڑا [3]

انہوں نے قبیلہ ثقیف کو بہت سا روپیہ سود پر دے رکھا تھا ان کی وفات کے بعد خالدؓ نے ان سے سود کا تقاضا کیا۔ بعد میں قبیلہ ثقیف اسلام لے آیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

"یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ، وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ......"

(اے لوگو کہ ایمان لے آئے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو سود کا جو روپیہ باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار رہو۔ اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہیں صرف اصل روپیہ (راس المال) لینے کا حق پہنچتا ہے اسطرح نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم ہوگا۔)

اسوقت رسول کریمؐ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا کہ اب تمہیں صرف راس المال لینے کا حق پہنچتا ہے چنانچہ حضرت خالدؓ نے تمام سود جو قبیلہ ثقیف پر واجب تھا چھوڑ دیا [4]

---

[1] سیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۳۴۷، انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۶۰

[2] انساب الاشراف جلد اوّل صفحہ ۶۰ [3] سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۵، ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸، السیرۃ الحلبیہ جلد اوّل صفحہ ۳۴۸ [4] سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۵۷

ولید کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں ہیں [1] جن سے ان کے اس بلند مرتبہ کا پتہ چلتا ہے جو انہیں اپنی قوم میں حاصل تھا۔ یہ آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ولا تطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد أثیم عتل بعد ذالك زنیم، ان كان ذا مال وبنین، اذا تتلی علیه آیاتنا قال اساطیر الاولین۔ (تم کسی ایسے شخص کی بات نہ ماننا جو بہت قسمیں کھانیوالا اور آبرو باختہ ہے، جو لوگوں پر آوازے کستا ہے اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے جو اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے، بد ہے، اکھڑا ہے اور ان عیوب کے علاوہ بداصل بھی ہے، جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو اس برتے پر کہ مال اور بہت سے بیٹے رکھتا ہے بول اٹھتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں) ولید بے شمار دولت کے مالک تھے اور خدا نے انہیں کئی بیٹے دے رکھے تھے مال و دولت اور بیٹوں کی یہ کثرت ہی انکے انکار و تکذیب کا باعث بنی [2]

۲۔ قریش کے قول :۔ لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہ کیا گیا۔) کے مصداق بھی ولید ہی تھے قریش کے اس قول سے جسے قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے واضح ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر کسی شخص پر آسمان سے وحی کا نزول ہونا ہی تھا تو اس غرض کیلئے ولید سے بہتر اور کوئی شخص نہیں اور وہ اپنی عظمت اور منزلت کے اعتبار سے محمد صلعم سے کہیں زیادہ اس نعمت کے حقدار ہیں [3]

---

[1] ان آیات میں سے بعض تو خاص طور پر ولید کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور بعض تمام سرداران کفار کیلئے جن میں ولید بھی شامل تھے، ان آیات کو درج کرنے سے ہمارا مقصد صرف ولید کی سیادت، شرف جاہ اور بلند مرتبے کی تصویر دکھانا ہے۔ [2] تفسیر کبیر از امام رازی جلد ۸ صفحہ ۱۸۰

[3] خدا تعالی نے ان کے اس قول کا جواب ان آیات میں دیا ہے اهم یقسمون رحمة ربک نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا ورحمت ربک خیر مما یجمعون ربانی صفحہ ۴۸ ایضا

۲- ذرنی ومن خلقت وحیدا وجعلت لہٗ مالاً ممدوداً وبنین شہوداً
ومہدت لہٗ تمہیداً [1] .... (اے رسول اس شخص کی سزا مجھ پر چھوڑ دو جسکو میں نے
یکہ و تنہا پیدا کیا ہے اسے مال کثیر اور بیٹے دئے ہیں اور ہر طرح کا سامان اسکے لئے مہیا کر دیا ہے)،

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ خالدؓ کے والدین اپنی قوم میں انتہائی بلند مرتبے
کے مالک تھے، خالدؓ کی پرورش ایک ایسی قوم میں ہوئی جو شجاعت، قوت و طاقت اور عزت و
جاہت میں اپنی مثال آپ تھی۔ والدین اور قبیلے کا اثر خالدؓ پر گہرا پڑا۔ اور انہوں نے عقلمندی و
دانائی، شجاعت و بہادری اور فنون حرب و واقفیت میں انتہائی کمال حاصل کیا۔ انہیں خوبیوں
کی بدولت اپنی آئندہ زندگی میں خالدؓ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو تاریخ کے
صفحات میں آب زر سے لکھے گئے ہیں۔

قریش میں خالدؓ کا مرتبہ

صفحات ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قصیٔ بن کلاب نے
خزاعہ پر غلبہ حاصل کر کے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا اور ان کی جگہ اپنے قبیلہ قریش کو آباد کیا تھا۔ اسوقت
سے مکہ اور بیت الحرام کی ریاست قریش کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ یہ ریاست چھ شعبوں میں بٹی ہوئی تھی

۱- دار الندوہ :- یہ عمارت قصیٔ نے کعبہ کے بالمقابل بنائی تھی، اس میں قریش کے سرآوردہ
اشخاص اور سردار باہمی معاملات پر گفت و شنید کرنے کیلئے جمع ہوتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷)
(کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی تقسیم کرنیوالے ہیں سو دنیا کی زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں
اور ہم نے دنیاوی درجوں کے لحاظ سے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے تاکہ اُن میں سے ایک
کو ایک اپنا محکوم بنائے رکھے اور جو مال و متاع یہ لوگ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت تو اس
سے کہیں زیادہ بہتر ہے) ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۷۲، انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۶، تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی
بغوی، ابن کثیر اور آلوسی وغیرہ۔ [1] تقریباً تمام مفسرین اسی بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت بھی ولید بن مغیرہ
کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۶، اسباب التنزیل للواحدی صفحہ ۳۲۳،
تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی ابن کثیر۔ بغوی۔ الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۷۳

۲۔ اللواء :۔ (علم برداری/علم برداری جنگ کیلئے جھنڈا تیار کرتا تھا اور وہی دوسرے لوگوں کو چھوٹے جھنڈے بنا کر دیتا تھا

۳۔ حجابۃ الکعبہ :۔ (کعبہ کی دربانی) جس شخص کے سپرد یہ خدمت ہوتی تھی وہی کعبہ کا دروازہ کھولتا تھا اور کعبہ کے متعلق تمام امور کی نگہداشت اسی کے ذمہ ہوتی تھی۔

۴۔ سقایۃ :۔ (پانی پلانا) جس شخص کے سپرد یہ کام ہوتا تھا وہ موسم حج میں حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کرتا تھا۔

۵۔ رفادۃ :۔ (حاجیوں کی مہمان نوازی واعانت) رفادہ قصیٰ نے قریش پر فرض کی تھی وہ ہر سال حج کے قریب تمام قریش سے حسب توفیق رقم اکٹھی کرتا اور اس رقم سے کھانا پکوا کر نادار اور غریب حاجیوں میں تقسیم کرتا تھا۔

۶۔ قیادت :۔ یعنی جنگوں کے موقع پر سپہ سالاری کے فرائض سر انجام دینا۔

قصیٰ نے اپنی زندگی میں یہ تمام مناصب اپنے ہاتھ میں رکھے وفات کے قریب اس نے کعبہ کی تولیت کے تمام امور اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے سپرد کر دیے عبدالدار کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں اور اس کے بھتیجوں بنو عبد مناف میں ان مناصب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اس اختلاف کے نتیجے میں قریش بھی دو حصوں میں بٹ گئے ایک حصہ بنو عبدالدار کی حمایت کرنے لگا اور دوسرا حصہ بنو عبد مناف کی۔ بنو عبدالدار کے حلیفوں نے ان کی امداد و اعانت کا حلف اٹھایا اور بنو عبد مناف کے حلیفوں نے ان کی امداد و اعانت کا۔ قریب تھا کہ قریش میں باہم جنگ چھڑ جاتی لیکن بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور ان مناصب کو جو کلیتہً بنو عبدالدار کے ہاتھوں میں تھے بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں تقسیم کر دیا[1] اور پھر آہستہ آہستہ یہ مناصب قریش کے تمام قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ اس جگہ ہم ان کا مختصر سا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت خالدؓ کو قریش میں کیا حیثیت تھی۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۸۷۔۹۰ ۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔۱۸۵

اسلام کے ظہور کے قریب قریش کے دس قبائل میں سے دس اشخاص کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، کیونکہ مناصب عالیہ کی تقسیم انہی دس اشخاص میں ہوئی تھی، وہ دس قبائل یہ تھے۔
(۱۔ ہاشم ۲۔ امیہ ۳۔ نوفل ۴۔ عبدالدار ۵۔ اسد ۶۔ تیم ۷۔ مخزوم ۸۔ عدی ۹۔ جمح ۱۰۔ سہم)

بنو ہاشم میں سے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سپرد سقایۃ تھی۔ یعنی حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی کی بہم رسانی کا سارا انتظام ان کے ذمہ تھا۔ اسلام کے بعد بھی وہ اسی خدمت پر فائز رہے، بنو امیہ میں سے ابو سفیان بن حرب کے سپرد علم برداری تھی جنگ کے دوران جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں ہوتا۔ بنو نوفل میں سے حارث بن عامر کے سپرد رفادۃ تھی جب حج کا موقع قریب آتا تو تمام قریش حسب استطاعت کچھ نہ کچھ رقم نادار حاجیوں کے خورد نوش کیلئے ان کے پاس جمع کرا دیتے، اور وہ کھانا پکوا کر حاجیوں میں تقسیم کر دیتے، بنو عبدالدار میں سے عثمان بن طلحہ کے سپرد کعبہ کی نگرانی اور انتظام تھا۔ دارالندوہ کا انتظام بھی بنو عبدالدار کے سپرد تھا بنو اسد میں سے یزید بن زمعہ بن اسود مشیر تھے جب رؤساء قریش کسی بات پر متفق نہ ہوتے تو وہ معاملہ مشورہ کیلئے یزید بن زمعہ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور جو فیصلہ وہ کرتے سب کو قبول کرنا پڑتا۔

یزید نے جنگ طائف میں جام شہادت نوش کیا۔ بنو تیم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سپرد "اشناق" کا کام تھا۔ تمام جرمانے اور خون بہا آپ کے پاس جمع ہوتے تھے ان کے علاوہ اور کسی شخص کے پاس جمع ہونیوالے خون بہا کو قبول نہ کیا جاتا تھا۔ بنو مخزوم میں سے حضرت خالدؓ بن ولید کے سپرد قبہ اور اعنہ یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور سپہ سالاری تھی۔ قریش جنگ کیلئے جو سامان اکٹھا کرتے تھے وہ انہی کی تحویل میں رہتا تھا۔ جنگی گھوڑوں کی دیکھ بھال بھی انہی کے سپرد تھی۔ بنو عدی میں سے حضرت عمر بن الخطاب کے سپرد سفارۃ تھی۔ یعنی جب قریش اور عرب کے کسی دیگر قبیلہ کے درمیان جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی تو قریش انہیں اپنی طرف سے سفیر بنا کر بھیجتے تھے اگر قبائل کے درمیان عزت و مفاخرۃ کا مطالبہ ہوتا تو حضرت عمرؓ ہی کو ثالث بنایا جاتا اور جو فیصلہ وہ دے دیتے قبائل اسے قبول کرتے۔ بنو جمح صفوان کے پاس جاتا اور اسے فال نکال دیتا۔ بنو سہم میں سے

حارث بن قیس کے سپرد وہ اموال ہوتے تھے جو قریش اپنے بتوں پر چڑھاتے تھے[1]

خالدؓ کا پیشہ تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسلام سے قبل حضرت خالدؓ کا پیشہ کیا تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت خالد کے والد بہت امیر کبیر تھے اور بے شمار باغات کے مالک تھے، ایسی صورت میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ خالد اور ان کے بھائیوں کو کوئی پیشہ اختیار کرنے یا تجارت کرنے کیلئے سفر پر جانیکی ضرورت نہ تھی، کیونکہ خدا نے انہیں گھر پر مال و دولت سے خوب نواز رکھا تھا۔

ہمارے اس خیال کی تائید سہیلی نے بھی کی ہے وہ آیت "وبنین شھودا" کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ولید کو خدا تعالیٰ نے ایسے بیٹے دیئے تھے جو اسی کیساتھ رہتے تھے۔ سفر کرنے یا مکہ سے باہر جانے کی انہیں ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کے والد کے پاس بے شمار مال و دولت موجود تھا[2] الوسی وغیرہ نے بھی اپنی تفاسیر میں اسی خیال کی تائید کی ہے ان امور کی موجودگی میں اغلب گمان یہی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت خالدؓ نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا تھا۔ تاہم بے کار رہنا ان کی فطرت کے سراسر خلاف تھا ان دنوں امیروں اور سرداروں کے بیٹوں کے دلچسپ ترین مشغلے گھوڑے کی سواری اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے تھے شوق کا یہ حال تھا کہ گھوڑے کو سدھانے کے علاوہ اس کے دانہ پانی کا بھی سارا انتظام خود ہی کرتے تھے خادموں کے سپرد کبھی یہ کام نہ ہوتا تھا۔ خالدؓ بھی امراء کے دوسرے لڑکوں کی طرح اسی شغل میں مشغول رہتے تھے آپؓ کیلئے تو یہ مشغلہ اور بھی زیادہ اہم تھا کیونکہ ان کے قبیلے بنو مخزوم کے سپرد جنگی کیمپ کا انتظام اور فوجی گھوڑوں کی نگہداشت تھی د جوان ہونے پر یہ

---

[1] تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۴۰۷۔ المقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۷۷۔ العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۳۱ مندرجہ بالا بیان ان کتابوں میں بتغیر الفاظ مذکور ہے ہم نے العقد الفرید کے بیان کو درج کیا ہے

[2] الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۷۳۔ الوسی جلد ۲۹ صفحہ ۱۲۱

ڈیوٹی حضرت خالدؓ کے سپرد کی گئی) یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جس شخص کو شہسواری اور گھوڑ دوڑ میں مہارت حاصل نہ ہو اسے لشکر کی سپہ سالاری اور جنگی گھوڑوں کی نگہداشت کا اہم کام سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن محض شہسواری ہی کافی نہ تھی۔ بلکہ جب تک نوجوان میں پھرتی چالاکی شجاعت خطرات سے بے پرواہی اور جنگی صفات موجود نہ ہوتی تھیں انہیں قبیلے میں عزت کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔ خالدؓ میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت خالدؓ کا کام صرف گھوڑے دوڑانا ہی تھا۔ دوسرے معززین قریش کی طرح وہ بھی یقیناً تنخواہ دار ملازم رکھ کر اپنا مال تجارت کیلئے ان کے حوالے کر دیتے ہوں گے، کہ وہ دوسرے ملکوں میں جائیں اور تجارت سے جو منافع حاصل ہو وہ انہیں لاکر دے دیں۔ البتہ تجارت کیلئے حضرت خالدؓ کا خود مکہ سے باہر نکلنا کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔

خالدؓ کی بہادری و کامرانی کا راز

کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں اسوقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اسے ان کاموں میں حد درجہ مہارت ہو اور اس میں جبلی طور پر وہ کام کرنے کی استعداد موجود ہو۔ ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سپرد کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو اسکی طبیعت کے موافق نہ ہو تو بالعموم وہ اس میں ناکام ہوتا ہے، اس کے برعکس اگر فطری استعداد کے ساتھ ساتھ فرائض میں رغبت اور ان کی طرف میلان بھی ہو تو یہ چیز سونے پر سہاگہ ثابت ہوتی ہے اور اس شخص کی کامیابی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

حضرت خالدؓ قدرت کی طرف سے جنگی دل و دماغ لے کر آئے تھے خاندانی روایات نے ان کی فطری صلاحیتوں کو اور بھی ابھرنے کا موقع دیا۔ جنگی فرائض کی بجا آوری اور انکی راہوار شوق کیلئے مہمیز ثابت ہوئی اور حضرت خالد ایک ایسے زبردست جنگی ماہر اور عظیم سپہ سالار بن گئے جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی تمام صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

اس زمانے میں کوئی فوجی سکول نہ تھا۔ جہاں حضرت خالدؓ فوجی تربیت حاصل کرتے آپؓ

کی تربیت جنگ کے میدانوں اور مدرسۂ عمل میں ہوئی ایسی تربیت کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپؓ شجاع بہادر نڈر اور خطرات کو خاطر میں نہ لانے والے بن گئے۔ آپؓ تمام جنگی حربوں سے پورے طور پر واقف تھے۔ لشکر میں جن صفات کا ہونا ضروری تھا ان میں سے ایک ایک پر آپ کی نظر تھی ارادے کے پکے اور ذکاوت و فطانت میں اپنی مثال آپ تھے دشمن کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھنے والے تھے ان صفات کی موجودگی میں یہ جاننا کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ کی کامیابی کا راز کیا تھا۔

آپ کے حسب و نسب اور اپنے قبیلے میں آپ کے مرتبے کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں جہاں سے اسلام کا دور شروع ہوتا ہے۔

خالدؓ کی معاندانہ کوششیں

دوسرے سرداران قریش کی طرح خالد بھی شروع میں اسلام کے شدید مخالف تھے، اور رسول کریم صلعم اور آپ پر ایمان لانیوالوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اسی مخالفت اور دشمنی کا اثر تھا کہ بعد میں جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہوگئیں تو خالدؓ کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان نیست و نابود ہو جائیں۔ جنگ اُحد کے موقع پر جب جنگ کا پانسہ پلٹنے اور مسلمانوں کو شکست دینے میں سب سے زیادہ حصہ خالدؓ ہی کا تھا[۱] ابتدا میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو چکی تھی اور وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے کہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خالدؓ نے اپنا دستہ لیکر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح کو آن کی آن میں شکست میں تبدیل کر ڈالا[۲]

---

[۱] مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ کسی فریق کو شکست اسوقت ہوتی ہے جب وہ میدان چھوڑ جائے لیکن جنگ اُحد میں ایسا نہیں ہوا۔ بیشک پشت پر سے اچانک حملہ کے باعث مسلمان پراگندہ اور منتشر ہو گئے لیکن فوراً ہی پھر ایک جگہ جمع ہو گئے اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ گئے باوجود نقصان اٹھانے کے انکی یہ ثابت قدمی دیکھ کر نہ خالد کی ہمت ان پر حملہ کرنے کی ہوئی نہ سالار لشکر ابوسفیان ہی میں اتنی جرأت ہوئی کہ وہ ان مٹھی بھر مجاہدین کا دوبارہ مقابلہ کرتا اور اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ فوراً لشکر سمیت تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ (مترجم) [۲] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴، طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷، السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

جنگ میں خالدؓ اس موقع پر دور اندیشی اور جنگی چالوں سے کام نہ لیتے اور اس موقع کو جوان کے ہاتھ میں آگیا تھا ضائع کر دیتے تو کفار مکہ کیلئے جنگ اُحد کی شکست بدر کی شکست سے کم نہ ہوتی۔ اگر مسلمان اس موقع پر فتحیاب ہو جاتے تو کفار مکہ کو پھر کبھی حملہ کی جرأت نہ ہوتی اور اغلب یہی تھا کہ حدیبیہ کے موقع پر کفار مسلمانوں کے سامنے سد راہ بن کر کھڑے نہ ہو سکتے۔ اور انہیں زیارت کعبہ سے نہ روک سکتے۔

جنگ خندق

جنگ خندق کے موقع پر خالدؓ ان چیدہ لوگوں میں سے تھے جو سارا دن خندق کے کنارے گشت کرتے رہتے تھے، تاکہ اگر خندق کا کوئی حصہ کمزور معلوم ہو یا مسلمان غفلت کی حالت میں ہوں تو وہ خندق پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر سکیں۔

لیکن مسلمان بھی باوجود انتہائی مشکلات کے کفار کے ارادوں سے غافل نہ تھے، جب بھی وہ محسوس کرتے کہ خالد اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق پار کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں پیچھے ہٹا دیتے[1] اگر خدانخواستہ خالد کو خندق پار کرنے کا موقع مل جاتا تو مسلمانوں کے لئے ایک نازک صورتحال پیدا ہو جاتی۔ جنگ خندق میں جب کفار کے لشکر میں عام بھاگڑ پڑی اور گھبراہٹ میں کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا تو اس وقت دو اشخاص خالد بن ولید اور عمرو بن العاص ہی سے درخواست کی گئی کہ اگر مسلمان تعاقب کر کے ان پر حملہ کریں تو وہ ان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دو سو سواروں کیساتھ بطور "ساقہ" لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ کسی متوقع خطرے کی صورت میں مقابلہ کر سکیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کو خالد پر کتنا بھروسہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ خطرات اور مصائب سے انہیں اگر کوئی شخص محفوظ رکھ سکتا ہے تو وہ خالد ہی ہیں۔ خالد کی اتنی عظیم ذمہ داری قبول کر لینے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں خود اپنے اوپر کتنا اعتماد تھا۔ اور وہ کس طرح بلاخوف وخطر شدید خطرات میں اپنے آپ کو ڈال دیتے تھے۔ اپنے اوپر اعتماد کا یہی جذبہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۹، السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۷

ان کی آئندہ پوری زندگی میں کار فرما رہا۔

حدیبیہ کے موقع پر

حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلعم اپنے صحابہ کے ہمراہ خانہ کعبہ کی زیارت کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو کفار مکہ نے آپ کی آمد کا حال سننے پر خالد کو مزید تحقیق کیلئے بھیجا۔ چنانچہ آپ دو سو سوار اپنے ہمراہ لیکر "کراع الغمیم" کے موقع پر پہنچے[۱] وہاں رسول کریم صلعم کے قافلے سے آپ کی مڈبھیڑ ہوئی[۲] خالد نے ارادہ کیا کہ جس وقت رسول کریم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں گے اسوقت وہ بے خبری میں صحابہ پر حملہ کر دیں گے لیکن خدا تعالیٰ نے رسول کریم کو خالد کے ارادہ کی اطلاع دیدی جس پر آپؐ نے صلوٰۃ خوف کا حکم دیا[۳] وہ اسطرح کہ باری باری ایک دستہ نماز میں مشغول رہتا اور ایک دستہ دشمنوں کے بالمقابل چوکس اور حفاظت کیلئے کھڑا رہتا۔ اگر قریش معاہدہ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے تو یقیناً تاریخ میں منجملہ اور لڑائیوں کے جنگ حدیبیہ کا ذکر بھی آتا۔ جس میں خالد نمایاں حصہ لیتے۔

عمرۃ القضاء کے موقع پر

اس زمانے میں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ نفرت اور دشمنی تھی کہ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب معاہدے کے تحت مسلمان عمرۃ القضا کرنے کیلئے مکہ میں داخل ہوئے تو خالد مکے سے باہر نکل گئے[۴] کیونکہ وہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ انکی نظروں کے سامنے مسلمان مکہ میں داخل ہوں۔ حالانکہ مسلمان بھی کعبہ کی تعظیم کرنے میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے، انکے اور اہل مکہ کے درمیان عمرہ کرنے کے متعلق ایک سال قبل باقاعدہ معاہدہ

---

۱ طبقات ابن سعد جلد نمبر ۲ صفحہ ۵۰ ۔ السیرۃ الحلبیہ صفحہ ۴۲۲

۲ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۹ ۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۷ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴

۳ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴

۴ انساب القرشیین جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۶۹۰

ہو چکا تھا۔ اور اکثر مسلمان جو خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے لئے آئے تھے وہ قریش بلکہ خاص ان کے قبیلے میں سے تھے۔ لیکن عقیدے کی پختگی نے ان تمام باتوں کو نظرانداز کر دیا۔

گو شرک کی حالت میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے لیکن عقیدے کی وہی پختگی جو اسلام اور مسلمانوں سے شدید عداوت کا باعث تھی آگے چل کر اخلاص اور ان کارہائے نمایاں کا باعث بنی جو اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کی نصرت و حمایت میں سرانجام دیئے۔

یہاں پہنچ کر خالدؓ کی کتاب زندگی کا پہلا باب ختم ہوتا ہے اور ایک ایسا دور شروع ہوتا ہے جو پہلے دور سے یکسر مختلف ہے اس نئے دور میں خالدؓ کی شخصیت بالکل نئی صورت میں جلوہ گر نظر آتی ہے یہ نیا باب خالدؓ کی زندگی ہی کا نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا بھی درخشاں باب ہے۔

دوسرا حصّہ

قبول اسلام سے لیکر رسول کریمؐ کی وفات تک

خالدؓ کا اسلام قبول کرنا مؤرخین میں اس بارے میں کافی اختلاف ہے کہ حضرت خالدؓ کون سے سنہ میں اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۵ ہجری میں اسلام لائے، بعض کہتے ہیں کہ ۶ ہجری میں، بعض کہتے ہیں ۷ ہجری میں اور بعض کا خیال ہے ۸ ہجری میں[1] جن لوگوں کا خیال یہ ہے انہوں نے اپنی تائید میں کسی قسم کے دلائل پیش نہیں کیئے چنانچہ بہت سے ثقہ مؤرخین نے بڑے زور سے اس خیال کی تردید کی ہے[2]

۵ ہجری اور ۶ ہجری کے خارج از امکان ہو جانے کے بعد اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ۷ اور آٹھ ہجری میں سے کس سنہ میں آپ اسلام لائے، کتب و تاریخ و سیر کی اچھی طرح

---

[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں اسلام لائے گو اس قول کے صحیح ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تاہم اس سے کسی سنہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ شرح عینی للبخاری جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۵۔

[2] ابن اثیر لکھتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خالد ۵ ہجری میں اسلام لائے لیکن اس خیال کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں "۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

مؤلف کتاب الاصابہ لکھتے ہیں یہ خیال کہ حضرت خالدؓ ۵ ہجری میں اسلام لائے محض ایک واہمہ ہے۔ (الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸) اسد الغابہ میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جنھوں نے ۵ھ میں آپکے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یہ قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حضرت خالدؓ حدیبیہ کے موقع پر کفار کے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کی نقل و حرکت کی خبر لانے کیلئے نکلے تھے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)

چھان بین کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ سے چھ ماہ اور غزوۂ مؤتہ سے دو ماہ قبل صفر ۸ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ ہمارے اس نتیجہ کی بنیاد دو امور پر مبنی ہے۔
(الف) تاریخی شہادتیں۔ (ب) عقلی امور جو تاریخی شہادتوں کے مطابق ہیں۔
الف۔ سب سے پہلے ہم تاریخی شہادتیں پیش کرتے ہیں:۔
(۱) ابن سعد حضرت خالدؓ بن ولید کا اپنا قول نقل کرتے ہیں "ہم دونوں (خالدؓ اور عمروؓ بن العاص) رسول کریم کی خدمت میں یکم صفر ۸ ہجری کو حاضر ہوئے"۔ [۱]
(۲) بلاذری لکھتے ہیں: "عمرو بن العاص نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر لوٹتے راستے میں انہیں عثمان بن طلحہ اور خالد بن ولید ملے جو رسول کریم صلعم کے پاس مدینہ جا رہے تھے چنانچہ یہ تینوں صفر ۸ ہجری میں رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔ [۲]
(۳) ابن قتیبہ لکھتے ہیں حضرت خالد بن ولید حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ ۸ ہجری میں اسلام میں داخل ہوگئے [۳]
(۴) طبری میں ہے: صفر ۸ ہجری میں حضرت عمرو بن العاص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وہ نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر آئے تھے عمرو بن العاص کے ساتھ ہی عثمان بن طلحہ عبدری اور خالدؓ بن ولید بھی مسلمان ہونے کیلئے مدینہ آ گئے۔ [۴]
(۵) ابن عساکر واقدی کا قول نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ہمارے نزدیک یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ حضرت خالدؓ غزوہ خیبر میں شریک نہیں ہوئے۔ وہ عمرو بن العاص اور عثمان بن ابی طلحہ، یہ تینوں فتح مکہ سے قبل یکم صفر ۸ ہجری کو اسلام لائے تھے [۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ و ۲ [۲] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۶۹
انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۱۸۴،
[۳] المعارف صفحہ ۹۰ [۴] الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۳
[۵] تاریخ مدینہ دمشق جلد ۳ صفحہ ۶۸۶

(۶) ابن اثیر لکھتے ہیں "اس سنہ (۸ ھ) کے پہلے مہینے صفر میں عمرو بن العاص نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی ان کے ساتھ ہی خالدؓ بن ولید اور عثمان بن طلحہ بن عبدالدار مسلمان ہونے کیلئے مدینہ آگئے"۔ [۱]

ان کے علاوہ اور بھی سینکڑوں شہادتیں دیجا سکتی ہیں۔ لیکن ہم غیر ضروری طوالت سے بچنے کیلئے انہیں درج نہیں کر رہے۔

(ب) تاریخی شہادتوں کے بعد اب معقولات کی جانب آئیے!

(۱) بلاذری فتح مکہ کے حالات لکھتے ہیں۔ "رسول کریم نے فتح مکہ کے بعد خانۂ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے سپرد فرمائی جو ۸ ھ میں اسلام قبول کر چکے تھے"۔[۲] تاریخی شہادتوں سے ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ عثمان بن طلحہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کیلئے مکہ آئے تھے اس لئے حضرت خالد کا اسلام قبول کرنا بھی ۸ ھ میں ماننا پڑیگا۔

(۲) اکثر مؤرخین[۳] جب حضرت عمرو بن العاص کے اسلام لانے کا حال بیان کرتے ہیں تو خود انکا اپنا یہ قول بھی بیان کرتے ہیں۔ "ذالک قبل الفتح یعنی یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے"۔ اگر یہ واقعہ ۵ ھ یا ۶ ھ کا ہوتا تو انہیں یہ کہنے سے کیا چیز مانع ہوتی۔ کہ ہم نے حدیبیہ کے بعد یا عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے فتح سے تھوڑے ہی عرصہ قبل اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ یہ نتیجہ کسی صورت بھی نہیں نکل سکتا کہ آپ فتح مکہ سے ایک سال قبل یا دو سال قبل اسلام لائے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے اسلام لانے کو فتح مکہ کے بجائے کسی ایسے واقعہ سے منسلک کرتے جو قریب ہی کے زمانے میں گزرا ہوتا۔

(۳) جن کتابوں میں حضرت خالدؓ کے بھائی ولید بن ولید کے اسلام لانے کا ذکر ہے ان میں

---

[۱] تاریخ ابوالفدأ جلد اوّل صفحہ ۱۴۲ [۲] انساب الاشراف جلد اوّل صفحہ ۹۸
[۳] الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۹۸

یہ مذکور ہے کہ عمرۃ القضاء کے دوران میں رسول کریم صلعم نے ولید سے کہا افسوس خالدؓ ہمارے پاس نہیں آئے ۔ اگر وہ آتے تو ہم بڑی گرمجوشی سے انکا خیر مقدم کرتے ۔ خالد جیسے شخص کو تو اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہیئے" یہ سن کر ولید نے خالد کو ایک خط لکھا جس میں رسول کریم صلعم کے یہ ارشادات درج کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی یہی خط خالد کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا سبب بنا۔ [۱]

اس واقعہ سے بصراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ عمرۃ القضاء تک حضرت خالدؓ اسلام نہیں لائے تھے۔ رسول کریم صلعم عمرہ سے فارغ ہو کر ذی الحجہ ۷ھ میں واپس مدینہ تشریف لے گئے تھے ان امور کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالد نے ہجرت کا ارادہ ۷ھ کے آخری ایک یا دو روز میں کیا تھا [۲] اور اپنے اس ارادے سے اپنے بعض رفیقوں کو مطلع کیا تھا جس سے ان کے اسلام لانے کی خبر مکہ میں پھیل گئی ۔ اور ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل سے تکرار بھی ہوئی ۔

(۴) قابل اعتماد مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے اہم واقعہ جس میں حضرت خالدؓ اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلعم کے ساتھ شریک ہوئے، فتح مکہ ہے اور سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ نے حصہ لیا غزوۂ موتہ ہے [۳] غزوۂ موتہ اور فتح مکہ دونوں واقعات ۸ھ میں ہوئے مگر یہ مان لیا جائے۔ کہ حضرت خالد ۵ھ میں اسلام لائے تھے تو کیا یہ بات قیاس میں آنیوالی ہے کہ آپ اتنا عرصہ لوگوں کی آنکھوں سے بالکل اوجھل رہے نہ اس دوران میں آپ کا کوئی ذکر سننے میں آتا ہے اور نہ کسی غزوہ یا سریہ میں آپ کا حصہ لیتے ہیں۔ کیا رسول کریم صلعم

---

[۱] انساب القرشیین للمقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ ۔ الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۱۹ الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۳ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۹۲ ۔ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۶۹۰ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۶ ۔

[۲] مغازی الواقدی صفحہ ۴۰۰ و ۴۰۱ ۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ ۔

[۳] استیعاب جلد اوّل صفحہ ۱۵۷ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ ۔ تہذیب الاسماء مؤلفہ امام نودی صفحہ ۱۷۳ جلد اوّل

نے شروع میں آپ کی قدر نہ کی؟ لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ حضرت خالدؓ ایسی شخصیت تھے ہی نہیں کہ اتنا عرصہ خاموشی سے گزار دیتے اور کسی شخص کو آپ کا پتہ نہ چلتا۔ رسول کریم صلعم بھی اتنا عرصہ آپ کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے، جب کہ خود حضرت خالد بن ولید فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلعم نے کسی موقع پر بھی مجھے دوسرے صحابہ سے الگ نہیں رکھا۔"

(۵) جو لوگ ۷ھ میں آپ کے اسلام لانے کا ذکر کرتے ہیں وہ نہ کسی خاص مہینے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ بالصراحت یہ بتاتے ہیں کہ آپ کس موقع پر اسلام لائے اس کے برعکس جن لوگوں نے ۸ھ میں آپ کا اسلام لانا بیان کیا ہے انہوں نے سنہ مہینہ اور دن تک بیان کر دیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو وقت تک بیان کر دیا گیا ہے۔[1]

ان تمام عقلی اور تاریخی دلائل کی موجودگی میں جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ خالد صفر ۸ھ میں اسلام لائے۔[2]

اس بحث کو ہم نے طول اسلئے دیا ہے کہ خالد کے اسلام لانے کے متعلق روایات میں بہت اختلاف اور ابہام پایا جاتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ واضح اور بین دلیلوں کے ذریعے آپ کے اسلام لانے کا زمانہ معین کر دیں۔

اب ہم حضرت خالد بن ولید ہی کی زبان سے آپ کے اسلام لانے کا ایمان افروز واقعہ درج کرتے ہیں۔[3] آپ فرماتے ہیں: "جب خدا تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل نازل کرنا چاہا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی اور مجھے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ میں سوچا کرتا تھا کہ محمدؐ کے خلاف ہر جنگ میں لڑا لیکن ہمیشہ ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ہم اسلام کی شان و شوکت مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے آہستہ آہستہ میرے دل

---

[1] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۷ [2] ہماری رائے کی تائید بستانی دائرۃ المعارف میں ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی کتاب "عمرو بن العاص" میں اور گبن "زوالِ سلطنت روما" میں کرتے ہیں
[3] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ و ۲۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۲۹ تا ۹۹۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۶

میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ میں ایک غلط راستے پر کھڑا ہوں کوئی غیبی طاقت بزور میرے دل میں محمد صلعم کے لئے جگہ پیدا کر رہی تھی۔ جب محمد صلعم عمرۃ القضاء کیلئے مکہ تشریف لائے تو میں مکہ سے نکل گیا۔ اور جب تک حضور مکہ میں رہے میں وہاں داخل نہ ہوا۔ میرے بھائی ولید بن ولید جو مسلمان ہو چکے تھے محمد صلعم کے ساتھ تھے، حضور نے مجھے طلب فرمایا لیکن میں کہاں تھا؟ اس پر میرے بھائی نے مجھے خط لکھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام سے اسقدر برگشتہ ہو؟ حالانکہ جس عقل کے تم مالک ہو وہ کبھی بھی اسلام کے حقیقی نور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہؐ نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت فرمایا اور پوچھا کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے گے۔ آپ نے فرمایا خالد جیسا شخص کبھی اسلام کی حقیقت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مشرکین سے لڑتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا"۔ اے برادر! تم بہت دنوں تک گمراہی میں رہے ہو اب حقیقت کو پہچانو اور سیدھے راستے پر آجاؤ۔"

یہ خط پڑھ کر میرے دل پر پڑے ہوئے تاریک پردے پھٹ گئے اور مجھے اسلام سے رغبت پیدا ہو گئی۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس گفتگو سے ہوئی جو رسول اللہ صلعم نے میرے متعلق میرے بھائی سے کی تھی۔ آخر میں نے مکہ سے نکل کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انہی ایام میں میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ میں ایک ویران چٹیل اور تنگ جگہ میں ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں وہاں سے نکل کر ایک فراخ اور سر سبز و شاداب میدان میں آگیا۔

جب میں نے مکہ سے نکلنے کی تیاری مکمل کر لی تو میں صفوان بن اُمیہ سے ملا اور اس سے کہا: "اے ابو وہب! تم دیکھتے ہو کہ محمد عرب اور عجم پر غالب آگئے ہیں اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو جو شرف ان کو حاصل ہونے والا ہے اس میں ہم بھی حصہ دار بن جائیں گے"۔ صفوان نے جواب دیا اگر تمام دنیا بھی محمد صلعم کو قبول کر لے اور میرے سوا اور ہر شخص مسلمان ہو جائے تب بھی میں ان پر ایمان نہ لاؤں گا۔ میں نے یہ سن کر اپنے دل میں کہا یہ بے چارہ مجبور ہے، کیونکہ اسکا باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے ہیں۔

اس کے بعد میں عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور وہی بات جو میں نے صفوان سے کہی تھی اس سے بھی کہی اس نے بھی وہی جواب دیا۔ جو صفوان نے دیا تھا تب میں نے اس سے یہ درخواست کی کہ وہ ان باتوں کو اپنے تک محدود رکھیں ۔ اور کسی سے ان کا ذکر نہ کریں یہ بات اس نے قبول کرلی۔ اور کہا میں ان کا کسی سے ذکر نہ کروں گا" عکرمہ کے بعد میں عثمان بن طلحہ سے ملا جو میرا دوست تھا پہلے تو میں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چار بھائی مسافع، جلاس، حارس اور کلاب جنگ اُحد میں قتل کئے جا چکے ہیں۔ کہیں یہ بھی مجھے وہی جواب نہ دیدے اسلئے میں نے خاموش رہنا چاہا۔ لیکن زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکا اور بات کہتے ہی بن پڑی۔ میں نے اس سے کہا کہ ہماری مثال اس لومڑی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوئی ہو لیکن بھٹ میں اگر پانی آجائے تو اسے وہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے ہمیں یہ نظر آرہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے۔ کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کرلیں؟" میری توقع کے قطعاً برعکس عثمان نے آمادگی ظاہر کردی اس کے بعد مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر ہم پہنچ جائیں اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے اگلے روز ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مدینہ کی راہ لی جب ہم "ھدہ" کے مقام پر پہنچے تو ہمیں عمرو بن العاص ملے، جو حبشہ سے آرہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا "ابوسلیمان کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا، اللہ کی قسم! مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ محمدؐ! اللہ کے رسول ہیں اور میں مسلمان ہونے کیلئے مدینہ جارہا ہوں"۔ عمرو بن العاص نے کہا" میں بھی مسلمان ہونے کے ارادہ سے حبشہ سے آرہا ہوں"۔ چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے جب مدینہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ہم نے اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری شروع کرنے لگے، رسولؐ کو بھی ہمارے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا! مسلمانوں! مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دئیے ہیں"۔ میں نے نئے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا۔ راستے میں مجھے میرے بھائی ملے۔ وہ کہنے لگے وہ جلدی

چلو، رسول اللہ تمہارے آنے سے بہت مسرور ہیں۔ اور تمہارا انتظار فرما رہے ہیں"۔ چنانچہ ہم سب جلدی جلدی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت میں حضورؐ کے سامنے پہنچا تو حضور مسکرا رہے تھے، میں نے قریب جاکر اسلام علیکم کہا! حضور نے خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا حضور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ رسول اللہ نے فرمایا! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی مجھے یہی امید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کریگی"۔ میں نے عرض کیا! "یا رسول اللہ میں آپ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں، آپ اللہ سے میرے اس گناہ کی معافی کیلئے دعا فرمائیں"۔ آپ نے فرمایا "اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے" میں نے کہا کیا واقعی؟ آپ نے کہا ہاں"۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ خالد کی پچھلی تمام لغزشوں کو جو اس سے تیرے دین کی مخالفت کرتے ہوئے سرزد ہوئیں معاف فرما"۔ میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول اللہؐ کی بیعت کی۔ ہم ۸ھ صفر میں مدینہ پہنچے تھے خدا تعالیٰ کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک فرماتے تھے، رہنے کیلئے حضور نے اپنے ان مکانوں میں سے جو حارثہ بن نعمان نے حضور کو پیش کئے تھے ایک مکان مجھے عنایت فرمایا[1][2]

حضرت خالدؓ کی اس سرگزشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی لالچ کی خاطر یا کسی پیش آمد خطرے سے بچنے کیلئے یا کسی شخص کے سمجھانے بجھانے سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی وقت اسلام لائے جب پورے غور و فکر کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے اور جس عقیدے پر وہ قائم ہیں اس میں سوائے گمراہی اور نقصان کے کچھ بھی نہیں۔ ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو خالد کے اسلام لانے کی کس قدر خواہش تھی۔

---

[1] یہاں پہنچ کر مؤلف السیرۃ الحلبیہ کا بیان ختم ہوا۔

[2] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۔

رسول کریم صلعم کو خالدؓ سے جو تعلق تھا اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے خالدؓ کو اپنے مکانوں میں سے ایک مکان عطا فرمایا لیکن ان کے دونوں ساتھی باوجودیکہ وہ قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے اس سلوک سے محروم رہے پھر جب حضرت خالدؓ نے آپ سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کی تو حضورؐ نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

اسلام قبول کرنے میں دیر اس سوال کا جواب ہمیں عمرو بن العاص کی زبان سے مل جاتا ہے ان سے بھی یہی سوال پوچھا گیا تھا کہ آپ کا شمار عرب کے عقلمند ترین انسانوں میں ہوتا ہے پھر آپ نے اسلام لانے میں دیر کیوں کی؟ انہوں نے جواب دیا تھا ہم ایسے لوگوں میں رہتے تھے جنہیں ہم پر ہر طرح سے فوقیت حاصل تھی۔ ذکاوت، فطانت اور عقلمندی میں انکا کوئی ثانی نہ تھا جب تک وہ ہمارے درمیان رہے ہم ان سے علیحدگی کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتے تھے لیکن جب وہ اس دنیا سے اُٹھ گئے اور معاملات ہمارے ہاتھوں میں آگئے تو ہمیں غور و فکر اور تدبّر کا موقع ملا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ حق کس طرف ہے چنانچہ اسلام میرے دل میں راسخ ہوگیا"

پھر یہ بھی ہے کہ قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے ان کا شمار عرب کے معزّز ترین قبائل میں کیا جاتا تھا اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ قریش اور بالخصوص ان کے سردار اور سربرآوردہ اشخاص اس نئے دین کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے جس کو قبول کرنے سے ان کی عزّت میں فرق آنے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ اسلام قریش، غیر قریش، عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ سب مسلمانوں کو مساوی حقوق دیتا ہے قریش جن کے دلوں میں پشتہاپشت سے اپنی سرداری اور بڑائی کا غرور قائم تھا کس طرح یہ برداشت کرسکتے تھے کہ انکے اور ان کے غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہ رہے اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ وہ اسلام کے پکے دشمن بن گئے، یہ دشمنی اسوقت اور بھی بڑھ گئی جب مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کو پے در پے شکستیں ہوتے لگیں اور ان کے سرداران جنگوں میں کثرت سے مارے جانے لگے خصوصاً جنگ بدر میں جہاں مسلمانوں کے ہاتھوں صنادید قریش کی بھاری تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ افراد کیلئے اس دین کی پیروی بہت مشکل ہوتی ہے جس نے انکے عزیز دل

اور اقرباء کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہو، اور انکے پیاروں کو ان سے چھین لیا ہو۔ چنانچہ جس وقت خالدؓ نے اسلام لانے کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے سے عکرمہ بن ابوجہل کو مطلع کیا تو وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا تم صابی ہو گئے "! خالد نے کہا "میں صابی نہیں ہوا مسلمان ہوا ہوں" تب عکرمہ نے کہا "خدا کی قسم! خواہ سارے قریش اسلام لے آتے، مگر مجھے تم سے یہ امید نہ تھی" خالد نے پوچھا "کیوں؟" عکرمہ نے جواب دیا "تمہیں وہ وقت بھول گیا جب بدر کے موقع پر تمہارے چچا اور چچازاد بھائی قتل ہوئے تھے؟ کم از کم تمہیں تو اسلام نہیں لانا چاہیئے تھا۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ قریش مسلمانوں سے جنگ کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس موقع پر تم ان سے علیحدگی اختیار کرنے لگے ہو؟ لیکن خالد کے دل میں اسلام کی حقانیت کا یقین راسخ ہو چکا تھا۔ وہ اس قسم کی اشتعال انگیز باتوں میں نہ آئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ یہ سب باتیں جاہلیت کی نشانی ہیں۔ میں ایسی حمیت کا قائل نہیں جس وقت مجھ پر حق ظاہر ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا"۔[۱]

اب ہم خالد کی ان فتوحات اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں جو اسلام کی ترقی میں بہت ممد و معاون ہوئیں۔

غزوۂ موتہ[۲] رسول کریم صلعم نے ایک لشکر اپنے صحابی حارث بن عمیر کو پیغامبر بنا کر حاکم بصریٰ[۳] کے پاس بھیجا تھا ان لوگوں نے حارث کو شہید کر دیا اس پر جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں حضور نے ایک لشکر حارث کا انتقام لینے کے لئے شام بھیجا اور فرمایا اس لشکر کی قیادت زید بن حارثہ کریں گے اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب قیادت سنبھال لیں اور اگر وہ بھی کام آجائیں تو قیادت عبداللہ بن رواحہ کے سپرد کر دیجائے[۴]

---

[۱] مغازی الواقدی صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱ [۲] موتہ، شام کے علاقہ بلقاء کی سرحد پر ایک بستی ہے
[۳] بصریٰ دمشق کے قریب ایک قصبہ ہے جسے کورۃ حوران بھی کہتے ہیں۔
[۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۵۶۔ معمول کے برخلاف اس موقع پر تین امیر مقرر فرمانے سے معلوم ہوتا ہے اللہ نے رسول کریم صلعم کو پہلے ہی شہادت کی خبر دیدی تھی۔

مسلمانوں کا لشکر جب بلقاء کی سرحد پر پہنچا تو انہیں معلوم ہوا کہ مشارف کے مقام پر ہرقل شہنشاہ روم کا ایک عظیم الشان لشکر ڈیرے ڈالے پڑا ہے یہ معلوم کر کے انہوں نے مؤتہ کا رُخ کیا۔ وہاں رومیوں اور ان کے درمیان جنگ شروع ہوئی

زید بن حارثہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور لڑنا شروع کیا۔ جب لڑائی نے زور پکڑا تو وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور دیوانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے قیادت سنبھالی اور شہادت پائی۔

اب مسلمانوں کے لشکر میں کوئی سردار نہ تھا۔ جو ان میں نظام قائم رکھتا اور وہ مقصد بجا لاتا جس کے لیئے اس لشکر کو بھیجا گیا تھا۔ مسلمان اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے دشمن کے مقابلہ میں ان کی حیثیت آٹے میں نمک کی سی تھی۔ اور دشمن انہیں بڑی آسانی سے پیس کر رکھ سکتا تھا۔ اس نازک موقع پر مسلمانوں کی نظریں خالدؓ بن ولید پر پڑیں اور انہیں اپنا قائد منتخب کر لیا۔

خالدؓ ایک ایسے کمزور اور بے حقیقت لشکر کے قائد منتخب ہوئے تھے جس کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے مقابلہ میں دشمن ڈیڑھ لاکھ[1] تربیت یافتہ جرار لشکر لیئے میدان میں موجود تھا جسے اپنی قوت و طاقت پر کامل بھروسہ تھا۔ یہی رومی لشکر کچھ عرصہ قبل ایرانیوں پر فتح پا چکا تھا اور فتح و کامرانی کے نشے میں چور اب مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے تھا اس موقع پر خالدؓ کی حربی صلاحیتیں ظاہر ہو گئیں اور انہوں نے لشکر کو تباہی سے بچانے اور اسے دشمن کے نرغے سے نکال لانے کیلئے حیرت انگیز طور پر کامیابی حاصل کی پہلے روز وہ جی کھول کر دشمن سے لڑے جب رات ہوئی تو انہوں نے اپنے لشکر کی ترتیب بالکل بدل ڈالی مقدمہ کو ساقہ کی جگہ اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ۔ اسی طرح میمنہ اور میسرہ کو بھی بدل ڈالا۔ دشمن کو اس نقل و حرکت سے احساس ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کیلئے کوئی اور تازہ دم فوج میدان میں آگئی ہے چنانچہ دوسرے روز اس کے جوش و خروش کی وہ حالت نہ تھی جو ایک روز پہلے تھی۔

اسطرح خالدؓ نے وقتی طور پر لشکر اسلام کو تباہی سے بچا لیا اور پھر اس طرح دشمن کو

---

[1] یہ کم سے کم تعداد ہے جو مؤرخین عرب نے رومیوں کے لشکر کی لکھی ہے۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۹۶

مرعوب کر کے انھوں نے بڑے قرینے سے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ اور کچھ دیر بعد اسے دشمن کے نرغے سے سلامتی کے ساتھ نکال لائے اب دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور مسلمان اس تباہی و بربادی سے بچ گئے جو انہیں کچھ عرصہ قبل اٹل نظر آ رہی تھی۔

خالدؓ نے اس موقع پر جو تدابیر اختیار کیں وہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں جسے ہر قائد بجا لا سکتا۔ بلکہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو جنگی مہارت، عقلمندی، وسعت نظر اور اللہ پر کامل بھروسہ پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس موقع پر خالدؓ سے ذرا بھی کوتاہی ہو جاتی تو پورے کا پورا اسلامی لشکر فنا کے گھاٹ اتر جاتا۔ اس جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو جس سختی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا خالدؓ کا یہ قول اس کی دھندلی سی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ "مؤتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں اور اگر کوئی تلوار صحیح و سلامت میرے ہاتھ میں رہی تو وہ یمنی تلوار تھی" [1] اندازہ کیجئے کہ جس لشکر کے سردار کو خود لڑنا پڑے اور اس کے ہاتھ سے نو تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹ جائیں اس پر کیسے جرار لشکر نے حملہ کیا ہوگا۔ اور وہ سردار کتنا شجاع دلیر اور جنگی حربوں سے کس درجہ واقف ہوگا۔

جس وقت یہ معرکہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے سردار یکے بعد دیگرے شہید ہو رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ مدینہ میں رسول کریم صلعم کو یہ تمام ماجرہ دکھا رہا تھا اور آپ صحابہ سے ان سرداروں کی شہادت کا حال بیان کر رہے تھے، جب خالدؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا تو آپ نے فرمایا "ان کے بعد خالدؓ بن ولید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا وہ مقرر کردہ قائدین میں سے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے خود اپنے کو قائد بنایا ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "اے اللہ وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اب تو ہی اس کی مدد فرما"۔ [2]

اس دن سے خالدؓ کا لقب سیف اللہ پڑ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلعم کے دیے ہوئے لقب کے پورے پورے مستحق تھے، کیونکہ انہوں نے انتہائی نازک موقع

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۶۔ انساب القرشیین جلد ۳ صفحہ ۳۳۹ الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۵۷۔ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ [2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷

پر مسلمانوں کے لشکر کو تباہی سے بچالیا۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ کے دئے ہوئے اس لقب میں جو جامعیت ہے وہ کسی عام انسان کی بیان کردہ تعریف میں کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کی اسقدر قابل رحم حالت تھی تو ان کے پیچھے ہٹنے پر رومیوں نے آگے بڑھ کر انہیں روکا کیوں نہیں اور ان کا تعاقب کرنے میں انہیں کیا رکاوٹ پیش آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھاری لشکروں کے لئے جنگلوں میں گھس کر جنگ کرنا بہت مشکل ہے رومی لشکر بھاری تعداد پر مشتمل تھا اور اس کے پاس سامان جنگ بھی بہت تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے سے تھے وہ بڑی آسانی سے جنگلوں اور پہاڑوں میں گھس کر اپنی راہ بنا سکتے تھے اس صورت میں رومیوں کیلئے ان کا پیچھا کرنا کسی بھی فائدے کا موجب نہ ہو سکتا تھا یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں کہ رومیوں کا یہ خیال ہو کہ مسلمانوں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں کمین گاہیں بنا رکھی ہیں اور ان کا پیچھے ہٹنا محض ایک جنگی چال ہے تاکہ جب ہم ان کا تعاقب کرتے ہوئے گھنے جنگلوں میں پہنچیں تو وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ہم پر حملہ کر سکیں۔

بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں آنے کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور مسلمانوں نے پے در پے زوردار حملے کر کے رومیوں کو شکست فاش دیدی۔ چنانچہ ابن سعد طبقات میں ایک ایسی ہی روایت نقل کرتے ہیں اس روایت میں مرقوم ہے کہ حضرت خالدؓ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بڑے زور و شور سے رومیوں پر حملہ کر دیا مسلمانوں نے بے دھڑک تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے اور رومیوں کو ایسی زبردست شکست دی جس کی مثال نہیں مل سکتی[1]

لیکن یہ روایت ہر لحاظ سے ناقابل قبول ہے، مشہور اور مستند کتب تاریخ اس روایت کی تائید نہیں کرتیں۔ بڑے بڑے مؤرخین جن میں ابن سعد خود بھی شامل ہیں، اس بات پر خود بھی متفق ہیں کہ حضرت خالدؓ نے کمان اپنے ہاتھ میں لے کر دشمن کے حملے کو روکا اور آہستہ آہستہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر اسے دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۴

اس کے علاوہ عقل کے لئے بھی یہ بات قابلِ قبول نہیں کہ تین ہزار کا مختصر لشکر ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کے عظیم الشان لشکر پر فتحیاب ہو جائے اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے ہزار رومی قتل کئے اور کس قدر مال غنیمت اکٹھا کیا؟ مسلمان مؤرخین ہر جنگ کا ذکر کرتے وقت اس کے مقتولین کی تعداد اور مال غنیمت کی تعداد کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر وہ بالکل خاموش ہیں۔ آخر کیوں؟

ابن ہشام اور ابن برہان الدین[1] نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں نے خالدؓ کو سپہ سالار بنایا اور خدا تعالیٰ نے انہیں میدان جنگ میں فتح عطا فرمائی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان مؤرخین نے مسلمانوں کی نجات کو مجازاً فتح سے تعبیر کیا ہے کیونکہ تین ہزار مسلمان جنہیں موت اپنے سامنے نظر آ رہی تھی موت کے منہ سے بچالانا فتح کے مترادف بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت خالدؓ اپنے بے نظیر تدبّر اور اعلیٰ جنگی مہارت سے کام نہ لیتے تو مسلمانوں کی تباہی میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ تھا۔ گویا حضرت خالدؓ نے لشکر کو موت کے منہ سے نکال کر مسلمانوں کی تعداد میں تین ہزار کا اضافہ کر دیا۔

تقریباً مؤرخین نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ اس کے استقبال کے لئے نکلے۔ جب لشکر سامنے آیا تو لوگوں نے لشکر کے سپاہیوں پر مٹی پھینکنی شروع کی اور کہنا شروع کیا۔ "اے بھگوڑو! تم لوگ اللہ کے راستے سے بھاگ کر آئے ہو"۔ لیکن نبی کریم صلعم نے انہیں اس حرکت سے منع فرمایا اور کہا۔ "یہ بھگوڑے نہیں ہیں، انشاء اللہ یہ دوبارہ جہاد کو جائیں گے"۔

اس روایت سے جہاں بعض مورخین کی اس روایت کی تردید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے لڑائی میں فرار اختیار کیا تھا۔ (کیونکہ نبی کریم صلعم صحابہ کو لے کر ایک بھگوڑے لشکر کے استقبال کے لئے کبھی نہ نکل سکتے تھے) وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس جنگ سے فتحیاب ہو کر نہیں لوٹے تھے، کیونکہ فتحیابی کی صورت میں ان کے سروں پر خاک ڈالنے کے کوئی معنی نہیں۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۰۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۶

تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تین ہزار کے مختصر سے لشکر کو ڈیڑھ لاکھ کے عظیم الشان لشکر کے زرغے میں سے نکال لانا اور وہ بھی اس صورت میں کہ مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے حضرت خالدؓ کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے،

ہماری رائے کی تائید بعض اشعار سے بھی ہوتی ہے جو اس موقع پر کہے گئے تھے چنانچہ قیس بن محسر الیعمری کہتے ہیں :-

فواللہ لا تنفک نفسی تلومنی

علیٰ موقفی والخیل قابعۃ قبل

علیٰ انسنی آسیت نفسی بخالد

الا خالد فی القوم لیس لہ مثل

رجاشت الیّ النفس من نحو جعفر

بموتۃ اذ لا ینفع النابل النبل

وضم الینا حجز تیھم کلیھما

مھاجرۃ لا مشرکون ولا عزل

(خدا کی قسم میرا نفس مجھے اب تک جنگ مؤتہ کے واقعات پر ملامت کرتا ہے افسوس میں اس روز کچھ نہ کر سکا میں نے اپنے آپ کو خالدؓ کے سپرد کر دیا تھا جن کی مثل قوم میں کوئی نہیں ہے، مجھے جعفرؓ کی شہادت کا وہ وقت نہیں بھولتا جب ہمارے تیر اندازوں کی طرف سے تیر چلانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور جب رومیوں کی فوج دو اطراف سے ہمیں پیس ڈالنے کیلئے ہم پر پل پڑیں تھیں۔)

ابن برہان الدین بھی اپنی کتاب میں ہماری رائے کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"جنگ مؤتہ میں مسلمانوں کو اس لحاظ سے فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس موقع پر تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دو لاکھ رومی سپاہ میدان جنگ میں موجود تھی اس عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی اور بظاہر یہی نظر آ رہا تھا کہ تین ہزار سپاہیوں میں سے ایک شخص بھی اپنی جان بچا کر نہیں لیجا سکے

گا۔ لیکن خالدؓ بن ولید نے بے نظیر جرأت اور شجاعت دکھا کر مسلمانوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔[1]

فتح مکہ

جب اللہ نے چاہا کہ مکہ اس کے حقیقی وارثوں کو دیا جائے تو اس نے اس کے لئے مختلف اسباب پیدا کرنے شروع کئے رسول کریم صلعم اس مہم کیلئے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ۱۰ رمضان ۸ھ کو بدھ کے روز بعد نماز عصر مدینہ سے روانہ ہوئے[2] مہاجرین اور انصار کے تمام بالغ افراد آپ کے ساتھ تھے[3] ان کے علاوہ عرب قبائل سے بھی ہزاروں اشخاص نے اس مہم میں شرکت کی تھی۔ جس وقت نبی کریم صلعم مکہ کے قریب ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے لشکر کو ترتیب دیا[4] حضور نے حضرت خالد بن ولید کو میمنہ کا امیر مقرر فرمایا۔ جس میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ وغیرہ عرب قبائل وغیرہ شامل تھے[5] یہ پہلا موقع تھا جب رسول کریم صلعم کی جانب سے حضرت خالدؓ کو قیادت اور امارت کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ پہنچ کر رسول کریم صلعم نے سعد بن عبادہ کو کداء، زبیر کو کدی، اور خالد کو لیط کے مقام سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ نبی کریم صلعم اذاخر، کے مقام سے داخل ہوئے اور مکہ کی بلندی پر پہنچ کر سواری سے اتر پڑے۔ وہیں آپ کیلئے ایک خیمہ ایستادہ کیا گیا۔ اسطرح مسلمانوں کا لشکر مکہ میں چار اطراف سے داخل ہوا[6]

---

[1] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹

[3] اس موقع پر مہاجرین کی تعداد سات سو تھی۔ اور ان کے پاس تین سو گھوڑے تھے انصار چار ہزار کی تعداد میں تھے اور ان کے ساتھ پانچ سو گھوڑے تھے، ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۴۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹

[4] معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۶۴۔

[5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱۔ الطبری جلد ۱ صفحہ ۱۱۸۔

[6] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۸۔

رسول اللہ صلعم کی شدید خواہش تھی کہ حرم مقدس میں خون نہ بہے، اس لئے آپ نے اپنے سرداروں کو حکم دیا تھا کہ صرف اسی وقت تلواریں میانوں سے نکالی جائیں جب کفار ان کے آگے بڑھنے میں مزاحمت کریں اور بغیر جنگ کئے ہمارے آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو لیکن بعض عمائد قریش نے حرم مقدس میں بھی خون بہانے سے دریغ نہ کیا۔ صفوان بن اُمیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمر نے قبیلہ بنی بکر اور احابیش[1] کے بعض لوگوں کو زیرین مکہ میں خندمہ[2] کے مقام پر جمع کیا اور مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اللہ نے حضرت خالدؓ کے لئے (جنہیں رسول اللہؐ نے سب سے پہلے داخل ہونے کا حکم دیا[3] تھا) یہ مقرر کر رکھا تھا کہ وہ اس دن اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور انہیں لوگوں سے لڑیں جن کے ساتھ ہوکر وہ کچھ عرصہ قبل مسلمانوں سے جنگ کیا کرتے تھے، چنانچہ خالدؓ اور مندرجہ بالا گروہ کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ دونوں طرف سے تلواریں چلنی شروع ہوئیں، تیرہ مشرک کھیت رہے اور تین مسلمان شہید ہوئے[4] اس جگہ کے سوا اور کہیں مشرکین نے مقابلہ نہ کیا اور مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ اس طرح رسول اللہؐ کا وہ رویا کامل طور پر پورا ہوگیا جس کا ذکر قرآن کریم میں اسطرح کیا گیا ہے،

لقد صدق اللہ رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالك فتحاً قریبا (بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم مسجد حرام میں بے خوف وخطر داخل ہوگے وہاں جاکر تم میں سے کچھ اپنے سر

---

[1] بنو الہون بن خزیمہ۔ بنو الحارث بن عبد مناف بن کنانہ اور بنو المصطلق بن خزیمہ کو احابیش کہا جاتا ہے
[2] خندمہ مکہ میں شعب ابی طالب کے نزدیک ایک مقام کا نام ہے (بلاذری صفحہ ۵۵) یاقوت حموی کہتا ہے کہ یہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۷۰)
[3] بلاذری صفحہ ۴۶۔ [4] مسلمان شہداء کے نام یہ ہیں:۔ (۱) کرز بن جابر جو بنو محارب میں سے تھے (۲) خنیس بن خالد بن ربیعہ بن اصرم جو بنو منقذ کے حلیف تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

منڈوائیں گے اور کچھ صرف بال ہی کتروائیں گے غرض جس بات کی تم کو خبر نہ تھی اللہ کو وہ پہلے سے ہی معلوم تھی، پھر اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ فتح مکہ سے پہلے ایک فتح کرادی)

مسلمان مکہ میں ۲۰ رمضان ۸ھ بروز جمعہ داخل ہوئے [1]

بکر حارث اور احابیش کو جمع کرکے کفار نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ فاتح لشکر کے میمنہ کا سردار خالدؓ بن ولید ہے، وہی خالد جو کل تک ان کے ساتھ ہوکر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتا رہا تھا آج انہی مشرکین اور کفار کے لئے پیغامِ موت بن کر آیا ہے۔

اس یوم موعود کا انتظار رسول اللہؐ انتہائی صبر اور استقلال سے کر رہے تھے کیونکہ اہل مکہ کو تمام عرب پر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل تھی، اور تمام اہل عرب ان کی سرداری کو قبول کرتے تھے اگر اہل مکہ رسول اللہؐ کے مطیع اور فرمانبردار بن جاتے اور مکہ سے بت پرستی اور شرک مٹ جاتا تو اس کے نتیجے میں تمام عرب مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلیتا۔ رسول اللہؐ کی شدید خواہش تھی کہ کعبہ کو اس حال میں دیکھیں کہ وہاں خدائے واحد کی پرستش کی جاتی ہو اور تین سو ساٹھ بتوں میں سے کسی بت کا نشان باقی نہ ہو۔

رسول اللہ قریش کی نفسیات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے آپ کو معلوم تھا کہ قریش کی اسلام سے نفرت کرنے کی وجوہات کیا کیا ہیں۔ مکہ والے کبھی اس بات کو برداشت نہ کرسکتے تھے کہ رسول اللہ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوں۔ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ

(بقیہ صفحہ ۷۳) (۳) سلمہ بن میلاء جو قبیلہ جہنیہ میں سے تھے، اول الذکر دو شخص حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل تھے لیکن یہ لشکر سے علیحدہ ہوکر ایک اور راستے پر جارہے تھے کہ قریش نے انہیں تنہا پاکر شہید کرڈالا سلمہ بن میلاء لشکر میں ہی شامل رہے اور مشرکین سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱، الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸) ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ کفار کے مقتولین کی کل تعداد اٹھائیس تھی، چوبیس قریش میں سے تھے اور چار قبیلہ ہذیل میں سے (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۸)۔ ابوالفداء بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھتے ہیں۔ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۵، الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۷

مکہ میں داخل ہو گئے تو ان کی ساری حکومت، عزت اور عظمت جو اہل عرب پر انہیں حاصل ہے جاتی رہے گی۔ اور ان کے معبودوں کا نشان تک باقی نہ رہیگا۔ رسول اللہ صلعم ان سب باتوں کو جانتے تھے اس لئے آپ نے لشکر کی قیادت اور امارت کے لئے ایسے لوگوں کو چنا جنکا جنگی تجربہ بے پناہ تھا اور جو لشکر کی قیادت کیلئے موزوں ترین اشخاص تھے اسس سلسلے میں جن چار اشخاص پر رسول اللہ صلعم کی نگاہِ انتخاب پڑی ان میں حضرت خالد رضی بھی تھے حضرت خالد کا انتخاب اس لئے عمل میں آیا کہ آپ فی الواقع ایک ممتاز قائد تھے اور ان کی عیاں و نہاں صلاحیتوں سے رسول اللہ صلعم کی دوربین آنکھ خوب اچھی طرح واقف تھی۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کمان میں وہ لشکر تھے لے جو سراسر بدوی زندگی میں نگے ہوئے تھے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت خالد کو اس مخلوط لشکر کی کمان دینے میں کیا بھید تھا۔ یہ امر یقینی کہ ایسی طبائع رکھنے والے لشکر کی قیادت صرف خالد ہی کر سکتے تھے، ان کی قیادت اور کسی کے بس کی چیز نہ تھی۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت خالد نے جو کارنامہ نمایاں سرانجام دیا اور راہ میں حائل ہونیوالے لشکر کا مقابلہ جس طرح کیا اس کا اعتراف بہت سے مسلمان اور مشرکین شعراء نے کیا ہے ذیل میں حماس بن قیس بکری کے چند اشعار درج ہیں یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت خالد کا مقابلہ کیا تھا۔ جب ان لوگوں نے شکست کھائی تو یہ بھاگ کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کر دے، بیوی نے اس کی نامرادی پر لعنت ملامت کی تو اس نے یہ اشعار کہے:- لے

انك لو شهدت يوم الخندمه ؎

اذ فر صفوان و فر عكرمه

و ابو يزيد قائم كالموتمه

و استقبلتهم بالسيوف المسلمه

يقطعن كل ساعد و جمجمه

ضربا فلا يسمع الا غمغمه

لهم نهیت خلفنا وهمهمه
لم تنطقی فی اللوم ادنیٰ کلمه

(اے میری بیوی کاش تو خندمہ کی جنگ میں موجود ہوتی جب کہ صفوان اور عکرمہ دونوں بھاگ گئے تھے اور ابو یزید بھی حیران و پریشان کھڑا تھا اسوقت جب میں ایسی تیز تلواروں کے ساتھ ان کے آگے بڑھا جو کلائی اور کھوپڑی کو کاٹ کاٹ دیتی تھیں اور اس شدت سے لڑائی ہو رہی تھی کہ بجز تلواروں کی جھنکار کے اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور ہمارے پیچھے دشمنوں کا شور و غوغا تھا پس تو اگر اس موقع کو دیکھتی تو ایک لفظ بھی ملامت کا میرے متعلق نہ کہتی)

فتح مکہ کے بعد اسی دن کعبہ کو بتوں سے صاف کر دیا گیا اور بجائے بتوں کی عبادت کے خدائے واحد کی پرستش کا آغاز ہوا۔ تاہم ابھی ایک مرحلہ اور باقی تھا اور وہ تھا ان معبدوں کا انہدام جو مکہ کے اردگرد بتوں کی پرستش کیلئے قائم کئے گئے تھے فتح مکہ کے معاً بعد رسول اللہ صلعم نے ان کی جانب بھی توجہ فرمائی۔

عزیٰ بت کا انہدام فتح مکہ کو ابھی پانچ روز بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت خالدؓ کو تیس سواروں کے ہمراہ عزیٰ بت کو منہدم کرنے کیلئے نخلہ روانہ فرمایا حضرت خالد ۲۵ ر رمضان کو وہاں پہنچے اور اسے منہدم کر دیا۔ عزیٰ قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور قریش کنانہ اور مضر وغیرہ قبائل اس کی تعظیم کرتے تھے اس معبد کا

لہ حضرت خالدؓ کی کمان میں مندرجہ ذیل قبائل تھے (۱) بنو سلیم جن کی تعداد سات سو سے ایک ہزار تک تھی (۲) اسلم جو چار سو کی تعداد میں تھے (۳) مزینہ جن کی تعداد ایک ہزار تین تھی۔ (۴) بنو غفار جو چار سو کی تعداد میں تھے (۵) جہینہ جن کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق ایک ہزار چار سو تھی سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱، ۲۷۹، الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸، ۱۱۲، السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹

کہ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۹۔

انتظام، جس میں عزیٰ رکھا ہوا تھا بنو ہاشم کے حلیف بنو سلیم کی شاخ بنی شیبان کے سپرد تھا۔[1]
عزیٰ کا انہدام گو بظاہر معمولی واقعہ نظر آتا ہے لیکن یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ یہ قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور تمام قبائل کنانہ اور مضر اس کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے اس کا انہدام کوئی معمولی بات نہ تھی، رسول اللہ صلعم نے سب سے پہلے اس بت کو اس لئے منتخب فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ اگر اسے منہدم کر دیا گیا اور اس کی پرستش کرنیوالوں نے اطاعت قبول کرلی تو دوسرے بتوں کو توڑنا اور ان کی تعظیم کرنے والے قبائل کو مطیع کرنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلعم اس نفسیاتی حقیقت سے واقف تھے کہ کعبہ کی فتح سے کفار کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے سخت کینہ اور بغض بھر گیا ہے لیکن وہ بے بس ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتے تھے، اگر اس وقت اس بڑے بت کو توڑا نہ گیا اور کفار کو کچھ مہلت مل گئی تو بعد میں اسکا انہدام سخت مشکل ہو جائے گا۔ اور اس وقت دشمن جان لڑا دے گا۔ مگر اس بت پر آنچ نہ آنے دیگا۔ چنانچہ ابھی فتح مکہ کو پانچ روز بھی نہ گزرے تھے کہ آپ نے اس کے انہدام کا ارادہ کرلیا۔

اس مہم کو سر کرنے کے لئے ایسے سپہ سالار کا بھیجنا ضروری تھا جو ہر ممکن خطرے کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرض منصبی کو سرانجام دے سکے، یہ خوبی حضرت خالدؓ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، چنانچہ رسول کریم صلعم کی نظر انتخاب آپؓ پر ہی پڑی۔ حضرت خالدؓ کا انتخاب ظاہر کرتا ہے کہ رسول کریم صلعم کو آپؓ پر پورا بھروسہ تھا۔ جنگی نقطہ نگاہ سے ہی نہیں بلکہ دینی نقطہ نظر سے بھی۔

خالدؓ، بنو خذیمہ[2] میں

رسول اللہ صلعم فتح مکہ کے بعد خاموش ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ آپ نے عرب قبائل کو ہدایت کا راستہ دکھانے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف

---

[1] مغازی الواقدی صفحہ ۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹، الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳

[2] بنو خذیمہ قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ تھے اور زیریں مکہ سے ایک رات کی مسافت پر یلملم کے قریب آباد تھے (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) یہ لوگ خذیمہ بن عامر بن مناۃ بن کنانہ کی طرف منسوب ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۸۴)۔

رہنمائی کرنے کی عظیم الشان مہم سرے سے شروع کی۔ اب اس مہم میں زیادہ دشواری بھی نہیں رہی تھی کیونکہ قریش جنہیں عرب کی سرداری کا دعویٰ تھا اور جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اب محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کر چکے تھے اس سے قبل تمام عرب قبائل کی آنکھیں قریش کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں اور وہ بے تابانہ منتظر تھے کہ آیا وہ نئے دین کے مقابلے میں جمے رہتے ہیں یا بالآخر اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو جاتے ہیں؟ جب قریش نے بھی اسلام کے آگے ہتھیار ڈال دئے تو دیگر قبائل عرب کا اسلام لانا کوئی دشوار امر نہ تھا رسول اللہ نے فتح مکہ کے اس نتیجے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسلام کی تبلیغ کیلئے ان قبائل عرب میں جو مکہ کے قریب آباد تھے مختلف اشخاص کو بھیجنا شروع کیا۔

انہیں لوگوں میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی تھے، عزیٰ کے انہدام کے بعد[1] رسول اللہ صلعم نے جب کہ آپ مکہ ہی میں قیام فرما تھے حضرت خالدؓ کو ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار اور بنو سلیم وغیرہ کے ساتھ[2] دعوت اسلام کی غرض سے بنو خذیمہ کی طرف روانہ فرمایا لیکن انہیں قتل و قتال کا حکم نہیں دیا۔

حضرت خالدؓ رسول اللہ صلعم کے حکم کے مطابق شوال ۸ھ میں اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ سے روانہ ہوئے بنو خذیمہ کے چشمہ غیصا[3] پر پہنچ کر آپ نے اس قبیلہ کو طلب کیا اور انہیں حکم

---

[1] تمام اہل مغازی اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خالدؓ کو بنو خذیمہ کی طرف فتح مکہ کے بعد اور غزوہ حنین سے قبل شوال ۸ھ میں بھیجا گیا تھا (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۲ شرح عینی بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۳۱۳)

[2] واقدی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کے ساتھ بنو سلیم کے سات سو سوار تھے انصار میں سے سوائے حضرت ابو قتادہ بن انس کے اور کوئی نہ تھا یہ ابو قتادہ وہی ہیں جو مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد حضرت خالد کی فوج سے علیحدہ ہو کر مدینہ آگئے اور حضرت ابو بکرؓ سے آپ کی شکایت کی۔

[3] غیصاء بنو خذیمہ کا ایک چشمہ تھا (الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)

دیا کہ "ہتھیار رکھ دو۔ کیونکہ قریش مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے"۔ انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دیا۔ اور ان میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا۔

جب رسول اللہ کو اس بات کی خبر ملی تو آپؐ نے آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اے اللہ! میں خالد بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں"۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ تم جا کر اس قبیلے کے مقدمہ کا فیصلہ کرو۔ حضرت علیؓ رسول اللہؐ کے پاس سے بہت سا مال لیکر بنو خذیمہ کے پاس آئے اور جس قدر لوگ حضرت خالدؓ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے ان کا خون بہا ادا کیا حتیٰ کہ کتوں کا معاوضہ بھی دیا اور جو مال حضرت خالدؓ نے چھینا تھا وہ سب بنو خذیمہ کو واپس کیا۔ اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ خون بہا کی تمام رقم ادا کر چکنے کے بعد بھی حضرت علیؓ کے پاس کچھ مال باقی رہ گیا۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارا کوئی اور خون بہا یا مال باقی ہو تو اس کے بدلے میں یہ مال لے لو۔ لوگوں نے کہا اب ہمارا کچھ باقی نہیں ہے حضرت علی نے فرمایا۔ تاہم یہ مال بھی میں تمہیں ہی دیئے دیتا ہوں شاید تمہارا کوئی خون بہا یا مال رہ گیا ہو۔ جس کی نہ تم کو خبر ہو نہ ہم کو۔ پس یہ مال تم اس کے معاوضے میں سمجھو۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت علی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرہ عرض کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا "تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا"۔

چونکہ اس واقعہ سے حضرت خالد کا خاص تعلق ہے اور بظاہر اس سے آپکی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمام واقعات کا جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ کیا حضرت خالدؓ واقعی قصور وار تھے؟ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں

۱۔ حضرت خالدؓ نے بنو خذیمہ کے جن لوگوں کو قتل کیا۔ کیا وہ کافر تھے، یا وہ آپکے پہنچنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے؟

۲۔ کیا حضرت خالدؓ انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے؟

۳۔ اگر غلطی پر تھے تو کیا آپ کا یہ فعل پرانے کینوں اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے تھا۔ یا محض ایک اتفاقی غلطی تھی؟

۴۔ کیا حضرت خالدؓ کے پاس ان کے قتل کرنے کیلئے کوئی جواز تھا اور اگر کوئی جواز تھا

تو کیا تھا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بنو خذیمہ کافر ہوتے تو ان کے قتل پر وہ شور برپا نہ ہوتا جو اس وقت ہوا۔ اس صورت میں اس تکرار کی بھی کوئی معنی نہیں تھے جو حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف کے درمیان ہوئی اور جس میں حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت خالدؓ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بنو خذیمہ کو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا انتقام لینے کی خاطر قتل کیا ہے [1] قتل و قتال کے سلسلے کے بعد رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کو مقتولین کا خون بہا ادا کرنے کے لئے روانہ کیا اور انہوں نے جا کر نہ صرف ہر مقتول کا خون بہا ادا کیا بلکہ انہیں زائد مال بھی بطور تالیف قلوب مرحمت فرمایا۔ اگر بنو خذیمہ درحقیقت کافر ہوتے تو ان کا خون بہا ادا کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

اکثر قابل اعتماد مؤرخین بصراحت بیان کرتے ہیں کہ بنو خذیمہ اسلام لے آئے تھے ان مورخین میں سے ہم واقدی، یعقوبی اور ابن سعد کی روایتیں پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سے زیادہ قدیم مؤرخین ہیں۔ واقدی اپنی کتاب "المغازی" میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں [2]

اس کے بعد حضرت خالد ابرق کے مقام پر بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو خذیمہ کے

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام اور طبری میں اسطرح لکھی ہے کہ بنو خذیمہ کے قتل کے متعلق حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف میں بڑی بحث ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت خالدؓ سے کہا "تم نے جاہلیت کی کاروائی کی ہے"، حضرت خالدؓ نے کہا "میں نے ان سے تمہارے والد کا قصاص لیا ہے"۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "یہ بات نہیں ہے میں تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر چکا ہوں تم نے تو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا قصاص لیا ہے" دونوں کی یہ تکرار یہاں تک بڑھی کہ اسکی خبر رسول اللہ صلعم تک پہنچی۔ رسول اللہ نے فرمایا "اے خالد تم میرے صحابہ کے ساتھ نہ الجھو۔ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا بھی راہ خدا میں خرچ کروگے تب بھی تم ان میں سے کسی کے ایک دن یا ایک رات کے عمل کے برابر ثواب نہ پاؤ گے" (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۴۲۸۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)

[2] کتاب المغازی للواقدی صفحہ ۴۱۵

پاس گئے جس وقت آپ ان کے پاس پہنچے تو وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، حضرت خالدؓ نے انکا محاصرہ کرلیا اور ان سے پوچھا "تم کس دین کے پیرو ہو"؟ انہوں نے کہا "ہم مسلمان ہیں"۔ اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ حضرت خالدؓ نے پوچھا "اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تم کب اسلام لائے"؟ انہوں نے جواب دیا اس رات جس رات ہم نے یہ سنا کہ رسول اللہؐ نے ان لوگوں کی جان بخشی کردی ہے جنہوں نے اپنے ہتھیار رکھ دئے اور کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ چنانچہ ہم بھی اسلام لے آئے اور نماز ادا کرنے لگے"۔

ابن سعد طبقاتؔ[1] میں لکھتے ہیں:۔

"جب حضرت خالدؓ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں اور نماز پڑھتے ہیں رسول اللہ صلعم کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں، ہم نے اپنے گھروں کے صحنوں میں مسجدیں بنا رکھی ہیں۔ اور ہم ان میں آذانیں بھی دیتے ہیں"۔

یعقوبی لکھتے ہیں:۔

حضرت خالدؓ نے ان سے کہا ہتھیار رکھ دو، انہوں نے جواب دیا "ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے ہم مسلمان ہیں رسول اللہؐ نے آپ کو جس کام کیلئے بھیجا ہے، اسے سرانجام دیں، اگر انہوں نے آپ کو زکواۃ اکٹھی کرنیکے لئے بھیجا ہے تو ہمارے اونٹ اور بکریاں حاضر ہیں آپ انہیں رسول اللہؐ کی خدمت میں لیجائیں"[2]

ان روایات سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ بنو خذیمہ مسلمان ہو چکے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا حضرت خالدؓ انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے؟ ابن سعد لکھتے ہیں[3] کہ مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدی چھوڑ دئے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۳ [2] الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۳

[3] ابن سعد کی عبارت یہ ہے "بنو سلیم نے اپنے پکڑے ہوئے قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا (طبقات جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

نے ان قیدیوں کے قتل کو جائز نہیں سمجھا۔ اگر ان قیدیوں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو وہ حضرت خالد کے حکم کی اطاعت ضرور کرتے اور اس طرح اپنے امیر کی مخالفت مول نہ لیتے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ مہاجرین اور انصار میں حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے کئی جلیل القدر صحابہ بھی موجود تھے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ "اے اللہ میں خالد بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں"! یہ فیصلہ فرمایا کہ حضرت خالد غلطی پر تھے رسول اللہ کے فیصلے کے بعد کسی چوں چرا کی گنجائش نہیں رہتی، آپ کا یہ فقرہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو حضرت خالد کا یہ فعل پسند نہیں آیا۔ ورنہ آپ اس سے برئیت کا اظہار نہ فرماتے دوسرے الفاظ میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"....حضرت خالدؓ نے بعض لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کا قتل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہ تھا اس کے بعد رسول اللہ نے ان کا خون بہا ادا فرمایا[1]

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے بنو خذیمہ کو پرانے کینوں اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے قتل نہیں کیا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ حضرت خالدؓ سے ضرور قصاص لیتے اور انہیں قرار واقعی سزا دیتے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے فعل سے اپنی برئیت کے اظہار پر ہی اکتفا کیا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ نے حضرت خالدؓ سے قصاص نہیں لیا بلکہ انہیں بدستور امیر رہنے دیا اور جنگ حنین اور بعد کی جنگوں میں مقدمۃ الجیش کا سردار بھی مقرر فرمایا۔ رسول اللہ کے حضرت علیؓ کو خون بہا ادا کرنے کیلئے بھیجنے اور حضرت خالدؓ کے فعل کو اتفاقی غلطی خیال کرتے تھے، اور ایسا جرم نہیں سمجھتے تھے جسے حضرت خالدؓ نے جان بوجھ کر کیا ہو۔

بعض لوگ جو حضرت خالدؓ کو قصور وار سمجھتے ہیں وہ اپنے دعوے کی دلیل میں یہ امر پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو بنو خذیمہ کی جانب روانہ فرمایا

---

[1] استیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۰

تو ان سے فرمایا ؐ جاہلیت کی باتوں کو اپنے قدموں تلے مسل دیا [۱] یہ روایت پیش کر کے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ سے حضرت خالد اور بنو خذیمہ کے درمیان بعض جھگڑے چلے آتے تھے اور حضرت خالدؓ نے انہیں کا انتقام لیا تھا۔

اصول روایت کے لحاظ سے یہ روایت غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ پیش آمدہ واقعات جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں اس کی تائید نہیں کرتے، مزید برآں حضرت امام بخاری اور دیگر محدثین جنہوں نے رسول اللہ کی احادیث جمع کرنے میں احتیاط اور صحت کا کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا رسول اللہ کی جانب ایسا کوئی قول منسوب نہیں کرتے نہ ہی قابل اعتماد مؤرخین نے اس قول کا ذکر کیا ہے ان امور کی موجودگی میں اس قول کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

بنو خذیمہ کے قتل کا اصل سبب

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو خذیمہ مسلمان تھے اور حضرت خالدؓ انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے لیکن ان سے یہ غلطی پرانے کینوں اور جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے سرزد نہیں ہوئی تھی بلکہ کسی نہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اب صرف چوتھے سوال کا جواب باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت خالدؓ کے پاس ان کے قتل کیلئے کون سی وجہ جواز تھی۔ اور انہیں کیا غلطی لاحق ہوئی؟

بعض مورخین نے جن میں ابن ہشام اور طبری شامل ہیں ابن اسحاق سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی سے بنو خذیمہ سے جنگ نہیں کی بلکہ عبداللہ بن حذافۃ السہمی کے نذر دینے اور مان کے کہنے پر کی کہ رسول اللہ صلعم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان سے جنگ کرو۔ کیونکہ یہ ابھی تک اسلام نہیں لائے، لیکن یہ روایت

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۸۴۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان دونوں مؤرخین نے اس قول کو صرف ایک راوی ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ اصول حدیث کی رو سے خبر واحد زیادہ اعتبار کے لائق نہیں ہوتی۔

بھی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو حضرت خالدؓ پر طعن و تشنیع کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ اس صورت میں سارا الزام عبداللہ بن حذافہ پر عائد ہوتا۔ اور وہ رسول اللہ کی جانب سے غلط بات منسوب کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرانے کی وجہ سے کسی صورت میں رسول اللہ کی ناراضی سے نہ بچ سکتے ہم حضرت ابن حذافہ یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کرسکتے کہ وہ رسول اللہ کی جانب غلط بات منسوب کرسکتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ مندرجہ بالا روایت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو خذیمہ اسوقت تک کافر تھے اور اسلام سے برگشتہ حالانکہ ہم دلائل عقلیہ و نقلیہ کی رو سے انکا مسلمان ہونا ثابت کرچکے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ صریح اور قابل اعتماد روایت وہ ہے جو حضرت امام بخاری نے حضرت عمر کی زبان سے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے خالدؓ بن ولید کو بنو خذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبأنا۔ صبأنا (ہم صابی ہوگئے۔ ہم صابی ہوگئے) کہنا شروع کردیا۔ یہ سُن کر حضرت خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کردیا۔ جو لوگ قید کئے گئے انہیں مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا۔ اگلے روز حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے۔ میں نے کہا "خدا کی قسم میں تو اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا۔ اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔" یہ جھگڑا بڑھا۔ جب ہم رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات حضورؐ سے عرض کئے اور آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا "اے اللہ میں خالد کے فعل سے بری الذمہ ہوں"[1]

شارحین حدیث نے اس واقعہ کی جو تشریح کی ہے اس سے حضرت خالدؓ کے عذر کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ علامہ بدر عینی شارح بخاری فرماتے ہیں صبأنا۔ صبا سے ہے، جس کے لغظی معنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوجانے کے ہیں،

[1] یہی روایت ابن ہشام نے بھی ابو عمرو المدنی سے نقل کی ہے (ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۸۴)
[2] عینی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۲۱۳

قریش ہر اس شخص کو جو مسلمان ہو جاتا تھا صابی کہا کرتے تھے جب بنو خذیمہ نے صبأنا کہا تو حضرت ابن عمر نے سمجھ لیا کہ اس طرح وہ اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت خالد نے ان الفاظ کو کافی نہ جانا وہ ان کے منہ سے اسلام کا لفظ صریحاً سننا چاہتے تھے"۔

خطابی کہتے ہیں؛ "اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت خالدؓ کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو خذیمہ نے اسلام کا لفظ چھوڑ کر صباء کا لفظ اختیار کیا۔ ممکن ہے کہ ان کو یہ خیال ہو کہ یہ لوگ لفظ اسلام سے نفرت کی وجہ سے کہہ رہے ہیں اور درحقیقت اسلام سے نفرت کی وجہ سے کہہ رہے ہیں اسی لئے انہوں نے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ رسول اللہ صلعم حضرت خالدؓ پر اس لئے ناراض ہوئے کہ انہوں نے جلدی کیوں کی اور معاملہ فہمی سے کام کیوں نہ لیا۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنة[1] میں حضرت خالدؓ کے اس فعل کا وہی سبب بیان کرتے ہیں جو علامہ عینی اور ابن حجر وغیرہ نے بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں "بنو خذیمہ نے اسلمنا کا لفظ چھوڑ کر "صبأنا صبأنا" کہنا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔۔۔۔ حضرت خالدؓ نے جان بوجھ کر رسول اللہ صلعم کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی وہ دل و جان سے آپ کے مطیع تھے لیکن چونکہ آپ کو تفقہ فی الدین میں کمال حاصل نہیں تھا اس لئے آپ کی نظروں سے رسول اللہ کا حکم مخفی رہا۔ اور آپ اسے پورے طور پر سمجھ نہ سکے۔ حضرت خالدؓ نے رسول اللہ کے احکام کی مخالفت نہیں کی اور نہ ان لوگوں کو قتل کیا جو ان کے نزدیک مسلمان تھے۔ آپ سے اتفاقیہ ایک غلطی سرزد ہو گئی اسی قسم کی غلطی اسامہ بن زید سے اس آدمی کے قتل کرنے میں ہو گئی تھی جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ تک اپنی زبان سے ادا کر دیا تھا[2]

---

[1] منہاج السنة جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

[2] اس واقعہ کے تفصیلی ذکر کے لئے دیکھیں طبری جلد ۳ صفحہ ۹۹

علامہ عینی، امام ابن تیمیہ اور دیگر معتدد شارحین حدیث نے اس حادثے کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اور حضرت خالدؓ کے جس عذر پر روشنی ڈالی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت خالد نے جو کچھ کیا وہ اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کیا اور بنو عذیمہ کو قتل کر کے اپنے کسی پرانے جھگڑے کا انتقام ہرگز نہیں لیا۔

خواہ حضرت خالد کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو عذیمہ نے صبأنا کہہ کر اسلام کے لفظ سے انحراف کیا یا ان کا غصہ اس لحاظ سے ہو کہ انہوں نے اسلام سے نفرت کی وجہ سے صبأنا کہا ہے دونوں حالتوں میں حضرت خالدؓ کیلئے جائے عذر موجود ہے، کیونکہ حضرت خالدؓ جیسے شخص سے جن کی تمام عمر فوجی آداب و قواعد کی بجا آوری میں گزر گئی تھی نرم مزاجی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کی رگ و پے میں سختی اور خشونت سرایت کر چکی تھی ان کے خیال میں اسلام قبول کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ اعلان تھا اور وہ یہ کہ انسان اسلام کا اقرار کرتے ہوئے زبان سے صاف صاف اسلام کا لفظ ادا کرے چونکہ بنو عذیمہ نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے حضرت خالد کے پہنچنے پر ہتھیار بھی اٹھا لئے تھے اس لئے آپ کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اس خیال کے ماتحت آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے جان بوجھ کر رسول اللہؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جو کچھ کیا وہ سہو اور آپ کی غلطی کی وجہ سے کیا ہمارے اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی حضرت خالدؓ کو رسول اللہؐ کا اعتماد حاصل رہا اور آپ برابر رسول اللہؐ کی خوشنودی سے بہرہ ور ہوتے رہے اس واقعہ کے بعد جب ہوازن کا معرکہ پیش آیا تو آپ اسلامی فوج کے مقدمۃ الجیش کے سالار مقرر ہوئے،

غزوہ ہوازن[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ۶ شوال ۸ھ کو ہفتہ کے روز

---

[1] ہوازن ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں یہ قبیلہ ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن الیاس بن مضر کی جانب منسوب تھا (عینی شرح بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۶)

قبیلہ ہوازن کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار کے اس لشکر کے علاوہ جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آیا دو ہزار کے قریب اہل مکہ بھی تھے، جو غنیمت کے لالچ یا قومی عصبیت کی وجہ سے آپ کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے تھے، حضرت خالدؓ بن ولید، بنو سلیم کے سو سواروں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش پر متعین تھے [۱] رسول اللہ صلعم نے مکہ سے نکلتے ہوئے بنو سلیم کو آگے روانہ کر دیا تھا اور ان کی کمان حضرت خالد کے سپرد کر دی تھی آپ جعرانہ [۲] تک مقدمۃ الجیش پر ہی متعین رہے، دس [۱۰] شوال کو منگل کے روز شام کے وقت رسول اللہ حنین کے مقام پر پہنچ گئے۔

فتح وکامرانی اور قوت وطاقت کے نشہ میں چور جب اسلامی لشکر وادیٔ حنین میں اترا [۳] تو ہوازن نے تیروں اور تلواروں سے ان کا استقبال کیا۔ اور اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ ان کے اوسان بجانہ رہے اور انہیں پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ ان کی اسوقت کی حالت کا نقشہ قرآن مجید یوں کھینچتا ہے۔

ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (اے مسلمانو! یاد کرو حنین کے دن کو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن کوئی چیز بھی تو تمہارے کام نہ آسکی زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔

سب سے پہلے بنو سلیم کے گھوڑوں کے قدم اکھڑے [۴] اور انہوں نے سرپٹ واپس بھاگنا شروع کیا۔ اہل مکہ بھی انہی کے ساتھ پلٹے اس غیر متوقع صورت حال کے باعث دیگر مسلمانوں کے اونٹ بھی ان کے قابو میں نہ رہے اور ایسے بدکے کہ کسی کے روکے

---

[۱] السیرۃ الحلبیہ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۵ جلد ۳ [۲] جعرانہ طائف اور مکہ کے درمیان لیکن مکہ سے نسبتاً قریب ایک چشمہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۰۹) [۳] وادیٔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے اس کے اور مکہ کے درمیان تین رات کی مسافت ہے (عینی شرح بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۴) [۴] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۔

نہ رک سکے اور تھوڑی دیر میں میدان صاف ہوگیا۔ رسول اللہ کے ساتھ چند مہاجرین و انصار اور آپ کے اہل بیت کے سوا اور کوئی نہ رہا۔ لیکن یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہی اللہ نے رسول کریم صلعم اور مومنوں کو طمانیت اور سکون بخشا (فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین) مسلمان جلد ہی پلٹے اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ ہوازن کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

اس واقعہ کے مختصر سے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا حضرت خالدؓ بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والوں کے ساتھ تھے یا آپ ان چند لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ کے ساتھ بدستور میدان جنگ میں رہے؟ اگر آپ بھاگنے والوں میں تھے تو کیا جلد واپس لوٹ آئے تھے اور دشمنوں کو مغلوب کرنے میں حصہ لیا تھا یا اس وقت واپس لوٹے تھے جب ہوازن کے قیدی مسلمانوں کی تلواروں کے نیچے تھے؟

تاریخ کی کسی کتاب سے ہمیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت خالدؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ کے ساتھ میدان جنگ میں موجود رہے، آپ کو بنو سلیم کے سواروں کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے بنو سلیم نے ہی منہ موڑا تھا اور انہیں کے گھوڑے سرپٹ واپس بھاگے تھے ایسے موقعوں پر پیچھے ہٹتے ہی بن پڑتی ہے لیکن جوانمرد اور بہادر وقتی ہزیمت سے حوصلہ نہیں ہارتے بلکہ جوں ہی انہیں موقع ملتا ہے وہ دوبارہ آگے بڑھتے ہیں اور ہمت سے کام لیکر اپنی شکست کو فتح میں بدل لیتے ہیں۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ بھی ان جلیل القدر صحابہ میں شامل تھے کہ جب انہوں نے حضرت عباس کی آواز سنی اور وہ باگیں نہ موڑ سکے تو تلواروں سے انہوں نے اونٹوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں اور لبیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے پیدل ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے [۱]

---

[۱] اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے دیکھا کہ لوگ کسی طرح بھی نہیں رکتے تو آپؐ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بلائیں حضرت عباس نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت خالدؓ رسول اللہ کی خدمت میں نہ صرف جلد حاضر ہو گئے بلکہ بھاگنے کی تلافی بھی کی اور اس جواں مردی سے تلوار چلائی کہ دشمنوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں ان کی تلوار سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں، حالانکہ حضورؐ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا یہ دیکھ کر حضورؐ نے انہیں کہلا بھیجا کہ وہ عورتوں اور بچوں کے قتل سے باز رہیں، اس جنگ میں انہیں کئی زخم بھی آئے، رسول اللہ کو حضرت خالد سے جو تعلق تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ خود آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ کے ساتھیوں کو آپ کی تیمارداری کے لئے مختلف ہدایات دیں ۔[۲]

غزوہ طائف[۳]

ہوازن کی شکست خوردہ فوج طائف جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگی۔ رسول اللہ نے وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا حضرت خالدؓ

بقیہ صفحہ ۸۸ جو بہت بلند آواز تھے پکارنا شروع کیا "اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے"! "اے مہاجرین! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ جب مسلمانوں کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو انہوں نے واپسی کے لئے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کی باگیں اور نکیلیں کھینچیں لیکن چونکہ جانور گھبراہٹ میں بھاگے جا رہے تھے اس لئے وہ روکے نہ رُکے آخر صحابہ نے اپنی تلواروں سے گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں کاٹ دیں اور پیدل رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، (الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۸)

[۲] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۱۔

[۳] طائف مکہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ جگہ نہایت سرسبز و شاداب ہے انگور اور کھجوروں کے باغات یہاں بکثرت موجود ہیں، خوبصورت وادیوں، جاری چشموں اور عمدہ آب و ہوا کے لئے یہ تمام عرب میں مشہور ہے مکہ کے سردار اور صاحب توفیق لوگ گرمیاں گزارنے کے لئے یہیں جایا کرتے تھے (یاقوت جلد اول صفحہ ۱۱) علامہ عینی اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں "طائف ایک بڑا شہر ہے اور انگور اور کھجور کے باغات کیلئے مشہور ہے مکہ کے مشرق میں دو یا تین منزلوں پر واقع ہے"۔

زخمی ہونے کے باوجود جنگ میں شامل تھے اور بدستور بنو سلیم کے اسی سو سواروں کے افسر تھے جو مکہ سے مقدمۃ الجیش کے طور پر لشکر کے ساتھ تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی اس نے طائف پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کے دوران حضرت خالدؓ بار بار کفار کو "ہل من مبارز" کا نعرہ لگا کر مقابلہ کا چیلنج دیتے تھے لیکن کوئی شخص بھی جواب نہ دیتا تھا۔ بار بار کے چیلنج کے بعد قبیلہ ثقیف کے سردار عبد یالیل نے جواب دیا "ہم میں سے کوئی شخص تمہارے مقابلے کے لئے نہیں اترے گا۔ ہم بدستور قلعے میں بند رہیں گے کیونکہ ہمارے پاس اتنا سامان خورد و نوش موجود ہے جو ہمیں دو سال کے لئے کافی ہے۔"

بعض لوگوں کے صلاح دینے پر کہ اب طائف والوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لیا اور جعرانہ تشریف لے آئے جہاں ہوازن کے قیدی اور ان کا مال غنیمت جمع تھا۔ غنیمت کی تقسیم کے دوران میں ایک منافق نے کہہ دیا کہ "یہ تقسیم خدائی تقسیم نہیں ہے" یہ فقرہ سن کر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ حضورؐ! کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ حضرت خالدؓ نے بھی آگے بڑھ کر عرض کیا کہ "حضورؐ اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "نہیں اسے کچھ نہ کہو۔ شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔"

بظاہر ایک معمولی بات پر ایک منافق کی گردن مارنے کے لئے حضرت خالدؓ کے اجازت طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں رسول اللہ صلعم کی کس قدر محبت اور کس درجہ احترام تھا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین کا کس قدر پاس تھا اور وہ کوئی ایسی بات برداشت نہ کر سکتے تھے جس میں دین سے ذرا بھی انحراف پایا جاتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا آپ کے عدل و انصاف میں شک کرنے والے کی سزا ان کے نزدیک کم سے کم یہ تھی کہ اس کی گردن اڑا دی جائے،،

بنو مصطلق[1] رسول اللہ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو ۶ھ کے اوائل میں بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا جو دو سال قبل اسلام قبول کر چکے تھے جب بنو مصطلق کو ولید کے آنے کی خبر ملی تو وہ استقبال کے لئے بستی سے باہر نکلے ولید نے غلطی سے جانا کہ وہ لڑنے کے لئے کھڑے ہیں، چشمک رہی تھی ولید رسول اللہ کے پاس واپس پہنچے اور حضور کو بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور لڑنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ نے حضرت خالد کو روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ اچھی طرح معلوم کر لیں کہ آیا وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں اگر معلوم ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں تب ان سے تعرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر انہوں نے نماز چھوڑ دی ہو تب جو مناسب سمجھیں کریں جب حضرت خالدؓ اپنی جمعیت کے ساتھ بنو مصطلق کی بستی کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ آپ نے ان کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے جاسوس روانہ کئے انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ تمام قبیلہ اسلام پر قائم ہے، یہ لوگ آذانیں دیتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں صبح کے وقت حضرت خالد بستی میں پہنچے لوگوں نے ان کی بڑی خاطر و مدارت کی اور تمام واقعہ جو ولید کے ساتھ پیش آیا تھا بتایا۔ حضرت خالد نے واپس آکر رسول اللہؐ کو تمام حالات سے اطلاع دی[2] جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

یاایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین (اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اچھی طرح اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰) ایک اور واقعہ بھی درج ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے یمن سے کچھ مال رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا جو حضور نے تقسیم فرمایا۔ اس موقع پر بھی ایک شخص نے وہی اعتراض کیا جو اس موقع پر کیا گیا تھا۔ حضرت خالدؓ یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی۔ (عینی شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۷)

[1] بنو مصطلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھے (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

[2] المعانی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱، مطبوعہ دار الکتب۔

خبر کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے خبری میں نقصان پہنچا دو اور بعد میں اپنے کئے پر نادم ہو

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ چھان بین کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے[1]

اس واقعہ سے متعلق بعض امور کی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔

مؤرخین اور مفسرین میں آیت یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا کی شان نزول کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جب ولید بن عقبہ رسول اللہ کے پاس واپس آیا اور اس نے بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو چکے ہیں اور لڑنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں، تو رسول اللہ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ اور مسلمانوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عنقریب بنو مصطلق سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جائے گا۔ ابھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا کہ بنو مصطلق کا وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ وہ بستی سے باہر ولید کا استقبال کرنے کے لئے نکلے تھے، نہ کہ لڑنے کے ارادہ سے۔ رسول اللہ نے ان کی اس بات پر یقین کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی[2]

اس کے برعکس بعض مورخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ولید کے واپس آنے کے بعد حضرت خالد کو بنو مصطلق سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا۔

ہمارے نزدیک دوسرا واقعہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ:۔

(الف) مذکورہ آیت کریمہ' یا ایھا الذین آمنوا دوسرے واقعہ پر ہی منطبق ہوتی ہے جس میں حضرت خالد کو بھیجنے اور انہیں تحقیق و تفتیش سے کام لیکر پھر کوئی کاروائی کرنیکا ذکر ہے پہلے واقعہ کے متعلق جس میں رسول اللہ کا بنو مصطلق سے جنگ کرنیکا ارادہ کرنے اور مسلمانوں میں اس غزوے کا چرچا ہونے کا ذکر ہے اس آیت میں کوئی ارشاد نہیں پایا جاتا۔ یہ امر

---

[1] تفسیر الطبری جلد ۲۶ صفحہ ۷۹

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۲۷ مطبوعہ المنار تفسیر بغوی جلد صفحہ ۱۰۔

یقینی ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن برہان الدین لکھتے ہیں "ابن عبدالبر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آیت کریمہ (ان جاءکم فاسق بنبأ) ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں اسوقت نازل ہوئی جب رسول اللہ نے اسے بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ لینے کیلئے بھیجا اور اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ تو لڑائی کیلئے تیار بیٹھے ہیں[1]"

(ب) اکثر قابل اعتماد مورخین اور رواۃ ادب مثلاً مؤلف کتاب الاغانی[2] نے پہلے واقعہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔ بلکہ صرف دوسرے واقعہ کا ذکر کیا ہے جسمیں حضرت خالدؓ کو روانہ کرنے اور انہیں اچھی طرح تحقیق کر لینے کی ہدایت کا بیان ہے۔

(۲) حضرت خالدؓ کو ان لوگوں کے پاس بھیجنا اور انہیں صبر و احتیاط سے کام لینے کی تلقین کرنا حکمت سے خالی نہیں تھا کیونکہ رسول اللہ ان لوگوں کی بغاوت کا حال سُن کر ان کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجنا چاہتے تھے جو عقلمند، وسیع النظر اور معاملہ بین ہو جو اس قوم کے حالات اچھی طرح معلوم کر سکے اور جو ان خصوصیات کے علاوہ ماہر سپہ سالار بھی ہو تا کہ وقت پڑنے پر وہ جنگ کر سکے۔ رسول اللہ نے حضرت خالدؓ کو صبر و احتیاط سے کام لینے اور تحقیق و تفتیش کا جو حکم دیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ حضرت خالدؓ جوشِ شجاعت میں تحمل سے کام لینا نہ بھول جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے رسول اللہ صلعم کو ڈر ہو کہ جس طرح حضرت خالدؓ نے بنو خذیمہ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لیکر انہیں قتل کرا دیا تھا کہیں بنو مصطلق کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک نہ کریں۔

دومۃ الجندل[1]

رسول اللہؐ نے رجب ۹ھ میں رومیوں کے خلاف لشکر کشی

---

[1] الاغانی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱، ۱۲۔ تفسیر بغوی جلد ۸ صفحہ ۱۰ [2] الاغانی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱

کی رومیوں کے علاقے میں پہنچ کر ابھی آپ تبوک کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ آپ نے حضرت خالدؓ کو چار سو بیس سواروں[1] کے ساتھ حاکم دومۃ الجندل[1] اکیدر بن عبدالملک کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ اکیدر عیسائی تھا اور قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول اللہؐ نے حضرت خالدؓ کو روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ اکیدر تمہیں گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا[2]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت خالدؓ قلعے کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ وہ دکھائی دینے لگا۔
تو یوں ہوا کہ اکیدر کے قلعے کے دروازے پر ایک جنگلی گائے نے آکر ٹکریں مارنی شروع کیں۔ اکیدر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا کیا تم نے کبھی ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ کسی جنگلی جانور نے ہمارے محل پر آکر یوں ٹکریں ماری ہوں؟۔ اکیدر نے کہا "نہیں، لیکن میں اسے چھوڑ تا کب ہوں"۔ چاندنی رات تھی اکیدر اپنے ایک بھائی حسان اور چند اور لوگوں کے ہمراہ گائے کا شکار کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ شکار کے شوق میں بے دھڑک جنگل میں چلے جارہے تھے کہ سامنے سے حضرت خالدؓ کا لشکر نمودار ہوا۔ لڑائی ہوئی حسان مارا گیا۔ اکیدر قید ہوا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے حضرت خالدؓ نے اکیدر کی اس وعدے پر جان بخشی کی کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی اطاعت قبول کرے گا اور جزیہ کے طور پر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے گا اکیدر نے یہ شرائط قبول کر لیں۔ حضرت خالدؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کی اور اکیدر، اس کے بھائی مصاد، (جو قلعہ میں موجود تھا) اور مذکورہ بالا چیزوں کو لیکر تبوک روانہ ہو گئے، جہاں رسول اللہ ابھی تک قیام پذیر تھے۔ تبوک پہنچ کر حضرت خالدؓ نے اکیدر کو حضورؐ[3] کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہؐ نے اکیدر سے جزیہ قبول کر کے اس سے صلح کر لی

---

[1] دومۃ الجندل دمشق اور مدینہ کے درمیان جبل طے کے قریب ایک قلعہ تھا اور دمشق سے سات منزلوں کے فاصلے پر تھا (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ دومۃ الجندل مدینہ سے پندرہ راتوں کی مسافت پر واقع ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۱۹) [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ [3] الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۶ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶

اور اسکی اور اسکے بھائی کی جان بخشی کر دی ساتھ ہی آپؐ نے اسے تحریر بھی اپنی مہر لگا کر دی جس میں اسے امان دی گئی تھی۔ اور صلح کی شرائط لکھی گئی تھیں [1]

نجران رسول اللہ نے خالدؓ بن ولید کو ربیع الاوّل اور بعض روایتوں کے مطابق جمادی الثانی ۱۰ھ [2] میں چار سو مسلمانوں کے ساتھ بنو الحارث بن کعب کے پاس نجران بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے سے پہلے انہیں تین بار دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ دعوت اسلام قبول کرلیں تو ان میں رہ کر انہیں کتاب اللہ، سنت نبوی اور احکام اسلام کی دعوت دینا ورنہ ان سے جنگ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ وہاں گئے اور دعوت اسلام دینے کے لیئے اپنے لوگوں کو تمام قبیلے میں پھیلا دیا۔ وہ جا بجا کہتے پھرتے تھے، اے لوگو! اسلام لے آؤ، تم محفوظ رہو گے!" چنانچہ تمام قبیلہ اسلام لے آیا۔ حضرت خالدؓ رسول اللہ کی ہدایت کے مطابق انہیں دین کی تعلیم دینے کے لیئے وہیں ٹھہر گئے [3] اور رسول اللہ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ وہ بنو الحارث کا ایک وفد اپنے ہمراہ لیکر مدینہ آئیں [4] چنانچہ حضرت خالد ایک وفد لیکر مدینہ پہنچ گئے اور اسے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ رسول اللہ نے وفد سے دریافت فرمایا "جاہلیت میں جو شخص تم سے لڑتا تھا کبھی بھی فتحیاب نہ ہوتا تھا فتحیاب تم ہی ہوتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟ وفد نے جواب دیا۔ "حضورؐ ہم اکٹھے ہو کر لڑتے تھے ہم میں کبھی تفرقہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ دوسری بات ہم میں یہ تھی کہ ہم کبھی ظلم کی ابتدا نہیں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۱ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶، ۲۸۷

[2] ابن اثیر نے ربیع الاوّل لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[3] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶۔

[4] دونوں خطوں کی اصل عبارت بڑی بڑی کتب تواریخ میں موجود ہے۔ دیکھیں سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶۔

کرتے تھے [1]

طبری کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ نے حضرت خالدؓ کو اسلام کی تبلیغ کیلئے یمن بھیجا وہ وہاں چھ ماہ تک رہے لیکن کسی شخص نے بھی ان کی باتوں پر کان نہ دھرا اس کے بعد رسول اللہ نے حضرت علیؓ کو وہاں روانہ فرمایا۔ ان کے پہنچنے کی دیر تھی کہ لوگوں نے جوق در جوق اسلام لانا شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں یمن کے اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے [2]

اس روایت کے متعلق چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) طبری نے اس واقعہ کا ذکر ۱۰ھ کے واقعات میں کیا ہے اور ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ جب حضرت خالدؓ کی تبلیغ کا اہل یمن پر کوئی اثر نہ ہوا تو چھ ماہ بعد رمضان ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کو بھیجا گیا۔ اس طرح حضرت خالدؓ کی یمن روانگی ربیع الاوّل یا ربیع الثانی میں ماننی پڑے گی۔ لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ انہیں ایام میں حضرت خالدؓ کو بنو حارث کے پاس نجران بھیجا گیا تھا۔ اور ان کی اس مہم کا ذکر تمام مورخین متفقہ طور پر کرتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ طبری نے دراصل نجران کی مہم کا ذکر کیا ہے تب بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر ہے کیونکہ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ اہل نجران حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے۔ اور ان کا ایک وفد آپ کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت خالدؓ کو نجران کے علاوہ یمن بھی بھیجا گیا تھا تب بھی اس روایت کی کمزوری میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ عقل یہ بات قبول کرنے سے قطعاً قاصر ہے کہ ایک شخص کو ایک ہی وقت میں دو جگہ بھیجا جائے، ایک جگہ کے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیں اور ان کا ایک وفد اس کے ساتھ مدینہ آئے اور اسی وقت وہ شخص دوسری جگہ بھی موجود ہو اور چھ ماہ تک کوئی شخص اس کی باتوں پر کان

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹

[2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹

نہ دھرے۔

(۲) تاریخ کی کسی کتاب میں ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے اس روایت کا صحیح ہونا ثابت ہو۔ اس کے برعکس بعض روایتیں ایسی موجود ہیں جن سے بصراحت اس روایت کا بطلان ثابت ہوتا ہے چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں:

رسول اللہ نے حضرت علی کو یمن روانہ فرمایا۔ حضور نے خالدؓ بن ولید کو بھی لشکر دیگر روانہ کیا۔ اور فرمایا، اگر تمہاری علی سے ملاقات ہو جائے تو علی تمہارے امیر ہوں گے"۔[1] مؤلف "السیرۃ الحلبیہ" بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ نے دونوں کو ایک ساتھ یا تھوڑے دنوں کے وقفے سے روانہ فرمایا تھا۔ یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت خالدؓ چھ ماہ تک یمن میں مقیم رہے۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور آخر کار ان کی جگہ حضرت علیؓ کو بھیجا گیا جنہیں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔

غرضیکہ طبری کی روایت عقل اور تاریخ دونوں لحاظ سے قابل قبول نہیں۔

رسول اللہ کے زمانے میں حضرت خالدؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ رسول اللہ کو آپ پر کس درجہ اعتماد تھا رسول اللہ نے نہ صرف حضرت خالدؓ کو ان کے آبائی اعزاز پر قائم رکھا بلکہ بیشتر مواقع پر مقدمۃ الجیش کا سالار بھی مقرر فرمایا۔ خدمت کے کسی موقع پر بھی رسول اللہ نے حضرت خالد کو فراموش نہ کیا چنانچہ حضرت خالدؓ خود فرماتے ہیں "جب سے میں نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ نے کبھی مجھے اپنے صحابہ سے الگ نہ رکھا دوسرے صحابہ کو خدمت کے جو مواقع دیئے گئے مجھے بھی دیئے گئے"۔ رسول اللہ کی زندگی میں حضرت خالدؓ برابر جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ اسلام کے عظیم الشان فرائض کی بجا آوری میں مصروف رہے اور کسی موقع پر بھی بزدلی اور کمزوری سے کام نہ لیا۔ رسول اللہ کے ہر سفر

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۷-۱۹۹

اور ہر غزوہ میں آپ ان کے ساتھ رہے اور آپ کی خوشنودی کے طالب رہے۔

لیکن ان کی بے نظیر خدمت کا سلسلہ رسول اللہ کی وفات پر منقطع نہیں ہو گیا بلکہ بعد میں بھی برابر جاری رہا۔ دین خدا کی نصرت و حمایت اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر آپ نے جو شاندار کارنامے سرانجام دیئے وہ تاریخ کا ایک دائمی ورق بن چکے ہیں۔ اور انہیں کسی صورت کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرا حصّہ

خالدؓ عہد صدیقؓ میں

تمہید

قبل اس کے کہ ان جنگوں کا ذکر کیا جائے جو مرتدین کے خلاف حضرت خالدؓ نے لڑیں اس حالت کا اجمال تذکرہ کر دینا مناسب ہے جو رسول اللہ کی وفات کے وقت عربوں کی تھی، جزیرۂ عرب کے اکثر باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے وہ کسی قانون اور نظام کے تحت رہنے کے عادی نہ تھے، تہذیب و تمدن، شہریت اور معاشرتی زندگی کے مبادیات تک سے وہ ناواقف تھے گو انہیں اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا۔ لیکن وہ طبعی طور پر اپنے قدیم طرز زندگی اور رسوم و رواج پر ہی عمل پیرا رہنا چاہیے تھے اسلام نے ان پر بعض پابندیاں لگا دیں تھیں جو انہیں بہت شاق گزرتی تھیں۔ جو قوانین اسلام نے پیش کئے تھے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی طبائع کے مطابق نہیں تھے مثلاً بطور خود قصاص یا انتقام لینے کی ممانعت۔ اس کے علاوہ انکی تربیت کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو رسول اللہ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی اور اگر ہوئی بھی تھی تو بہت تھوڑی مدّت کیلئے چنانچہ ان کے دلوں میں پاکیزگی اور طبائع میں تبدیلی پیدا نہ ہو سکی، اسلام کو پوری طرح نہ سمجھنے اور اس پر غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے مشرکانہ عقائد سے انہیں کلی طور پر نجات حاصل نہ ہو سکی ان کے دل اسلام کی محبت سے خالی تھے، وہ بامر مجبوری

اپنے سرداروں کے زور دینے پر اسلام میں داخل ہوئے تھے، دین سے بے خبری کے باعث انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ زکوٰۃ ایک طرح کا تاوان ہے جو ان پر عاید کیا گیا ہے انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ زکوٰۃ ایک طرح کا تاوان نہیں بلکہ صدقہ ہے جو امیروں سے لیکر انہیں کے حاجت مند بھائیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، تاکہ دونوں طبقوں کے درمیان تعاون کی راہ ہموار ہو سکے، اور معاشرے میں تعاون برقرار رہے۔

جب انہوں نے رسول اللہ کی وفات کی خبر سنی تو انہوں نے اسوقت کو اسلام سے چھٹکارا پانے اور ان تکالیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے جو انھیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیش آرہی تھیں اپنے لئے نہایت موزوں خیال کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے سرے سے اسلام کو چھوڑ کر اس امید میں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی پیروی اختیار کرلی کہ اس طرح وہ بھی قریش کے مقابلے میں اپنے نبی کو پیش کرسکیں گے وہ خلافت کو بغاوت کی کھلی کھلی دھمکیاں دینے لگے اور خلیفہ کے احکام کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس طرح جزیرہ عرب میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ نفاق کا ستارہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ یہود و نصاریٰ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نبی کریم صلعم کی وفات، قلت تعداد اور کثرت اعداء کے باعث مسلمانوں کی حالت حضرت عبداللہ بن مسعود کے الفاظ میں بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی، جو بے حد و کنار صحرا میں سرما کی سرد رات کو بغیر چرواہے کے رہ جائے اسوقت ارتداد و الحاد کی کثرت، دین خدا اور صراط مستقیم سے کھلے بندوں انحراف اور شدید ہیجان و اضطراب کی وجہ سے جزیرۂ عرب ایک آتش فشاں پہاڑ کی صورت اختیار کر گیا تھا اس فتنے سے سوائے مکہ، مدینہ و طائف کے باشندوں اور چند بدوی قبائل کے عرب کا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا سارے کے سارے قبائل اس طوفان میں بہ گئے تھے۔

اس نازک صورتحال پر قابو پانے کے لئے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد پیدا ہو گئی تھی؛ ایک صاحب عزیمت، نڈر اور کامل الایمان شخص کی ضرورت تھی، جسے خدا تعالیٰ کی مدد پر پورا پورا بھروسہ ہو۔ اور جو اپنے بے نظیر عزم و ہمت اور لاثانی تدبر و فراست کی بدولت مرتدین کا قلع قمع کر سکے۔

یہ سب صفات حضرت ابوبکر صدیقؓ میں پائی جاتی تھیں، رسول اللہ کی وفات پر جب صحابہؓ مارے غم کے دیوانے ہو چکے تھے اور حضرت عمرؓ جیسے شخص تلوار کھینچے یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں، میں اس تلوار سے اس کی گردن اُڑا دوں گا[1] یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی شخصیت تھی جس نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا اور جب کہ سارا عرب ارتداد کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا۔ آپ نے مرتدین کے مقابلہ میں جو مدبّرانہ کاروائی کی اور جس بے نظیر لیاقت کے ساتھ ملک کو اس تباہ کن فتنے سے نجات دلائی اس نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ اسوقت صرف آپ ہی کی ذات والاصفات خلافت کے بارگراں کو اٹھانے اور اسے سنبھالنے کے قابل تھی نہ تو رسول اللہ کی وفات کا المناک حادثہ اور نہ ہی قبائل عرب کی روز افزوں بغاوت کی پریشان کن خبریں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مضبوط عزم وارادے اور ایمان کو متزلزل کر سکیں۔ فتنوں اور تشویشناک واقعات کے دوران میں آپ نے اسامہ کے لشکر کو جسے رسول اللہ نے اپنے مرض الموت میں شام کی جانب رومیوں کے مقابلے کیلئے بھیجا تھا۔ اور جو حضورؐ کی بیماری کی وجہ سے ابھی مدینہ ہی میں رکا ہوا تھا، روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس موقع پر بعض بڑے بڑے صحابہ نے درخواست کی کہ موجود الوقت خطرناک حالات کی موجودگی میں فی الحال لشکر کو روک لیا جائے اور اگر لشکر رک نہیں سکتا تو اسامہ کی جگہ کسی بڑے آدمی کو سپہ سالار مقرر کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس قسم کی ہر درخواست کو ٹھکرا دیا اور تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے لشکر کو اسامہ کی قیادت میں شام کی جانب بھجوا دیا۔

اس لشکر کی روانگی مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی باغیوں اور مرتدین نے یہ خیال کیا کہ اس نازک صورتحال کی موجودگی کے باوجود لشکر اسلام کو شام کی طرف روانہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مدینے میں مسلمانوں کے پاس زبردست عسکری قوت موجود ہے ورنہ کبھی بھی ان کا لشکر مدینہ سے باہر نہ نکل سکتا اس خیال

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۷ - ۱۹۹

کا اثر یہ ہوا کہ باغیوں اور مرتدین کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ یہ سوچنے لگے کہ آیا اس موقع پر مدینہ پر حملہ کرنا اپنی شکست مول لینا تو نہ ہوگا۔

کچھ عرصہ بعد عبس اور ذبیان کے قبائل نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن حضرت صدیق رضؓ نے قلت تعداد کے باوجود شہر کے دفاع کا انتظام اتنا مستحکم کر رکھا تھا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں بری طرح شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسی دوران میں اسامہ کا لشکر بھی فتحیاب ہو کر شام سے مدینہ واپس پہنچ گیا حضرت صدیق رضؓ نے اسے کچھ آرام کرنے کا موقع دیا اس کے بعد آپ نے متعدد علم تیار کئے اور باغیوں اور مرتدین کو مطیع کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کیلئے چاروں طرف لشکروں کی روانگی شروع کر دی۔

لشکروں کی روانگی سے پہلے آپ رضؓ نے باغیوں اور مرتدین کے لئے[1] ایک فرمان لکھا اور اس کی متعدد نقلیں کرا کے قاصدوں کو ہدایت کر دی کہ قبیلے میں جا کر لوگوں کے مجمع میں یہ فرمان سب کو سنا دیا جائے تاکہ ان پر اتمام حجت ہو جائے اور قبل اس کے لشکر اسلام پہنچ کر انہیں تباہ و برباد کر دے انکو اپنی اصلاح کرنے اور راہ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔

گیارہ علم تیار کئے گئے تھے اور ہر علم ایک ایک سردار کے سپرد کیا گیا تھا۔ ہر ایک سردار کے ساتھ فوج کا ایک ایک دستہ تھا ان سرداروں کو روانگی کے وقت ایک ایک فرمان ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا گیا اور تمام سردار ذی القصہ[2] سے اپنی اپنی فوج لیکر اپنی اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گئے۔

ذیل میں ہر سردار اور اس کی منزل مقصود کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ خالد بن ولید :۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ بن خویلد اسدی سے

---

[1] اس فرمان کا مضمون بسوط کتب تواریخ میں موجود ہے۔ دیکھیں طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷

[2] یہ مقام نجد کی جانب مدینہ سے ایک منزل پر واقع ہے طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۵، ۲۲۸

جنگ کریں اور جب وہاں سے فارغ ہو جائیں تو بطاح جاکر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کریں؛

۲۔ عکرمہ بن ابو جہل:۔ انہیں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا گیا۔

۳۔ شرجیل بن حسنہ:۔ انہیں عکرمہ کے پیچھے ان کی مدد کیلئے روانہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جب مسیلمہ کذاب سے فراغت حاصل ہو جائے تو وہ حضر موت جاکر بنو کندہ پر حملہ کریں۔

۴۔ مہاجر بن ابی امیہ:۔ انہیں اسود عنسی کی سرکوبی کیلئے صنعاء روانہ کیا۔

۵۔ حذیفہ بن محصن:۔ انہیں عمان جاکر دبا کو مغلوب کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۔ عرفجہ بن ہرثمہ:۔ انہیں اہل مہرہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ حذیفہ اور عرفجہ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ جب عمان میں رہیں تو حذیفہ امیر ہوں گے اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہ امیر ہوں گے اور حذیفہ ماتحت۔

۷۔ سوید بن مقرن:۔ انہیں یمن جاکر اہل تہامہ سے جنگ کرنیکا حکم دیا گیا۔

۸۔ علاء بن حضرمی:۔ انہیں بحرین بھیجا گیا۔

۹۔ طریفہ بن حاجز:۔ انہیں بنو سلیم اور ان کے شریک حال ہوازن سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا گیا۔

۱۰۔ عمرو بن العاص:۔ انہیں قضاعہ کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا۔

۱۱۔ خالد بن سعید:۔ انہیں ملک شام کی سرحد پر قبائل کو مطیع کرنے کیلئے بھیجا گیا۔

سرداروں کی اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے ان میں سے کسی کو بھی ایک سے زیادہ قبائل کی سرکوبی کا کام سپرد نہیں کیا اس کے برعکس بعض قبائل کی طرف دو دو سردار بھیجے گئے صرف حضرت خالدؓ ایسے شخص ہیں جنہیں دو قبائل کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔ انہیں پہلے بزاخہ جاکر طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کا اور وہاں سے فراغت پانے کے بعد بطاح جاکر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کرنے کا حکم دیا گیا اسی پر بس نہیں جب آپ دونوں قبائل کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تو آپ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لئے بھی روانہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت خالد پر کتنا بھروسہ تھا۔ اور کتنا اعتماد تھا۔ مرتدین کے مقابلے میں خالدؓ نے جو کامیابیاں

حاصل کیں ان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آپ واقعی سیف اللہ کے خطاب کے مستحق تھے۔

ہم اس جگہ دوسرے سرداران عسکر کے کارنامے بیان نہیں کرسکتے ہیں اسوقت صرف حضرت خالدؓ کے کارناموں کے متعلق کچھ کہنا ہے سب سے پہلے ہم طلیحہ کے ساتھ جنگ کا حال بیان کرتے ہیں۔

طلیحہ اس کا نام طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ وہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ کے مرض کی خبر سن کر اس نے آپ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ایسا کرنے سے اس کی غرض یہ تھی کہ اسے بھی وہ شان حاصل ہوسکے جو رسول اللہ صلعم کو حاصل تھی۔

رسول اللہؐ نے حضرت ضرار بن ازور کو طلیحہ کی سرکوبی کیلئے بنو اسد کی جانب روانہ فرمایا۔ انہوں نے جاکر اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ اور اسے بہت حد تک دبا دیا۔ اسی دوران میں انہوں نے موقع پاکر طلیحہ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ نشانے پر نہ لگا اور طلیحہ بچ گیا اور لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ طلیحہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ اس خبر سے طلیحہ کا زور پھر بڑھنا شروع ہوگیا۔ اسی دوران میں رسول اللہؐ کی وفات کی خبر پہنچ گئی اور حضرت ضرارؓ مہم کو ناکام چھوڑ کر مدینہ واپس آگئے۔ ان کے واپس آنے کے بعد طلیحہ کا زور بہت بڑھ گیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ جبرائیل اس کے پاس وحی لیکر آتے ہیں اس نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔ عربی عصبیت نے اس کے کاروبار کو زبردست ترقی دی اور اسد، غطفان، طئی، عبس، ذبیان کے قبائل اس کے ساتھ ہوگئے ان قبائل میں سے بعض آپس میں حلیف تھے اور بعض کی ایک دوسرے سے رشتہ داریاں تھیں[۱] اسی لئے انہوں نے متفقہ ہوکر طلیحہ کی فرمانبرداری اختیار کرلی۔

۱۔ بنو اسد، غطفان اور طئی کے درمیان جاہلیت کے زمانہ سے ہی دوستی تھی۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۰

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے الناف[1] جاکر قبیلہ طے کی سرکوبی کریں اس کے بعد بزاخہ جائیں[2] اور وہاں سے بطاح اور ایک جگہ سے فارغ ہو کر دوسری جگہ کا قصد کرنے سے پہلے انہیں تمام واقعات سے مطلع کر دیں۔

حضرت خالدؓ کی روانگی سے پہلے حضرت صدیقؓ نے قبیلہ طے کے ایک معزز شخص عدی بن حاتم کو، جو بدستور اسلام پر قائم تھے ان کے قبیلے میں بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اپنے قبیلے میں جاکر انہیں اسلام کی تلقین کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خالد انہیں نیست و نابود کر دیں[3]

چنانچہ وہ تیزی سے قبیلہ طے کی جانب روانہ ہوئے، سب سے پہلے وہ اپنے قبیلہ غوث کے پاس پہنچے جو طے کی ایک شاخ تھا اور لوگوں کو پیش آمدہ خطرات سے خبردار کرنا شروع کیا۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اور انہوں نے عدی سے کہا کہ خالد کے یہاں پہنچنے پر تین دن کیلئے انہیں روکے رکھیں تاکہ ہم اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو بزاخہ میں طلیحہ کے لشکر میں شامل ہیں اس کے لشکر سے علیحدہ کر لیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا۔ اور ہم نے پہلے ہی سے اسلام قبول کرلے کا اعلان کر دیا تو طلیحہ ہمارے آدمیوں کو یا مرڈالے گا یا قید کر لیگا[4]

چنانچہ عدی نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت خالد مقام سخ[5] پر پہنچے تو عدی ان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ تین دن تک انتظار کریں اس عرصے میں آپ کے پاس پانچ سو ہتھیار بند آدمی جمع ہو جائیں گے جن کے ساتھ آپ دشمن پر بھرپور حملہ کر سکیں گے تین دن کا یہ انتظار اس سے بہتر ہے کہ آپ انہیں اپنے ہاتھ سے آگ میں ڈال دیں اور پھر انکا تماشا

---

[1] اکناف قبیلہ طے کے دو پہاڑوں سلمیٰ اور اجاء کو کہتے ہیں۔ معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۳۱۸

[2] بزاخہ بنو اسد کا ایک چشمہ ہے۔ یاقوت جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۔ الطبری ۳ صفحہ ۲۲۸

[3] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صدیقؓ کو حضرت خالدؓ کی سختی کا علم تھا اور آپ نے عدی کو اسی لئے اس قوم کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں خالد کی سختی سے محفوظ رکھیں۔

[4] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸

[5] طے کے پہاڑوں کے نزدیک نجد کا ایک قصبہ۔ معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۴۹

دیکھیں [1] حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ اس عرصے میں قبیلہ غوث کے جو آدمی طلیحہ کے لشکر میں تھے وہ واپس آگئے اور اسلام قبول کر کے حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح آپ کی جمعیت میں معتدبہ اضافہ ہو گیا اب حضرت خالدؓ نے قبیلہ طے کی دوسری شاخ جدیلہ کی طرف جانے کا قصد کیا جو "الانسر" مقام پر آباد تھی۔ عدی نے آپ سے کہا قبیلہ طے ایک پرندے کی مانند ہے اور جدیلہ طے کا ایک پر ہے آپ مجھے چند روز کی مہلت دیں تاکہ میں جدیلہ کو جا کر سمجھاؤں۔ شاید ایسا ہو کہ جسطرح خدا تعالیٰ نے غوث کو ہدایت دیدی وہ جدیلہ کو بھی دے دیں۔" حضرت خالدؓ نے یہ درخواست بھی خوشی سے منظور کر لی عدی جدیلہ کے پاس آئے اور اپنی کوششوں سے اس قبیلے کے لوگوں کو بھی دوبارہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اسطرح حضرت خالد کی فوج میں ایک ہزار النفوس کا مزید اضافہ ہو گیا۔

قبیلہ طے کے اسلام لانے کے بعد حضرت خالدؓ اپنی فوج کو لیکر بزاخہ کی جانب روانہ ہوئے قریب پہنچ کر آپ نے عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم انصاری کو دریافت حال کے لئے لشکر کے آگے آگے روانہ کیا۔ انہوں نے موقع پا کر طلیحہ کے بھائی حبال کو قتل کر دیا۔ جب طلیحہ کو اپنے بھائی کے قتل کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے بھائی سلمہ کو ساتھ لیکر نکلا اور عکاشہ اور ثابت دونوں کو شہید کر دیا۔ جب حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچے۔ جہاں ان دونوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں تو مسلمانوں نے بے خیالی میں گھوڑوں کے سموں سے ثابت بن اقرم کی لاش کو روند ڈالا لیکن بعض لوگوں کی نگاہ عکاشہ بن محصن کی لاش پر پڑ گئی۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو روکا اور اتر کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ان کے اپنے آدمیوں کی لاشیں تھیں انہیں سخت رنج ہوا اور انہوں نے کہا افسوس! مسلمانوں کے دو سرداروں کی لاشیں اسطرح خاک و خون میں لتھڑی ہوئی بے گور و کفن میدان میں پڑی ہیں" حضرت خالد نے اسوقت یہی مصلحت سمجھی کہ وہ آگے بڑھنے

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸

کی بجائے قبیلہ طے کی طرف واپس ہو جائیں[1] اور وہاں قیام کر کے فوج کو اور زیادہ منظم کریں تاکہ شکست کا امکانی خطرہ باقی نہ رہے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے بنی طے سے مزید مدد مانگی۔ انہوں نے کہا بنی قیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو کافی امداد دے سکتے ہیں لیکن بنی اسد سے لڑنے سے آپ ہمیں معذور جانیں کیونکہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ یہ سن کر حضرت خالدؓ نے کہا۔ "تم جس قبیلے سے چاہو لڑو اور جس سے نہ چاہو لڑو، یہ تمہارا اختیار ہے لیکن ہمارا ساتھ دو ہم تمہیں کسی قبیلے سے لڑنے پر مجبور نہیں کریں گے۔

عدی بن حاتم نے کہا خدا کی قسم حلیف ہونے کے باوجود مجھے کوئی چیز بنو اسد سے لڑنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔ جب انہوں نے دشمنان اسلام کا ساتھ دیا تو وہ ہمارے حلیف بھی نہ رہے"۔

حضرت خالدؓ نے کہا "تم اپنے قبیلے کے لوگوں کی رائے کی مخالفت نہ کرو بلکہ وہی کرو جس میں تمہارے قبیلے والوں کی خوشی ہو۔ اور اسی قبیلے سے لڑائی کرو جس سے تمہارے قبیلے والے لڑنا چاہیں"۔

حضرت خالد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی نفسیات سے کس درجہ واقف تھے آپ کو معلوم تھا کہ اگر کسی قبیلے کو کسی قوم کے خلاف زبردستی لڑنے پر مجبور کیا جائے تو وہ خوشی اور اطمینان قلب کے ساتھ جنگ نہ کر سکے گی اور اس کا نتیجہ شکست ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

بنو طے میں اپنے لشکر کو خوب منظم کر کے حضرت خالدؓ طلیحہ سے جنگ کرنے کیلئے بزاخہ روانہ ہوئے طلیحہ کے لشکر میں عینیہ بن حصن فزاری بھی اپنے قبیلہ بنو فزارہ کے سات سو آدمیوں کے ساتھ شریک تھا۔ فریقین کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوئی طلیحہ ایک طرف چادر اوڑھے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وحی کے انتظار میں

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸

بیٹھا تھا۔ جب مرتدین کے لشکر میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے تو عیینہ، طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا "کیا آپ کے پاس جبرائیلؑ کوئی وحی لائے"؟ طلیحہ نے کہا، "ابھی نہیں" عیینہ یہ سن کر واپس چلا گیا اور لڑنا شروع کر دیا۔ جب لڑائی مزید شدت اختیار کر گئی اور مسلمانوں کا دباؤ مرتدین پر برابر بڑھتا چلا گیا تو عیینہ دوبارہ طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا "اب بھی کوئی وحی نازل ہوئی یا نہیں"؟ طلیحہ نے کہا "ہاں نازل ہوئی ہے" عیینہ نے پوچھا "کیا"؟ طلیحہ نے جواب دیا "یہ وحی نازل ہوئی ہے ان لک رحاکرحاہ وحدیثا لا تنساہ" (تیرے پاس بھی ویسی ہی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا)[1] عیینہ کو یہ سن کر بڑا طیش آیا اور اس نے طلیحہ سے کہا "قد علم اللہ انہ سیکون حدیثا لا تنساہ" (بے شک خدا کو معلوم ہے کہ عنقریب ایسے واقعات پیش آنے والے ہیں جنہیں تو کبھی فراموش نہ کر سکے گا) یہ کہہ کر وہ میدان جنگ میں آیا اور چلّا کر کہا "اے بنی فزارہ! خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ کذاب ہے، لڑائی بند کر دو اور بھاگ چلو!" چنانچہ تمام بنو فزارہ یہ آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لشکر طلیحہ کے گرد کھڑا ہو گیا اور پوچھا "اب ہم کیا کریں"؟ طلیحہ نے اپنے اور اپنی بیوی نوار کے بھاگنے کا انتظام پہلے ہی کیا ہوا تھا۔ جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنی بیوی کو اپنے گھوڑے پر ہمراہ سوار کر کے یہ کہتا ہوا فرار ہو گیا کہ جو شخص میری طرح اپنے اہل و عیال کو لیکر فرار ہو سکے وہ ہو جائے، طلیحہ وہاں سے بھاگ کر شام پہنچا اور وہاں جمعیت اکٹھی کرنے لگا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر وہ مسلمان ہو گیا[2] حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران سے جنگوں کے دوران میں وہ بڑی بہادری سے لڑا اور میدان جنگ میں وہ مسلمانوں کی طرف سے لڑتا لڑتا مارا گیا۔ عیینہ کا تعاقب کیا گیا اور اُسے اُس کے

---

[1] عرب چکی کو جنگ سے تعبیر کرتے تھے مطلب ہے "تمہیں بھی ویسی جنگ درپیش ہے جیسی تمہارے دشمنوں کو اور اس جنگ کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔" (مترجم)

[2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ - ۲۳۲

تیس ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ بزاخہ میں حضرت خالدؓ کو بنو اسد کا کوئی سراغ نہ مل سکا کیونکہ انہوں نے اپنے کنبوں اور خاندان کو پہلے ہی سے محفوظ مقامات پر بھیج دیا تھا۔

بنو عامر بن صعصعہ بھی طلیحہ کے طرف داروں میں تھے اور بزاخہ سے کچھ ہی فاصلے پر آباد تھے، لیکن وہ طلیحہ کی طرف سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نہ آئے بلکہ اپنی جگہ پر ہی انتظار میں رہے کہ کس فریق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ طلیحہ کو شکست فاش نصیب ہوئی تو انہوں نے باہم طے کیا کہ ابھی وقت ہے کہ ہم توبہ کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں چنانچہ انہوں نے حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا بیعت کے الفاظ یہ تھے "ہم اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں گے، نماز برابر پڑھیں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے انہی الفاظ کے ساتھ ہم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں۔

بنو اسد، بنو غطفان اور ان کے حامی قبائل کی جان بخشی حضرت خالدؓ نے اس شرط پر کی کہ وہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں جنہوں نے ارتداد کے دنوں میں ان مسلمانوں کو جو ان کے چنگل میں پھنس گئے تھے، قتل کیا اور جلایا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے سامنے حاضر کیے گئے، آپ نے قرہ بن ہبیرہ کے سوا باقی تمام لوگوں کو جن کے ہاتھوں سے یہ شدید مظالم وقوع پزیر ہوئے تھے قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد عینیہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ کو بیڑیوں میں جکڑ کر حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

"بنی عامر ارتداد کے بعد اسلام لے آئے لیکن میں نے ان کی جان بخشی اس وقت تک نہیں کی جب تک انہوں نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہیں کر دیا جنہوں نے غریب و بے کس مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے تھے میں نے ایسے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے اس خط کے ہمراہ میں قرہ بن ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو روانہ کر رہا ہوں۔"

جب عینیہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ نے ان کی جان بخشی کر دی، اور انہیں معاف فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ

کو یہ خط بھیجا:

"خدا تعالےٰ اپنے انعامات سے تمہیں بہرہ ور کرتا رہے میری تمہیں یہ نصیحت ہے کہ تم اپنے معاملات میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ تقویٰ کی راہ پر چلو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور اس کے بندوں پر احسان کرتے ہیں"۔

"اللہ تعالےٰ کے راستے میں خوب بڑھ چڑھ کر کام کرتے رہو اور کبھی سستی نہ برتو۔ ہر اس شخص کو جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو۔ قابو پانے کے بعد قتل کر دو۔ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی اور سرکشی اختیار کر کے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی، اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان کا قتل کر دینا مناسب ہے تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے [1]"

حضرت خالد نے چشمہ بزاخہ پر ایک ماہ قیام فرمایا۔ یہ عرصہ آپ نے اس علاقہ میں امن و امان قائم کرنے اور زکوٰۃ اکٹھی کرنے میں گزارا۔ اسی دوران میں آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ کے ہزیمت خوردہ لشکر کے کچھ لوگ قبیلہ بنو فزارہ میں جا کر ام زمل سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ کے پاس جمع ہوئے ہیں اور ام زمل اپنے گرد زبردست جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے یہ خبر سن کر حضرت خالدؓ بنو فزارہ کی جانب روانہ ہوئے دونوں فوجیں میدان جنگ میں نکلیں اور مقابلہ شروع ہوا۔ ام زمل ایک اونٹ پر سوار تھی اور اپنے ساتھیوں کو لڑنے کیلئے جوش دلا رہی تھی۔ ام زمل نے اس بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا کہ اس کا نام ضرب المثل بن چکا ہے، مسلمانوں نے سوچا کہ جب تک اس اونٹ کو نہ گرایا جائے گا جنگ کا زور کم نہ ہوگا۔ چنانچہ چند جانباز مسلمان ہمت کر کے اس اونٹ تک پہنچ گئے اور اس کی کونچیں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ام زمل کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے اونٹ کے ارد گرد کے سو دوسرے اونٹوں کو بھی اسی طرح مار گرایا گیا۔

حضرت خالد کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس کے اہم اسباب مندرجہ ذیل تھے

۱۔ حضرت خالدؓ اور انکا لشکر ایک خاص عقیدہ کی خاطر لڑتا تھا انہیں اللہ

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید پر پورا بھروسہ تھا اور ان کی زبانیں ہر وقت اس آیت کا ورد کرتی رہتی تھیں۔ ان ینصرواللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدموں کو مضبوط کریگا۔)

ان کو یہ کامل یقین تھا کہ جو شخص لڑائی میں مارا جائیگا اسے شہادت کا رتبہ ملے گا اور جو شخص دشمنوں سے مصروف رہے گا اسے بھی خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی انہیں موت کی پرواہ نہیں تھی۔ اور وہ نہایت دلجمعی اور بے خوفی سے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے،

اس کے مقابلے میں انکا دشمن محض قومی عصبیت کی خاطر لڑتا تھا۔ دشمن کے حلیف بھی اسے صرف عصبیت کی خاطر مدد دیتے تھے، ان میں سے ہر شخص کو موت کا خوف رہتا تھا اور اسی خوف کی وجہ سے وہ اطمینان سے جنگ نہ کرسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کامیابی اور کامرانی کے حقدار مسلمان ہی تھے، ان کے دشمن اور مخالف نہیں۔

۲۔ دوسرا سبب مسلمانوں کی کامیابی کا عکاشہ اور ثابت کی شہادت ہے جنہیں حضرت خالدؓ نے دریافت حال کیلئے اپنے لشکر سے آگے آگے روانہ کیا تھا جب مسلمانوں نے ان دونوں سرداروں کی لاشیں دیکھیں تو ان کے دلوں میں انتقام کے لئے زبردست جوش پیدا ہوا اور وہ بڑی بے جگری سے دشمنوں سے لڑے۔

۳۔ قبیلہ طے کے لوگوں کا حضرت خالدؓ کے ساتھ مل جانا بھی مسلمانوں کیلئے بڑی تقویت کا باعث ہوا۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہوا بلکہ مرتدین کی جمعیت میں معتدبہ کمی ہوگئی۔ کیونکہ ان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان سے کٹ کر مسلمانوں سے جا ملا۔

۴۔ عیینہ بن حصن کا عین اسوقت جب کہ لڑائی پورے زور و شور سے جاری تھی اپنے قبیلہ بنو فزارہ کو ساتھ لیکر میدان جنگ سے بھاگ جانا بھی مسلمانوں کی فتح کا باعث بنا۔ اس کے بھاگ جانے سے باقی لشکر میں بھی بددلی پھیل گئی اور اسی بددلی کے باعث جلد ہی اسے شکست اٹھانی پڑی۔

۵۔ خود طلیحہ اسدی، جو لشکر کی روح رواں تھا اپنی فتح سے ناامید ہو گیا اور جب لشکر کا سردار ہی میدان جنگ سے بھاگنے کی نیّت رکھتا ہو اس کی شکست میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے،

مالک بن نویرہ رسول اللہ کی زندگی میں بنو تمیم کے ایک وفد نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ نے قبیلے کی مختلف شاخوں کیلئے مختلف امیر مقرر فرمائے ان امراء میں زبرقان بن بدر، صفوان بن صفوان، قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ شامل تھے جب ان لوگوں نے رسول اللہ کی وفات کی خبر سُنی تو ان میں بعض بدستور اسلام پر قائم رہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں زکوٰۃ بھیجتے رہے بعض نے تردّد کیا لیکن آخر کار اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے زکوٰۃ روک دی اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے، مؤخرالذکر لوگوں میں مالک بن نویرہ[۱] بھی شامل تھا۔

جب حضرت خالدؓ طلیحہ کی سرکوبی سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے بطاح[۲] پہنچ کر مالک بن نویرہ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مالک بھی حضرت خالدؓ کے ارادہ سے باخبر تھا۔ اسی لئے اس نے پہلے ہی سے اپنی قوم کو منتشر ہونے کا حکم دیدیا۔

جب حضرت خالدؓ بطاح پہنچے تو قبیلے کا کوئی فرد وہاں موجود نہ تھا۔ آپ نے نواحی علاقوں میں فوجی دستے بھیجے اور انھیں حکم دیا کہ وہ جس شخص سے بھی ملیں اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ دعوت قبول کرے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیں۔ یہ حکم آپ نے حضرت صدیقؓ کی ہدایت کے مطابق دیا تھا جو یہ تھا کہ جب تم کسی بستی کے قریب

---

[۱] اس کا شجرہ نسب یہ ہے:۔ مالک بن نویرہ بن جمرہ بن شداد بن عبید بن ثعلبہ بن یربوع (طبقات الشعراء ازابن سلام الجمحی صفحہ ۴۸۔ خزانۃ الادب از بغدادی جلد ۲ صفحہ ۱۹۔ اصابہ جلد ۶ صفحہ ۳۶)

[۲] بطاح، بنو تمیم کی شاخ بنو ثعلبہ بن یربوع کا مسکن تھا۔ مالک بن نویرہ بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

پہنچو تو اذان دو اگر بستی والے بھی جواب میں آذان دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو لیکن اگر آذان نہ دیں تو انہیں قتل کر دو۔ اور ان کا مال و اسباب چھین لو۔ جو قبیلہ اسلام لے آئے اس سے زکوٰۃ طلب کرو۔ اگر دیدے تو ٹھیک ورنہ اسے بھی قتل کر ڈالو"۔[1]

ان دستوں میں سے جو حضرت خالدؓ نے روانہ کئے تھے، ایک دستے کو مالک بن نویرہ اپنے چند ہم قبیلہ (بنو ثعلبہ بن یربوع) سمیت مل گیا۔ چنانچہ وہ اسے اس کے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ کے پاس لے آئے۔ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنیوالوں میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ گرفتاری سے قبل ان لوگوں نے آذان نہیں دی تھی۔ اور بعض لوگوں کا، جن میں پیش پیش رسول اللہؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو قتادہ تھے، یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے ان لوگوں کی بستی سے آذان کی آواز سنی ہے جب دونوں گروہوں کے درمیان تصفیہ نہ ہوا تو حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ رات بڑی سرد تھی بعض روایات کے بموجب حضرت خالد نے ایک شخص کے ذریعے لشکر میں یہ منادی کرا دی۔

"دافئوا أسراکم" (اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ) کنانہ کی زبان میں "مدافاۃ" کا لفظ قتل کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا انہوں نے اس غلط فہمی میں اپنے قیدیوں کو جن میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا قتل کر دیا۔ جب حضرت خالدؓ نے شور و غوغا سنا تو اپنے خیمے سے باہر آئے لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا آپ نے فرمایا جب خدا تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر ہی رہتا ہے"۔ جس نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا وہ ضرار بن ازور تھے۔

حضرت ابو قتادہ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور وہ لشکر سے نکل کر سیدھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور مالک اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت صدیقؓ لشکر چھوڑ آنے کی وجہ سے

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲۔

ان پر بہت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ وہ فی الفور واپس جا کر اپنے مقرر کردہ امیر کے ماتحت کام کریں اور ان کے احکام کی پوری اطاعت کریں۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہ واپس گئے اور حضرت خالدؓ کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے جب حضرت خالدؓ مدینہ تشریف لائے تو وہ بھی انہی کے ہمراہ آ گئے۔

ادھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اچھا نہیں کیا۔ آپ ان سے مالک کا قصاص لیجئے اور انہیں معزول کر دیجئے! پہلے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ چپکے رہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنی بات پر اصرار کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا عمرؓ؟ خالدؓ سے صرف ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے اس لئے اب تم ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو! اللہ کی تلوار کو، جسے اس نے کافروں پر مسلط کیا ہوا ہے، میں میان میں ڈالنے والا کون ہوتا ہوں[1] آپؓ نے حضرت خالدؓ کو بھی ایک خط لکھ کر مدینہ بلوایا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ تشریف لائے، جب آپؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عمرؓ نے انہیں سخت سست کہا حضرت خالدؓ اس اندیشے کے تحت کچھ نہ بولے کہ شاید حضرت صدیقؓ کی رائے بھی اِن کے متعلق وہی ہو جو حضرت عمرؓ کی ہے، جب وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ اور مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے متعلق اپنا عذر پیش کیا۔ جسے حضرت صدیقؓ نے قبول فرمالیا۔ اور بیت المال سے مالک کا خون ادا کر دیا۔ تاہم حضرت صدیقؓ نے حضرت خالد کے مالک کی بیوہ سے شادی کر لینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اور انہیں اسے طلاق دیدینے کا حکم دیا۔

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۲۔ حضرت صدیقؓ کی سیاست یہ تھی کہ اس زمانے میں جب کہ دشمنوں کے ساتھ جنگیں جاری تھیں، عمال اور امراء کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر سرزنش کرنی مناسب نہیں ہے۔

مالک بن نویرہ کے قتل کی اصل حقیقت!

مالک بن نویرہ کے واقعۂ قتل کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا مالک حضرت خالدؓ کی آمد کے وقت مسلمان ہو چکا تھا یا بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ اور اگر وہ اسلام قبول کر چکا تھا تو کیا حضرت خالدؓ نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا یا اس کا قتل حضرت خالدؓ کی ایک اجتہادی غلطی تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ مالک کے قتل کے مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس معاملہ میں اس قدر التباسات شبہات اور اختلافات آراء ہیں کہ صحیح فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے چنانچہ ابن سلام بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہیں[1]۔ تاہم اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے، مالک کے مسلمان ہونے کے معاملے میں بہت اشتباہ پایا جاتا ہے۔ بعض واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے اسے سخت دشمنی تھی اور وہ حضرت خالدؓ کے پہنچنے تک ارتداد پر قائم تھا۔ لیکن ان واقعات سے قطع نظر بعض دیگر واقعات پر غور کیا جائے تو انسان اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جہاں تک اسلام دشمنی والے واقعات کا تعلق ہے ان میں سے نہایت مشہور واقعہ یہ ہے کہ مالک نے رحرحان[2] کے چشمے کے قریب زکوٰۃ کے اونٹوں پر اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ حملہ کیا اور انھیں لوٹ لیا حملے کے وقت وہ پکار پکار کر اپنے ہمراہیوں سے کہہ رہا تھا کہ "یہ اونٹ تمہارا مال ہیں، تم انھیں لوٹ لو۔ یہ پرواہ نہ کرو کہ کل کیا وقوع میں آئے گا"

اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد دارمی نے مالک کو اس حرکت سے منع کیا اور کہا کہ تمہیں بالآخر اس لوٹ کھسوٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس لئے تم اس سے باز رہو

---

[1] طبقات الشعراء، ابن سلام الجمحی صفحہ ۲۰،

[2] رحرحان، قبیلہ دین کا چشمہ تھا جو کھجوروں کی ایک وادی میں واقع تھا۔ خزانۃ الادب صفحہ ۲۰ جلد ۲

لیکن مالک نے اپنے قول کے مطابق پرواہ نہ کی کہ کل کیا پیش آئیگا۔ اس موقع پر اس نے یہ اشعار کہے۔

أرانی الله بالنعم المندی
ببرقة رحرحان وقد أرانی
ألت قوت عیون فاستفئت
غنائم قد یجود بها بنانی
حویت جمیعها بالسیف صلتا
ولم ترعد یدای ولا جنانی
تمشی یا ابن عوذة فی تمیم
وصاحبک الاقیرع تلحیانی

(اللہ نے مجھے رحرحان کی زمین پر اپنی خاص نعمت سے نوازا، اس نعمت کو میں ننگی تلوار سے اکٹھا کیا۔ اور ایسا کرنے میں نہ میرے ہاتھ کانپے اور نہ میرا دل دھڑکا۔ اے ابن عوزہ! تو بنو تمیم میں دیکھ لے، تمام قبیلے میں میرے اس کارنامے کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لیکن تو اور تیرا ساتھی اقرع مجھے اس پر لعنت ملامت کرتا ہے)

ان واقعات کی روشنی میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک قطعاً اسلام نہیں لایا تھا۔ اس ضمن میں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اگر وہ واقعی اسلام لے آیا تھا تو جب اس نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو آخر اس نے اپنی قوم کو منتشر ہونیکا کیوں حکم دیا۔ اور کیوں حضرت خالدؓ کے سامنے زکوٰۃ پیش نہ کی حالانکہ بنو تمیم کے دوسرے سردار وکیع بن مالک وغیرہ ایسا کر چکے تھے، اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو قتل ہونے سے بچا لیتا۔

جس واقعے سے اس کے اسلام لانے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ کے صحابی حضرت ابو قتادہ اور چند اور مسلمانوں کی یہ شہادت ہے کہ انھوں نے گرفتاری سے قبل مالک بن نویرہ کے ساتھیوں کی جانب سے آذان کی آواز سنی تھی۔ حضرت

ابو قتادہ جیسے جلیل القدر صحابی کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ اپنی شہادت کے سچا ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ انہوں نے اس وجہ سے اپنے امیر کی مخالفت بھی گوارہ کر لی اور عین دوران جہاد میں لشکر کو چھوڑ کر خلیفہ کے پاس شکایت کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔ پھر یہ امر بھی بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے محض ایک ظنی اور غیر یقینی امر کی تفتیش کیلئے سپہ سالار کو میدان جنگ سے طلب فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا اصرار بھی، کہ خالدؓ سے قصاص لیا جائے، اور انہیں سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا جائے، یہ بات ثابت کرتا ہے کہ انہیں مالک کے اسلام لانے کا یقین تھا۔ حضرت صدیقؓ کے بیت المال سے مالک کا خون بہا ادا کرنے اور قیدیوں کو چھوڑ دینے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک کو حالت اسلام میں قتل کیا گیا۔ اور حضرت خالد کا اسے قتل کرنا اور اس کے دیگر ساتھیوں کو قید کرنا جائز نہ تھا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کو اس خطرے کے پیش نظر طلب فرمایا ہو کہ کہیں فوج کے وہ لوگ جو حضرت ابو قتادہ کے ساتھ متفق ہیں، خالدؓ کے خلاف ہو کر مرتدین سے لڑنا چھوڑ دیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ فوج میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ ابو قتادہ خالدؓ کی شکایت لیکر مدینہ گئے ہیں اور ان کی شکایت پر حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کر دینے پر اصرار کیا ہے، حضرت صدیقؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ خالدؓ کو طلب فرما کر اس واقعے کی تحقیقات کی جائے۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کے عذرات سننے کے بعد ان سے باز پرس نہیں کی اگر خالدؓ غلطی پر ہوتے تو حضرت صدیقؓ کی وفات کے بعد جب خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی تو حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو مالک کے قصاص کے سلسلے میں کوئی سزا نہ دی حالانکہ حضرت عمر جیسے شخص کو، جنہیں حق کے معاملے میں کسی شخص کی بھی پرواہ نہ تھی کوئی طاقت خالدؓ کو سزا دینے سے باز نہ رکھ سکتی تھی،

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صرف مالک بن نورہ

کا خون بہا ادا فرمایا! اور دیگر معتولین[1] کا جو بلاشبہ حضرت خالدؓ کے حکم کے بموجب قتل کئے گئے تھے، خون بہا نہیں دیا۔ اگر حضرت صدیقؓ یہ سمجھتے کہ یہ لوگ حالت اسلام میں قتل کئے گئے ہیں تو خواہ آپ ان کے قاتلین سے قصاص نہ بھی لیتے تو کم ازکم ان سب کا خون بہا ضرور ادا کرتے، اس واقعے سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقؓ کا مالک کا خون بہا ادا کرنا اور دیگر قیدیوں کو رہا کر دینا اس غرض سے تھا کہ مالک کے بھائی متمم بن نویرہ اور اس کی قوم کو ڈھارس دیجائے اور اپنے سردار کی وجہ سے جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے اس کا مداوا کیا جائے۔

ان واقعات اور احتمالات کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا مالک کا قتل حالت اسلام میں ہوا یا حالت ارتداد میں۔ ہم اس سلسلے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ مالک کا اسلام لانا ثابت نہیں ہوتا لیکن اگر حضرت خالدؓ اسے قتل نہ کرتے تو یہ امر یقینی ہے کہ وہ بالآخر اسلام لے آتے۔

اس معاملے میں ایک اور پہلو پر کچھ اور روشنی ڈالنا ضروری ہے مالک بن نویرہ کے بارے میں مختلف روایات بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک روایت جو اوپر بھی بیان ہو چکی ہے یہ ہے کہ خالدؓ نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ انھیں سردی سے بچایا جائے آپ نے اس موقعے پر جو الفاظ استعمال کئے وہ یہ تھے: "دافئوا أسراكم" لیکن ان الفاظ سے مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے سمجھا کہ خالدؓ قیدیوں کو قتل کرنیکا حکم دے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا، اسی ضمن میں منجملہ اور روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے خالدؓ کو یہ نصیحت کی تھی کہ اگر وہ مالک بن نویرہ کو دیکھ پائیں تو اس وقت تک اسکا پیچھا نہ چھوڑیں جب تک اسے قتل نہ کر دیں[2]

---

[1] مالک کے ساتھ بنو یربوع قبیلہ کے ۲۵ آدمی اور قتل کئے گئے تھے، (خزانۃ الادب جلد ۲ صفحہ ۲۱)
[2] طبقات الشعراء۔ لابن سلام صفحہ ۵۰ مطبوعہ لیڈن۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے، اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو حضرت خالدؓ پر مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے بارے میں کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت خالدؓ کا حکم قیدیوں کے متعلق یہ تھا کہ انہیں سردی سے بچایا جائے اگر لوگوں کو آپ کا حکم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو تو اس میں حضرت خالدؓ کا کیا قصور؟ لیکن بظاہر یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو خالدؓ بڑی آسانی سے اپنی صفائی میں پیش کر سکتے تھے، اس صورت میں دربار خلافت میں حضرت ابو قتادہ کے حاضر ہونے اور اس واقعے کے متعلق مسلمانوں میں ہیجان برپا ہونے کے بھی کوئی معنی نہیں تھے۔

رہا دوسری روایت کا سوال، تو اگر اسے صحیح سمجھا جائے تو اس بنا پر خالدؓ کا مالک بن نویرہ کو قتل کرنا جائز نہ تھا۔ کیونکہ خالدؓ حضرت عمرو بن العاص سے احکام حاصل نہیں کرتے تھے، اس روایت میں یہ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ حضرت عمرو بن العاص نے خالد کو جو نصیحت کی وہ حضرت صدیقؓ کے ارشاد یا ان کی رائے کے مطابق کی۔

ہمارے خیال میں مالک بن نویرہ کے قتل کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں :

۱۔ اس کے وہ اشعار، جن میں اس نے کھلے بندوں اسلام سے انحراف کا اظہار کیا ہے اور اپنے لٹیرے ساتھیوں کو مسلمانوں کی پرواہ نہ کرنے کی تلقین کی ہے[1]

۲۔ حضرت صدیقؓ کی وہ ہدایت، جس میں صاف طور پر ان لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو زکوٰۃ دینے پر آمادہ نہ ہوں۔ مالک نے زکوٰۃ دینے سے پس و پیش کیا تھا۔ اس لئے اس کا قتل درحقیقت خلیفہ کے احکام کی بجاآوری میں شامل تھا۔

۳۔ طلیحہ اسدی کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ کے نام حضرت صدیقؓ کا خط جس میں آپ نے لکھا تھا۔۔۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد جو کام کیا ہے اسے پوری ذمہ داری کے ساتھ بجا لاؤ اور اس میں مطلق سستی نہ کرو۔ اگر تم کسی ایسے شخص پر قابو پاؤ جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو تو اسے بلا پس و پیش قتل کر دو"، تاکہ دوسرے

---

[1] طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۵۰ - [2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲

اس سے عبرت حاصل کریں، ان کے علاوہ اُن لوگوں میں سے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کی اور تمہاری مخالفت پر کمر بستہ ہوئے، اگر کسی شخص کے متعلق تمہارا یہ خیال ہو کہ اس کے قتل کرنے میں مسلمانوں کی بہتری ہے تو اسے بھی قتل کر دو۔"

۴۔ مالک بن نویرہ کی گرفتاری کے بعد جب حضرت خالدؓ نے اس سے گفتگو کی تو اس نے نماز پڑھنے کا تو اقرار کر لیا لیکن زکوٰۃ دینے میں پس وپیش کی۔ حضرت خالد نے اس سے کہا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ اکٹھی قبول ہوتی ہے جب تک دوسرا رکن ادا نہ کیا جائے پہلا رکن بھی قبول نہیں ہوتا۔" مالک کہنے لگا: "تمہارے صاحب (رسول اللہؐ) تو یہی کہتے تھے جو میں کہتا ہوں"۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا۔ کیا وہ تیرے صاحب نہیں؟ "خدا کی قسم اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اب تیری گردن ضرور اڑاؤں گا۔" مالک نے پھر کہا "کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے؟" گفتگو کے اس انداز سے حضرت خالدؓ نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ بدستور اسلام اور رسولؐ کی رسالت سے انکاری ہے مستند کتب تاریخ میں مالک بن نویرہ کے قتل کی یہی آخری وجہ بیان ہوئی ہے اور تمام مؤرخین اس گفتگو پر جو اوپر ذکر ہوئی ہے متفق ہیں۔[1]

یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وجوہات شک وشبہ سے خالی نہیں اور شبہے کی بنا پر شریعت اسلامی نے کسی شخص کا قتل روا نہیں رکھا۔ یہ وجوہات اگرچہ شک وشبہ سے خالی تو نہیں لیکن یہ شبہات معمولی نہیں بلکہ اتنے قوی ہیں کہ حضرت خالدؓ کیلئے مالک کے قتل کا پورا جواز پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک ضروری بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر ان سب وجوہات کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی ایک وجہ قتل کا جواز نہیں ٹھہرتی۔ لیکن جب ان تمام کو بیک وقت ملحوظ خاطر رکھا جائے تو حضرت خالدؓ کا فعل بالکل حق بجانب ٹھہرتا ہے۔

حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کے بارے میں جو فیصلہ دیا وہ بالکل درست تھا جب

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۳۲۔ طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۴۹۔ الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۳۶۔ المختصر لابی الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۵۸۔

حضرت عمرؓ نے خالدؓ سے باز پرس کرنے پر اصرار کرنا شروع کیا تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا عمرؓ! خالدؓ سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے اس لئے تم ان کے متعلق کچھ نہ کہو۔ حضرت صدیقؓ سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ آپ کسی کی رعایت کرتے ہوئے کوئی غلط فیصلہ صادر فرما دیتے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ خالدؓ سے نہ صرف خوش رہے بلکہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی اہم مہم بھی انہی کے سپرد کر دی، تو ہمارے لئے یہ باور کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ خالدؓ کے عذرات کو بارگاہِ خلافت میں شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا تھا اور وہ یہ کہ انہوں نے مالک کو صرف اس لئے قتل کیا کہ ان کے خیال میں وہ بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا خیال درحقیقت صحیح تھا یا غلط۔ اگر حضرت صدیقؓ کے نزدیک خالدؓ کا عذر قابلِ قبول نہ ہوتا تو آپ خواہ اس سے قصاص نہ بھی لیتے تو کم از کم انہیں امارت سے ضرور معزول کر دیتے۔

ابھی ایک اور مسئلہ باقی رہتا ہے جس کا تعلق بھی مالک کے قتل سے ہے اور وہ ہے مالک کے قتل کے بعد حضرت خالدؓ کا اس کی بیوی سے شادی کر لینے کا واقعہ۔ حضرت خالدؓ کے خلاف شور و شغب کی ایک بڑی وجہ یہ شادی بھی تھی، اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اس واقعے کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ فعل حضرت خالدؓ جیسے جلیل القدر انسان سے سرزد ہوا۔ اگر یہی فعل کسی چھوٹے اور غیر معروف انسان سے سرزد ہوتا تو اس کی پرواہ بھی نہ کی جاتی۔ اور کسی کو اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوتا۔ لیکن کیونکہ اسکا ارتکاب ایک بڑے انسان سے ہوا اس لئے اسے اس طرح ظاہر کیا گیا گویا کسی اجلے اور سفید کپڑے پر ایک بدنما سیاہ داغ پڑ گیا ہے۔

یہ واقعہ بھی شکوک و شبہات اور التباس سے خالی نہیں، تاریخ کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ خالدؓ نے مالک کی بیوی کو خریدا اور فوراً ہی اس سے شادی کر لی۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ شادی عدت کی میعاد گزرنے کے بعد ہوئی[۱] اگر ہم

---

[۱] المختصر لابی الفداء جلد اول صفحہ ۱۵۷۔ طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۵۰۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۳

یہ مان لیں کہ مالک حالت کفر میں قتل کیا گیا اور اس کے قتل کے بعد خالدؓ نے اس کی بیوی کو جیسے لونڈی بنالیا تھا، خرید کر اس سے شادی کرلی تو بظاہر کوئی قابل اعتراض بات نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مالک حالت اسلام میں قتل کیا گیا تھا تب بلاشبہ خالدؓ کا یہ فعل قابل اعتراض ہے تاہم لڑائی کے زمانے میں خالدؓ کا اس سے شادی کرنا بہر حال نامناسب تھا کیونکہ عرب اس چیز کو برا سمجھتے تھے، اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی خالد کو اس معاملے میں سرزنش کی اور انہیں اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔ ہمیں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے اسے طلاق کب دی بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ آپ نے اسے طلاق جنگ یمامہ کے بعد دی کیونکہ اس جنگ میں مسیلمہ کے بعض لوگ خالد کے خیمے میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے اور اس وقت آپ کے خیمے میں ام تمیم (مالک کی بیوی) موجود تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس جنگ کے بعد طلاق دی گئی۔

بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک کی بیوی ہی مالک کے قتل کا سبب بنی کیونکہ وہ بے حد خوبصورت تھی، اور اس کی خوبصورتی نے خالد کے دل کو موہ لیا تھا یہ مورخین اپنے دعوے کا ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ قتل کے وقت مالک نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "مجھے اور کسی نے نہیں بلکہ تو نے قتل کیا ہے۔" کوئی مسلمان بھی جس کے دل میں اپنے اسلاف کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو خالدؓ جیسے جلیل القدر صحابی یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ باور نہیں کر سکتا کہ انہوں نے شہوات نفسانیہ کی خاطر کسی شخص کو قتل کیا۔ حضرت خالدؓ نے بھی جب مالک کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا "تجھے تیری بیوی نے نہیں بلکہ تیرے ارتداد کے سبب اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔" [1]

شاید حضرت خالدؓ کا مالک کی بیوی سے شادی کرنے کا سبب یہ ہو کہ خالدؓ اس مصیبت اور تکلیف کا مداوا کرنا چاہتے ہوں جو مالک کی بیوی کو اپنے خاوند کے قتل سے پہنچی تھی اور اس کی ترکیب آپ کی سمجھ میں یہی آئی کہ آپ خود اس سے شادی کرلیں

---

[1] المختصر لابی الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۵۷۔ الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۔

تاکہ اس کی خاطر خواہ دل دہی ہو سکے اور اسے بہادر اور شاعر مزاج خاوند کے بدلے
ایک ایسا شوہر مل سکے جو بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال آپ ہو اور قیادت میں اسکا
کوئی ثانی نہ ہو۔

مسیلمہ کذّاب دیگر قبائل کی طرح بنو حنیفہ کا بھی ایک وفد رسولؐ کی خدمت میں
حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ مدینہ پہنچ کر
باقی لوگ تو رسول اللہ کی مجلس میں چلے گئے، لیکن مسیلمہ ان کے سامان کی رکھوالی کے لئے
ڈیرے پر ہی ٹھیرا رہا۔ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وفد نے اسلام قبول کیا۔ آپ
نے انہیں کچھ مال مرحمت فرمایا۔ انہوں نے مسیلمہ کا بھی ذکر کیا اس پر حضورؐ نے اس کا حصہ بھی اس کے ساتھیوں
کو دیا۔ اور فرمایا "وہ ایسا شخص نہیں ہے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی
کرنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ جب بنو حنیفہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو
مسیلمہ نے نبوّت کا دعوٰے کر دیا۔ اور وفد سے کہا "کیا تم سے رسول اللہ نے نہیں
کہا تھا کہ وہ ایسا شخص نہیں ہے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی کرنے کیلئے پیچھے چھوڑ
دیا جائے۔ میرا مرتبہ پہچانتے تھے، اور انہیں معلوم تھا کہ میں ان کے ساتھ نبوّت میں
شریک کیا گیا ہوں"؛ اس نے بعض مسجع مقفیٰ عبارتیں بنا کر اپنے قبیلے کے سامنے بطور
وحی پیش کیں۔ اور شراب و زنا وغیرہ مفاسد کو ان کے لئے حلال قرار دیا۔ بنو حنیفہ
نے اس کی اطاعت قبول کرلی اور اسے ہر قسم کی مدد دینے کیلئے تیار ہو گئے اس کے
بعد اس نے رسول اللہ کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

من مسیلمۃ رسول اللہ الیٰ محمّد رسول اللہ۔ سلام علیک فانی قد
اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض
ولکن قریش قوم یعتدون"

(یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد الرسول کے نام ہے، آپ پر سلامتی ہو۔
آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مجھے نبوت میں آپ کا شریک کیا گیا ہے نصف زمین میری ہے
اور نصف قریش کی لیکن قریش بہت زیادتی کرنیوالی قوم ہے) نبی کریم صلعم نے اس کا
یہ جواب دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمد رسول اللہ الیٰ مسیلمۃ الکذاب سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔" [1]

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد الرسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اس کے بعد واضح ہو کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے انجام انہی کا بہتر ہوگا جو خدا سے ڈرتے ہیں۔)

رسول اللہ کی وفات کے بعد مسیلمہ کا فتنہ اور زور پکڑ گیا اس فتنے کو بھڑکانے میں زیادہ حصہ الرجال بن عنفوہ کا تھا یہ شخص ہجرت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا اس نے رسول اللہ کی صحبت میں رہ کر قرآن کریم اور دین کا علم حاصل کیا۔ جب اہل یمامہ مدینہ آئے تو رسول اللہ نے اسے قبیلہ مذکورہ کی تعلیم و تربیت اور دین سکھانے کیلئے ان کے ساتھ روانہ کر دیا وہاں پہنچ کر بجائے اس کے کہ وہ اپنا مفوضہ کام سر انجام دیتا اس نے مسیلمہ کذاب کی مدد کرنی شروع کی اور قبیلے کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ محمد صلعم نے یہ فرمایا تھا کہ مسیلمہ کو آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اہل یمامہ کے لئے مسیلمہ کے حق میں اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا وہ جوق در جوق مسیلمہ کی اطاعت کرنے لگے اور اسطرح ایک زبردست فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جب حضرت صدیقؓ نے مختلف امراء کو مرتدین سے لڑنے کیلئے جھنڈے مرحمت فرمائے تھے تو عکرمہ بن ابو جہل کو مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ عکرمہ کی مدد کے لئے آپ نے شرجیل بن حسنہ کو کچھ فوج دیکر ان کے پیچھے روانہ فرمایا۔ عکرمہ نے اس خیال سے کہ مسیلمہ کی سرکوبی کا فخر تنہا انہی کے حصے میں آئے شرجیل کی آمد کا انتظار نہ کیا۔ اور بنو حنیفہ پر دھاوا بول دیا۔ بنو حنیفہ بھی کچھ کم تیار نہ تھے،

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۶۷؛

[2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۴ - ابن اثیر جلد: صفحہ ۲۴۴

انہوں نے زبردست حملہ کرکے عکرمہ کی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب حضرت صدیقؓ کو عکرمہ کی ہزیمت کی خبر پہنچی تو آپ نے شرحبیل بن حسنہ کو لکھا کہ وہ اپنی پیش قدمی کو موقوف کرکے اس کمک کا انتظار کریں۔ جو خالدؓ کی سرکردگی میں بھیجی جارہی ہے، شرحبیل کو چاہیئے تھا کہ وہ عکرمہ کی شکست سے نصیحت حاصل کرتے لیکن ان سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی جو عکرمہ سے ہوئی تھی، انہوں نے بھی حضرت خالدؓ کا انتظار کیئے بغیر مسیلمہ کی فوج پر حملہ کردیا۔ مسیلمہ کی فتحیاب فوج کے مقابلہ میں شرحبیل کی فوج بھی نہ ٹھہر سکی اور اسے بھی شکست کھاکر پیچھے ہٹنا پڑا۔

خالدؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل کی جوابدہی کے لیئے مدینہ طلب فرمایا تھا۔ حضرت خالدؓ کے عذرات کو قبول کرنے کے بعد آپ نے انہیں مسیلمہ سے لڑنے کیلیئے یمامہ جانے کا حکم دیا۔ اور مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت آپ کے ساتھ کردی انصار پر ثابت بن قیس بن شماس امیر تھے اور مہاجرین پر ابوحذیفہ اور زید بن خطاب۔ مہاجرین اور انصار کے علاوہ جو دوسرے قبائل اس فوج میں شامل تھے ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک امیر مقرر تھا۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے کوچ کرکے بطاح پہنچے تو وہاں لشکر کی تنظیم کی اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور مسیلمہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کے روانہ ہونے کے بعد سلیط کو مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ عقب میں رہ کر اس کی حفاظت کریں تاکہ دشمن مسلمانوں کی فوج پر بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کرسکے۔

جب خالدؓ شرحبیل کے پاس پہنچے اور انہیں ان کی شکست کا حال معلوم ہوا تو وہ شرحبیل پر بہت ناراض ہوئے کہ انہوں نے خلیفہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسیلمہ کی فوج پر تنہا حملہ کیوں کردیا۔ اور ان کے آنے کا انتظار کیوں نہیں کیا[1]

جب مسیلمہ کو حضرت خالدؓ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ چالیس ہزار کی عظیم الشان

---

[1] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۴۔

جمعیت لے کر نکلا اور عقربا[1] میں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالدؓ بھی اپنی فوج کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے، دونوں فوجیں میدان میں نکلیں۔ حضرت خالدؓ نے میمنہ اور میسرہ پر زید بن خطاب اور ابو حذیفہ کو مقرر کیا تھا۔ خود مقدمہ پر تھے، شرجیل بھی مقدمہ میں تھے ادھر مسیلمہ کے میمنہ اور میسرہ پر محکم الیمامہ اور الرجال بن عنفوہ مقرر تھے، الرجال بن عنفوہ ہی سب سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا[2] اسے عبدالرحمان بن ابوبکر نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

جنگ شروع ہوئی رفتہ رفتہ لڑائی میں شدت پیدا ہوتی گئی دونوں فریقوں میں سے کوئی فریق پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھا دونوں طرف سے سردھڑ کی بازی لگی ہوئی تھی۔

حضرت خالدؓ تمام صورتحال پر کڑی نظر رکھ رہے تھے کچھ دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اگر لڑائی اسی شدت سے شروع رہی اور بنو حنیفہ اسی طرح بے جگری سے لڑتے رہے تو مہاجرین اور انصار کو چھوڑ کر دیگر قبائل عرب جو فوج میں شامل ہیں ہمت ہار بیٹھیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معدودے مہاجرین اور انصار کی طاقت کو بھی کم دیں گے، اور اس طرح لشکر کے نظم و ضبط میں سخت خلل پیدا ہو جائے گا۔ اور شکست یقینی ہو جائے گی اس موقع پر انہوں نے اپنی جنگی تدبیر سے کام لیا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو جائے اور علیحدہ علیحدہ ہو کر ہی دشمن کا مقابلہ کرے تاکہ ہم دیکھ سکیں اس نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس نے اس موقع پر بزدلی دکھائی اور فرار اختیار کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کی

---

[1] عقربا یمامہ کی ایک بستی جو نباج کے راستے میں پڑتی ہے، "العرض" کے ضلع میں قرقری کے قریب واقع ہے یہ جگہ یمامہ کی سرحد پر ہے اور یمامہ کا زرخیز علاقہ اس کے درمیان ہے مسیلمہ نے یہاں اس لئے پڑاؤ ڈالا تھا تاکہ مسلمان یمامہ کی سرزمین کو نہ روند سکیں، اور وہ تاخت و تاراج ہونے سے بچ سکے (یاقوت جلد ۶ صفحہ ۱۹۴) [2] الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۸۔ اسے زید بن خطاب نے قتل کیا تھا۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۵۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۹۴۔

عزت جاتی رہے گی، چنانچہ مسلمانوں نے دگنی بہادری سے لڑنا شروع کر دیا۔

مسلمان بڑی بہادری سے جنگ لڑ رہے تھے کہ بنو حنیفہ کی جانب سے پیچھے ہٹنے کے مطلق آثار دکھائی نہ دیتے تھے اور بدستور میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے مسلمانوں پر زوردار حملے کر رہے تھے حضرت خالدؓ نے سوچا کہ جب تک مسیلمہ قتل نہ ہوگا بنو حنیفہ کا زور کم نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اسے دعوت مبارزت دی جو اس نے قبول کر لی آپؓ آگے بڑھے اور اس کے سامنے بعض ایسی شرطیں صلح کے لئے پیش کرنی شروع کیں جو سراسر اس کے حق میں جاتی تھیں ہر شرط پر مسیلمہ اپنا منہ اسطرح پھیر لیتا گویا وہ خدا سے مشورہ کر رہا ہے، ایک دفعہ جیسے ہی مسیلمہ نے منہ موڑا حضرت خالدؓ اس پر جھپٹ پڑے مسیلمہ کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر بھاگا اور قریب ہی ایک باغ میں گھس گیا۔ اپنے سردار کو بھاگتے دیکھ کر بنو حنیفہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھ کر محکم الیمامہ نے پکارنا شروع "اے لوگو! باغ میں داخل ہو جاؤ۔ اے لوگو! باغ میں داخل ہو جاؤ!" چنانچہ بنو حنیفہ اسی باغ میں داخل ہونے لگے اور جب سب داخل ہو گئے تو اندر سے دروازہ بند کر لیا گیا۔

لڑائی کا یہ انجام مسلمانوں کو پسند نہ تھا۔ ابھی بنو حنیفہ میں لڑنے کی طاقت باقی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ فتنے کا بانی مبانی مسیلمہ ابھی زندہ موجود تھا حضرت براء بن مالک نے مسلمانوں سے کہا کہ تم مجھے اٹھا کر باغ کی دیوار کے اندر پھینک دو میں جا کر دروازہ کھول دوں گا۔ مسلمان یہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے، وہ اپنے ایک بزرگ صحابی کو خود اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈال دیں سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھے نہیں پھینکو گے تو میں خود جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک جست لگائی اور دیوار پر پہنچ گئے وہاں سے وہ باغ کے اندر کود پڑے اور لڑتے بھڑتے دروازے پر پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ مسلمانوں کی فوج تو منتظر کھڑی تھی فوراً باغ میں داخل ہو گئی۔ باغ کے اندر شدید جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ

مارا گیا[1] اس کے مارے جانے سے بنو حنیفہ کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ پسپا ہونے لگے مسلمانوں نے انہیں ہر چہار طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کیا۔ اور ان کی لاشوں سے سارا باغ پٹ گیا اس دن لڑائی میں بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے سات ہزار عقرباء کے میدان جنگ میں قتل ہوئے سات ہزار باغ میں مارے گئے، اور سات ہزار بھاگنے کی کوشش میں کھیت رہے مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کلام اللہ کے حافظ کثرت سے تھے، شہداء میں ۳۶۰ مہاجرین اور انصار بھی تھے[2] لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ نے قبیلہ کے ایک سردار مجاعہ بن مرارہ کو ساٹھ آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنو عامر پر شب خون مارنے کے لئے بھیجا تھا[3] مجاعہ کا مقابلہ اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش سے ہو گیا جس میں اس کے تمام ساتھی قتل ہو گئے۔ مجاعہ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس خیال سے اسے امان دے دی گئی تھی کہ ممکن ہے آگے چل کر اس کے ذریعے کوئی کام نکل سکے اسے لشکر کے ساتھ بطور یرغمال رکھا گیا۔ جب بنو حنیفہ کا استحصال ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو مجاعہ نے موقع پا کر حضرت خالدؓ سے کہا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے بنو حنیفہ پر فتح حاصل کر لی ہے یمامہ کے شہر میں ہمارے جنگجوؤں کی بھاری تعداد اسلحہ سے لیس ابھی تک موجود ہے جو وہ لوگ ہر قیمت پر آپ کا مقابلہ کریں گے، اگر آپ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو مجھے کچھ دیر کیلئے شہر میں جانے کی اجازت دے دیجئے تاکہ میں انہیں صلح کیلئے راہ ہموار کر سکوں حضرت خالدؓ نے اسے جانے کی اجازت تو مرحمت فرما دی لیکن یہ کہہ دیا کہ صلح میں تمہارے آدمیوں کی جان بخشی کی شرط شامل نہ ہو گی ان کے متعلق جو فیصلہ ہم

۱۔ مسیلمہ کو وحشی (جبیر بن مطعم کا غلام اور حضرت حمزہ کا قاتل) اور ایک انصاری نے مل کر قتل کیا تھا۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۹۵ و ۹۷

۲۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۲۔

۳۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۶۔

مناسب سمجھیں گے کریں گے جب مجاعہ شہر میں گیا تو اس نے وہاں سوائے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے کسی کو نہ پایا۔ اس نے انہیں زرہ بکتر پہنائے اور انہیں سکھا دیا کہ وہ قلعے کی فصیل پر جمع ہو جائیں تاکہ مسلمان انہیں دیکھ کر دھوکہ کھا جائیں اور ہماری طرف سے پیش کردہ شرائط پر صلح کرلیں۔ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ کہ ہتھیار لیکر اور زرہ بکتر پہن کر فصیل پر پہنچ گئے۔ ادھر مجاعہ حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا: "میری قوم آپ کی شرائط پر صلح کرنا نہیں چاہتی میں نے آپ سے جو کچھ عہد و پیماں کیا تھا وہ اسے قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔

حضرت خالد نے جب فصیل پر نظر دوڑائی تو انہوں نے دیکھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فصیل پر سپاہی ہی سپاہی نظر آتے ہیں جو سرتاپا لوہے میں غرق ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے چمک رہے ہیں، مسلمان جنگ سے اکتا چکے تھے، اور ان کی عین خواہش تھی کہ جو فتح انہوں نے بنو حنیفہ پر حاصل کی تھی اسی پر اکتفا کریں اور مزید جنگ و جدل سے پرہیز کریں۔ حضرت خالد نے سوچا کہ اگر دوبارہ جنگ چھڑ گئی تو نامعلوم کیا انجام ہو؟ اس لئے آپ نے اس بات پر رضامندی ظاہر کردی کہ نصف مال و اسباب اور نصف مزروعہ باغات اور نصف قیدیوں کو بنو حنیفہ کے لئے چھوڑ دیں گے، مجاعہ پھر شہر میں گیا اور واپس آکر حضرت خالدؓ سے کہا کہ وہ لوگ ان شرائط پر بھی صلح کرنے کو تیار نہیں ہیں، آپ چوتھائی مال و اسباب لینے پر راضی ہو جائیں، حضرت خالدؓ نے یہی منظور کرلیا۔ اور صلح نامہ لکھا گیا۔ صلح کے بعد جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں عورتیں بچے اور بوڑھے تو ہیں لیکن کسی جوان مرد کا نام و نشان بھی نہیں ہے آپ نے مجاعہ سے اس فریب دہی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "میری قوم تباہ ہو جاتی، میرا فرض تھا کہ ان کی جان بچاؤں۔ حضرت خالدؓ نے یہ عذر قبول کرلیا اور صلح نامے کو برقرار رکھا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صدیقؓ کا خط خالدؓ کے پاس پہنچا جس میں آپ کو حکم دیا گیا۔ کہ آپ اس قبیلہ کے ہر بالغ شخص کو قتل کردیں۔ لیکن خالد صلح کر چکے تھے، اور صلح

نامہ پر دستخط ثبت ہو چکے تھے اب آپ اسے کس طرح توڑ سکتے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت صدیق رضؓ کو اپنی معذوری سے مطلع کر دیا جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

صلح کے بعد بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کا ایک وفد حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ان لوگوں سے پوچھا ”آخر کس بات پر تم مسیلمہ کذاب کے فریب میں آگئے؟ انہوں نے عرض کیا ”اے خلیفہ رسول اللہ آپ کو ہمارا سب حال معلوم ہے مسیلمہ نے جو پاکھنڈ پھیلایا تھا اس سے نہ ہی اسے کوئی فائدہ پہنچا اور نہ ہی اسکے خاندان اور قبیلہ کو۔ حضرت صدیقؓ نے بعض آیات جو مسیلمہ کے بیان کے مطابق اس پر نازل ہوئی تھیں سننے کی خواہش کی چنانچہ وفد نے چند آیات سنائیں، انہیں سن کر حضرت صدیقؓ نے بیحد تعجب کا اظہار کیا۔ اور فرمایا ایسی باتیں تو ایک فاسق وفاجر شخص ہی کی زبان سے نکل سکتی ہیں آخر تمہاری عقلوں کو کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ تم ایسے شخص پر ایمان لے آئے

بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ و پیکار کے بیان کے بعد اب ہمیں ان اسباب پر غور کرنا ہے جن کے باعث مسیلمہ کو وہ قوت وطاقت اور ثبات نصیب ہوا۔ اور دوسرے مدعیان نبوت کے حصے میں نہ آیا۔ ہمارے خیال میں مسیلمہ کی قوت وطاقت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:“

۱۔ الرجال کی یہ شہادت کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ مسیلمہ کو ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ جب بنو یمامہ نے دیکھا کہ رسول اللہ کا بھیجا ہوا معلم بھی مسیلمہ کی تصدیق کرتا ہے تو ان کے پاس شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اور وہ کثرت سے مسیلمہ کی پیروی اختیار کرنے لگے۔ بنو حنیفہ کے کئی لوگوں نے صدق دل سے مسیلمہ کی نبوت پر مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔

۲۔ بنو حنیفہ اپنے شہروں اور عزت وناموس کی حفاظت کی خاطر جنگ کرتے تھے چنانچہ جب فریقین میں جنگ چھڑنے کا وقت آیا تو مسیلمہ کذاب کے بیٹے شرجیل نے بنو حنیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”آج تمہاری غیرت کے امتحان کا دن ہے

اگر تم نے شکست کھائی تو تمہاری بیویاں اور بیٹیاں لونڈیاں بنیں گی، اپنے حسب و نسب، ننگ و ناموس اور بیویوں بیٹیوں کی حفاظت کی خاطر دشمنوں سے جنگ کرو۔"

۳۔ بنو حنیفہ اپنے علاقے اور اس کے راستے پہاڑیوں اور گھاٹیوں سے خوب واقف تھے، لیکن مسلمان اس علاقے سے بالکل ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ فریق جو کسی علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو، ناواقف فریق کے مقابلے میں دلجمعی کے ساتھ لڑ سکے گا۔

۴۔ عکرمہ کو شکست دینے کے بعد بنو حنیفہ کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے شرجیل کے لشکر کو بھی شکست دیدی تو ان کی قوت جرأت اور ہمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اور ان میں وہ روح سرایت کر گئی جس کا دوسرے مدعیان نبوت کے پیروکاروں میں نام ونشان تک نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خالدؓ نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ان کا اس دلیری اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ اگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمانوں کی شکست میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی۔

ان امور کی موجودگی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیلمہ کی فتح اور کامرانی کے اسقدر اسباب مجتمع ہو گئے تھے، مزید برآں اس کا لشکر بھی مسلمان سے کئی گنا بڑا تھا تو اس کی شکست کی وجوہات کیا تھیں اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو کامیاب و کامرانی ہونے میں مدد دی؟ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے وہ عوامل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت خالدؓ کا یہ حکم کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو کر جنگ کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قبیلے نے زیادہ جواں مردی اور شجاعت سے دشمن کا مقابلہ کیا اور کس نے بزدلی دکھائی۔ اس کارروائی کا فوج کے دل میں بڑا اثر ہوا۔ اور اہل عرب جنہیں اپنی بزرگی اور شرافت، بہادری اور شجاعت پر ناز تھا میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ کر سکے۔

۲۔ لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر حضرت خالدؓ کا دعوت مبارزت دینا۔

آپ ایک شیر کی مانند میدان جنگ میں کھڑے تھے، جو شخص بھی آپ کے مقابلے میں نکلتا تھا، زندہ واپس نہ جا سکتا تھا۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا تو ان کی ہمتیں بلند ہوگئیں اور ان میں ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوگیا۔

۳۔ جب مسیلمہ حضرت خالدؓ کے سامنے آیا اور حضرت خالدؓ نے بعض شرائط اس کے سامنے پیش کیں تو مسیلمہ نے اس طرح منہ پھیرا جیسے وہ اللہ سے مشورہ کر رہا ہے حضرت خالدؓ نے اس موقع کو غنیمت جانا آپ کو پتہ تھا کہ مسیلمہ ہی لشکر کی جان ہے اگر یہ مارا گیا تو لشکر کی ہمت پست ہو جائیگی۔ اس لئے آپ نے فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر اس کے سپاہیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگنے لگے۔ مسیلمہ پر بے خبری میں حملہ کرنے سے حضرت خالدؓ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان دونوں میں اسوقت تک ایک بھی شرط طے نہیں ہوئی تھی، اور کسی نے بھی دوسرے کو امان اور جان بخشی کا یقین نہیں دلایا تھا۔

۴۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ مخلصین کی ایک بھاری تعداد تھی جنہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن خدا کی اطاعت کے لئے وقف کر دیا تھا ان کی نظروں میں موت ایک نہایت حقیر شئے تھی وہ نہ صرف خود خدا کی راہ میں جانیں دینے کے لئے بیتاب تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اس چیز کی دعوت دیتے تھے چنانچہ حذیفہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے، یا اھل القرآن زینوا القرآن بالفعال (اے قرآن پر ایمان لانے والو! قرآن کو اپنے کارناموں کے ذریعے زینت دو) زید بن خطاب کہہ رہے تھے "عضوا ابصارکم وعضوا علیٰ اضراسکم ایھا الناس واضربوا فی عدوکم وامضوا اقدما) اے لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو اور پیش قدمی کرتے ہوئے دشمنوں کا کام تمام کر دو۔) ان لوگوں کی بدولت ہی جو اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۵۔ حضرت صدیقؓ نے سلیط کو کچھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے عقب کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ مسیلمہ کے لشکر سے جنگ کرنے کے دوران میں مسلمانوں

کو یہ اطمینان تھا کہ اس کی پشت بالکل مضبوط ہے اور پیچھے سے دشمن ان پر حملہ نہیں کرسکتا۔ اس طرح ان کی تمام تر توجہ سامنے کی طرف مبذول رہی۔

۶۔ بعض لوگوں نے مسیلمہ کی مدد صرف قومی عصبیت کی وجہ سے کی تھی، حالانکہ انہیں اس بات کا یقین تھا۔ کہ مسیلمہ اپنے دعوئے نبوت میں سراسر جھوٹا ہے کم از کم انہیں اس بارے میں شک ضرور تھا ان کو متزلزل کرنے، ان کے دلوں میں ہیجان برپا کرنے اور ان کے عزائم میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے یہ شک کافی تھا۔

ان اسباب کے باعث حضرت خالدؓ کے لئے کامیابی اور کامرانی کی راہ صاف ہوگئی۔ اور مسلمانوں نے قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود مسیلمہ کے عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل کرلی اور مسیلمہ کے فتنے کو نابود کر دیا۔

بنو حنیفہ سے فارغ ہوکر حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ایک وادی میں جسے الوبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مقیم ہوگئے یہیں آپ کو حضرت صدیقؓ کی طرف سے عراق جانے کا اور بلاد فارس کو فتح کرنے کا حکم ملا۔

عراق میں حضرت خالدؓ کی فتوحات

جنگ اُبلہ

۱۱ھ میں جب جزیرہ عرب میں حالات سکون پر آگئے اور مرتدین کا فتنہ فرو ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنی توجہ عراق کی جانب مبذول کی۔ رومی اور ایرانی سلطنتیں رسول اللہ صلعم کے وقت سے ہی اسلامی حکومت کو مٹانے کی فکر میں تھیں، کیونکہ دنیا میں پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب میں ایک طاقت ور اور متحدہ طاقت نشو نما پا رہی تھی، اور یہ امر ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں کیلئے سخت تشویش کا باعث تھا۔ اب تک ایرانی اور رومی سلطنتوں کا عرب پر بے حد اثر و نفوذ تھا اور عرب کی سرحدوں پر جو ایران اور روم سے ملتی تھیں ان سلطنتوں کی باجگزار اور مطیع ریاستیں قائم تھیں، عربوں میں اسلام کے ظہور کے بعد جو تبدیلی رونما ہو چکی تھی، اور جس جوش اور ولولے سے وہ نئے نئے عزائم لیکر اٹھے تھے، یہ دونوں سلطنتیں اسے اپنے لئے موت کے پیغام سے کم نہ سمجھتی تھیں۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد جب ملک عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو ان سلطنتوں نے اس موقع کو اپنے لئے بے حد غنیمت جانا۔ چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں۔

حضرت صدیقؓ بھی ایرانیوں اور رومیوں کے عزائم سے پوری طرح باخبر تھے آپ نے ان گیارہ لشکروں کی روانگی سے جن کا ذکر ابتداء میں آچکا ہے ایک بہادر تجربہ کار اور ماہر شخص مثنیٰ ابن حارثہ کو عراق کی جانب روانہ فرمایا۔ اور انھیں حکم دیا تھا کہ وہ عراق پہنچ جائیں لیکن ایرانی فوجوں سے لڑائی مول نہ لیں۔ بلکہ چھاپے مار کر عراق

رئیسوں کو ڈراتے رہیں تاکہ ان کی فوجوں کو عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

جب ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا تو مثنیٰ بن حارثہ نے حضرت صدیقؓ کو لکھا کہ انکی مدد کیلئے فوج روانہ کی جائے، سواد عراق کو فتح کرنے اور شاہان کسریٰ کی سلطنت کو ختم کرنے کے عظیم الشان کام کیلئے حضرت صدیقؓ کی نظر انتخاب حضرت خالدؓ بن ولید پر پڑی اس زمانے میں حضرت خالدؓ بنو حنیفہ سے فارغ ہو کر وادیٔ الوبر میں مقیم تھے، اور دربار خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے۔[1] ۱۲ محرم ۱۱ھ کو دربار خلافت سے انہیں حکم پہنچا کہ وہ اپنے لشکر کو لیکر زیریں عراق پہنچیں اور اُبلہ کی سرحد سے یلغار شروع کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم کو جو نجد اور یمامہ کی شورشیں فرو کرنے کے بعد نجد میں ہی مقیم تھے، حکم ملا کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ شمالی جانب سے بالائی عراق پر حملہ آور ہوں اور اپنی کارروائی مصیخ[2] سے شروع کریں۔ خالد اور عیاض دونوں کو یہ حکم بھی تھا کہ وہ صرف ان مسلمانوں کو ساتھ لیں جنہوں نے ارتداد میں حصہ نہیں لیا، کسی مرتد کو فوج میں شامل نہ کیا جائے نہ کسی شخص پر جہاد کے سلسلے میں جبر نہ کیا جائے جو لوگ خوشی سے ان کے ہمراہ عراق جانے پر آمادہ ہوں صرف انہیں کو فوج میں شامل کیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی لوگوں نے جو خالدؓ اور عیاض کی فوجوں میں شامل تھے پیچھے رہنے کو ترجیح دی اس پر مجبوراً ان دونوں کو حضرت صدیقؓ سے مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ چنانچہ آپ نے عبد غوث حمیری کو عیاض بن غنم کی امداد کیلئے اور قعقاع بن عمرو کو خالد کی اعانت کیلئے روانہ فرمایا۔ اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اور انہوں نے حضرت صدیقؓ سے عرض کیا کیا آپ ایسے سرداروں کی امداد کے لئے جن کے لشکروں کے اکثر آدمیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے صرف ایک ایک آدمی روانہ کر رہے ہیں؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا جس لشکر

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۱

[2] مصیخ کا شہر حوران اور قلت کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۷۹)

میں ان جیسے اشخاص موجود ہوں وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔[۱]

حضرت خالد نے عراق روانہ ہونے سے پہلے اتمام حجت کیلئے ابلہ کی سرحد کے حاکم ہرمز کو ایک تہدیدی خط روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا: اما بعد فاسلم تسلم اُواعتقد لنفسک وقومک الذمة واقرر بالجزیة والا فلا تلومن الانفسک فقد جئتک بقوم یحبون الموت کما تحبون الحیٰوۃ[۲]

(ہرمز کو واضح ہو کہ اگر آپ لوگ سلامتی چاہتے ہیں تو اسلام لے آئیں۔ اگر اسلام نہیں لا سکتے تو اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر رہنے اور جزیہ دینے کا اقرار کریں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کے مقابلے کیلئے ایک ایسی قوم آ رہی ہے جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔)

حضرت خالد کے ہمراہ دس ہزار فوج تھی، عراق پہنچ کر مثنیٰ بن حارثہ بھی آٹھ ہزار فوج کے ہمراہ آپ سے مل گئے[۳]

دشمن کے قریب پہنچ کر حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا[۴]

---

۱ الطبری جلد ۴ صفحہ ۴ ۔ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ ۲ الطبری جلد ۴ صفحہ ۵

۳ طبری لکھتے ہیں جب حضرت خالدؓ کو عراق پہنچنے کا حکم ملا تو آپ نے چار سرداران عساکر حرملہ، سلمیٰ، مثنیٰ بن حارثہ اور مذعور کو لکھا کہ میں اپنے لشکر سمیت ابلہ پہنچ رہا ہوں آپ بھی اپنے لشکروں کے ہمراہ وہیں پہنچ جائیں، حضرت صدیقؓ نے خالد کو جو حکم بھیجا تھا اس میں یہ ہدایت تھی کہ وہ جب عراق میں داخل ہوں تو اپنی کارروائی کا آغاز سندھ اور ہندوستان کی سرحد سے کریں جو ان دنوں ابلہ تھی خالد اپنے ہمراہ دو ہزار فوج لیکر چلے تھے راستے میں انہوں نے ربیعہ اور مضر کے قبائل میں سے آٹھ ہزار فوج اکٹھی کی۔ مثنیٰ، مذعور، سلمہ اور حرملہ کے ہمراہ آٹھ ہزار فوج تھی، اسطرح اسلامی لشکر کی کل تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی، اسی اٹھارہ ہزار فوج کیساتھ حضرت خالد نے ہرمز کا مقابلہ کیا۔ (الطبری جلد ۴ صفحہ ۵)

۴ الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

اور ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ راستے سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ایک حصے کا سالار مثنیٰ بن حارثہ کو بنایا، دوسرے حصے کی سرداری عدی بن حاتم کو دی اور تیسرے حصے کو اپنے ماتحت رکھا۔ تینوں حصوں کا مقام اجتماع "حفیر" مقرر ہوا چنانچہ ان تینوں حصوں نے دائیں بائیں ایک دن کی مسافت کا فاصلہ دیکر "حفیر" کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

جب ہرمز نے حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سنی تو اس نے فوراً شہنشاہ ایران "اردشیر" کو مدد بھیجنے کیلئے لکھا۔ اور خود اپنے لشکر کو ہمراہ لیکر کاظمہ[1] روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ اسلامی لشکر کا رُخ حفیر کی جانب ہے وہ بلا توقف حفیر[2] روانہ ہوا اور اسلامی فوج سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے لشکر کی تنظیم کی مقدمہ پر دو بھائیوں قباذ اور انوشجان کو مقرر کیا جو اردشیر اکبر کی اولاد میں سے تھے، لشکر کے ایک حصے نے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا۔ تاکہ کچھ بھی ہو وہ میدان جنگ میں ہی جمے رہیں، اور بھاگ نہ سکیں، جب حضرت خالد کو معلوم ہوا کہ ہرمز نے حفیر کا رُخ کیا ہے تو انہوں نے فوج کو کاظمہ کی جانب کوچ کرنیکا حکم دیا لیکن ہرمز وہاں بھی ان سے پہلے پہنچ گیا۔ اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر کے نرم زمین پر ڈیرے ڈال دیئے جب حضرت خالد وہاں پہنچے تو انہیں ایسی زمین پر ڈیرے ڈالنے پڑے جہاں پانی نہ تھا جب لوگوں نے اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا "گھبراؤ مت فریقین میں سے جو بہادر ہوں گے وہی پانی پر قبضہ کریں گے"[3]

---

[1] یہ مقام خلیج فارس کے کنارے بحرین سے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے اور بصرہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے یہاں بے شمار کنوئیں ہیں جن کا پانی بیحد میٹھا ہوتا ہے کئی شاعروں نے اس جگہ کی تعریف کی۔ (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۰۸)

[2] حفیر بابلہ گاؤں کا چشمہ ہے بصرہ سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۹۴)

[3] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خالد نے سب سے پہلے بانقیا، باروسما اور الیس کا قصد کیا تھا لیکن بعض کا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلے آپ ابلہ تشریف لے گئے۔ (باقی صفحہ ۱۳۸ پر)

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے لگے، لڑائی زور شور سے جاری تھی کہ ہرمز نے اپنے لشکر سے باہر نکل کر خالد کو دعوت مبارزت دی حضرت خالد نے یہ دعوت قبول کرلی اور ہرمز کی طرف بڑھے دونوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔

ہرمز کا مقصد حضرت خالدؓ کو دعوت مبارزت دینے سے یہ تھا کہ آپ کو نرغے میں لیکر شہید کر دیا جائے، اس نے اپنی فوج کے چیدہ چیدہ بہادروں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب خالد اس کے مقابلے پر نکل آئیں تو وہ آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیں، چنانچہ جب حضرت خالد اس کے مقابلے کیلئے نکلے تو یہ ایرانی بہادر بھی آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) ہم نے بوجوہ مؤخر الذکر روایت کو ترجیح دی ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اکثر مؤرخین آپ کی فوج کشی کی ابتدا ابلہ ہی سے قرار دیتے ہیں، دوسرے حضرت صدیقؓ کی اس ہدایت سے کہ ہندوستان کی سرحد سے حملہ کا آغاز کیا جائے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اور ایرانی فوجوں کے درمیان پہلا معرکہ ابلہ کے مقام پر ہی ہوا۔ حضرت صدیق کا یہ حکم تھا کہ تم عراق کی طرف کوچ کرو۔ یہاں تک کہ اس کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ۔ اپنا حملہ ہندوستان کی اس سرحد سے شروع کرو جو ابلہ کے قریب ہے (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲) جنگی نقطہ نگاہ سے بھی ابلہ سے کارروائی کا آغاز زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ خالد جیسے بہادر اور جہاندیدہ شخص سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ وہ ایسے مقامات پر حملہ کریں جہاں ان کے عقب کی حفاظت نہ ہو سکتی ہو، اور جہاں وہ بڑی آسانی سے دشمنوں کے نرغے میں آسکتے ہوں اگر آپ بالفرض سے جنگی کارروائی کا آغاز کرتے تو ہرمز جیسا پھرتیلا اور چست چالاک شخص ضرور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر کے انہیں سخت نقصان پہنچاتا۔ آخر الذکر کو مؤرخین کی اس روایت سے دھوکا لگا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ابلہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں عتبہ بن غزوان کے ہاتھوں فتح ہوا اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تب بھی ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ ابلہ پورے طور پر اسلامی فوجوں کے قبضہ میں حضرت عمرؓ کے عہد میں آیا۔ ہماری رائے کی تائید بلاذری بھی کرتے ہیں

(فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵۰)

پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے لیکن اسی اثناء میں آپ نے اپنی تلوار سے ہرمز کا کام تمام کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو اس بات کا موقع دئے بغیر کہ وہ آپ پر حملہ کر سکیں اپنے لشکر میں آگئے۔

قیقاع بن عمر التمیمی نے جب ایرانی سواروں کو بڑھتے دیکھا تو انہوں نے پہلے تو ایک دستہ فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد وہ پورے زور و شور سے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد انہیں شکست فاش دی چنانچہ رات تک تمام میدان بالکل صاف ہو گیا۔

لڑائی کے بعد حضرت خالدؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اور تمام فوج اور اسباب کیساتھ اس جگہ پر آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے یہاں آپ نے قیام کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ کو مفرور ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور معقل بن مقرن المزنی کو ابلہ بھیجا جہاں انہوں نے مال غنیمت اور قیدی اکٹھے کئے آپ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مژدہ فتح کے ساتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور باقی حصہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ حضرت صدیقؓ نے ہرمز کی ٹوپی حضرت خالد کو مرحمت فرمائی۔ یہ ٹوپی جواہرات سے مزین تھی، اور اس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی،

جنگ مذار (الثنی)[1]

جب خالدؓ کے حملے کے متعلق ہرمز کا خط دربار ایران شہنشاہ اردشیر کے پاس پہنچا تو اس نے قارن بن قریانس کو ایک زبردست لشکر دیکر ہرمز کی امداد کیلئے بھیجا۔ قارن مدائن سے چل کر مذار[1] پہنچا تو وہاں سے اسے ہرمز کا ہزیمت خوردہ لشکر ملا۔ باہم مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ اگر اس وقت ایرانی جمعیت منتشر ہو گئی تو

---

[1] مذار ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو علاقہ میسان کا صدر مقام تھا یہ شہر واسط اور بصرہ کے درمیان واقع تھا یہاں حضرت علی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا مزار بھی تھا۔ (معجم البلدان جلد، صفحہ ۴۴۳)

آئندہ کبھی مجتمع نہیں ہو سکے گی۔ اسلئے یہاں مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کرنا چاہیئے چنانچہ لشکر نے مذار کے قریب نہر ثنی کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اور قارن نے انہیں منتظم کرنا شروع کیا۔ اردشیر کے بیٹے قباذ اور انوشجان جو جنگ ابلہ میں شریک تھے، بچ کر نکل آئے تھے انہیں میسرہ اور میمنہ کی کمان سونپ دی۔

حضرت خالدؓ کو قارن کے آنے اور مذار میں جنگی تیاریاں کرنے کی خبر ملی تو آپ بھی فوج کو لیکر مذار روانہ ہوئے، اور نہر کے دوسرے کنارے پر رک کر اپنی فوج کی تنظیم و ترتیب اور صف بندی میں مشغول ہو گئے۔

جب ہر طرح تیاری مکمل ہو چکی تو جنگ شروع ہو گئی۔ ایرانی فوج کا سردار قارن میدان میں نکلا اور دعوت مبارزت دی۔ ادھر سے حضرت خالدؓ اور معقل بن الاعشیٰ اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ معقل بن الاعشیٰ اس کے پاس حضرت خالدؓ سے پہلے پہنچ گئے اور تلوار کے ایک دو واروں ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کا یہ انجام دیکھ کر قباذ اور انوشجان میدان میں نکلے لیکن دونوں کا وہی انجام ہوا جو ان کے سردار قارن کا ہوا تھا۔ قباذ کو عدی بن حاتم نے اور انوشجان کو عاصم بن عمرو نے جہنم واصل کیا۔

اپنے بڑے بڑے بہادروں اور سالاران فوج کو اس بری طرح قتل ہوتے دیکھ کر ایرانی فوج کے چھکے چھوٹ گئے، اور اس میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے مسلمانوں نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایرانی فوج کو گھیر کر قتل کرنا شروع کیا تیس ہزار ایرانی اس میدان جنگ میں کھیت رہے اگر ایرانی فوج کا بیشتر حصہ کشتیوں میں سوار ہو کر نہر کے پار نہ اتر جاتا یا بیچ میں نہر نہ حائل ہوتی تو اس دن ایک ایرانی کا بھی مسلمانوں کے ہاتھوں بچنا محال تھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک ایک سوار کے حصے تیس تیس ہزار درہم

۱؎ قارن دربار ایران کا بہت بڑا اور انتہائی معزز سردار تھا اسکے بعد عجمیوں کا کوئی اور اتنا عظیم المرتبت سردار مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکا (الطبری جلد ۴ صفحہ ۷)

آئے فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے مذار ہی میں قیام کیا اور غنیمت تقسیم کی، غنیمت کا پانچواں حصہ فتح کی خوشخبری کیساتھ سعید بن نعمان کے ہاتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان ابتدائی امور سے فراغت حاصل کر کے آپ نے مفتوحہ علاقے کے بندوبست کی طرف توجہ فرمائی۔ علاقے کے تمام لوگ ذمی قرار پائے اور ان پر جزیہ لگایا گیا۔

جنگ ولجہ[1] جب اردشیر کو مذار میں ایرانی فوج کی حسرتناک شکست کی خبر موصول ہوئی تو اس کی بے چینی کی انتہا نہ رہی اس نے دربار ایران کے ایک اور بڑے سردار اندرزغر کو ایک بھاری لشکر دیکر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے روانہ کیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اندرزغر کے روانہ ہونے کے بعد بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں ایک اور لشکر بھی بھیجا۔ اندرزغر مدائن[2] سے چل کر کسکر[3] پہنچا اور وہاں سے ولجہ بطلنہ ہوگیا۔ بہمن جاذویہ اپنی فوج کو لیکر وسط سواد سے گزرا اور حیرہ اور کسکر کے درمیان جتنے عرب النسل عیسائی باشندے اور کاشتکار (دہاقین) ملے سب کو اپنے ساتھ لیکر ولجہ پہنچ گیا۔ اس طرح اندرزغر کے پاس ایک عظیم الشان لشکر جمع ہوگیا۔ وہ اپنے لشکر کی کثرت پر پھولا نہ سماتا تھا۔

جب خالدؓ کو جو ابھی تک مذار ہی میں قیام پذیر تھے اندرزغر کے ایرانی لشکر کی آمد اور ولجہ میں اس کے پڑاؤ ڈالنے کی خبر ملی تو انہوں نے سوید بن مقرن کو لشکر کے عقب کی حفاظت اور مفتوحہ علاقے کی نگرانی کے لئے مذار میں چھوڑا اور خود

---

[1] ولجہ کاشہر کسکر کے علاقہ میں اس جگہ واقع ہے جو صحرا سے ملحق ہے (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۴۳۳) جنگ ولجہ ۱۲ھ صفر میں ہوئی۔

[2] مدائن، شاہان کسریٰ کا صدر مقام

[3] کسکر، ایک وسیع علاقے کا نام ہے جس کا صدر مقام واسط ہے واسطہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ اور بصرہ سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً پچاس فرسنگ) پر واقع ہے (معجم البلدان جلد، صفحہ ۲۵۱)

اپنے لشکر کو لیکر ولجہ کی جانب روانہ ہوئے، قریب پہنچ کر آپ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو تو انہوں نے دشمن کے مقابلے کے لئے رکھا اور دو حصوں کو قریب کی نشیبی زمین میں چھپا دیا۔ تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جا سکے ان دونوں حصوں کی کمان آپ نے بسر بن ابی رہم اور سعد بن مرہ کے سپرد کی۔

صف بندی کے بعد دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ جب حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ ایرانی فوج میں تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو آپ اپنی اس فوج کو، جو کمین گاہوں میں چھپی ہوئی تھی، میدان جنگ میں پہنچ جانے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ فوج میدان جنگ میں پہنچ گئی اور ایرانیوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ ایرانی اس نئی مصیبت کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے اور حوصلہ ہار بیٹھے حضرت خالد کے دستے نے سامنے سے اور کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دستوں نے پیچھے سے ایرانیوں کو گھیر کر قتل کرنا شروع کیا۔ اندرزغر شکست کھا کر بری طرح بھاگا اور پیاس کے مارے صحرا میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ فتح کے بعد حضرت خالد نے علاقے کے کاشتکاروں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ان سے صرف جزیے کا مطالبہ کیا جسے انہوں نے قبول کر لیا اور واپس اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔

اس جنگ میں قبیلہ بکر بن وائل کے کئی عرب النسل عیسائی بھی مارے گئے تھے جن میں ان کے دو نامور سرداروں، جابر بن بجیرہ اور عبدالاسود عجلی کے بیٹے بھی تھے، اس واقعے نے ان عرب النسل عیسائیوں کو آتش زیر پا کر دیا۔ انہوں نے طیش میں آ کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور دربار ایران سے مدد کیلئے درخواست کی۔

جنگ الیس

عرب عیسائیوں نے اپنا سردار بنو عجلان کے ایک شخص عبدالاسود عجلی کو بنایا تھا۔ دربار ایران سے بہمن جاذویہ کو حکم ملا کہ وہ ایرانیوں کی

بھاری جمعیت کے ساتھ عیسائیوں کی مدد کو پہنچے، چنانچہ وہ فوج لیکر الیس کی جانب روانہ ہوا اور اپنی فوج وہاں کے حاکم جابان کے سپرد کر کے اسے یہ ہدایت کی کہ جہاں تک ہو سکے اس کی واپسی تک جنگ کا آغاز نہ کیا جائے، اور خود شہنشاہ سے مشورے کے لئے مدائن روانہ ہو گیا۔

جب حضرت خالدؓ کو یہ خبر ملی کہ بنو عجل، بنو تمیم، بنو ضبیعہ اور دیگر عربی النسل عیسائی ان کے مقابلے کیلئے الیس میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ بھی اپنی فوج کو لیکر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے! انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ عیسائیوں کی مدد کے لئے جابان کی سرکردگی میں ایرانیوں کا لشکر بھی ان کے مقابلے کے لئے موجود ہے، آپ نے آتے ہی لڑائی چھیڑ دی چونکہ عیسائیوں کو یہ یقین تھا کہ جابان کی فوج ان کی مدد کے لئے تیار ہے اور بہمن جاذویہ بھی ایک بھاری جمعیت کیساتھ ان کی مدد کو پہنچنے والا ہے اس لئے وہ نہایت دلجمعی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے کچھ دیر تو وہ نہایت پامردی سے مقابلے میں جمے رہے لیکن جب مسلمانوں کا دباؤ بے حد بڑھ گیا۔ تو انہوں نے اپنی مدد کے لئے جابان کی فوج کی طرف نظر کی لیکن جابان کی فوج اپنے سردار کی اس ہدایت کے بموجب، کہ جب تک بہمن واپس نہ پہنچ جائے وہ لڑائی میں شرکت نہ کریں، نہایت اطمینان سے دستر خوان کھولے کھانا کھانے میں مشغول تھی۔ اور لڑائی کی طرف اس کی مطلق توجہ نہ تھی یہ منظر دیکھ کر عیسائی فوج گھبرا گئی

حضرت خالدکی دوربین نظر نے صورت حال کا جائزہ لیا اور موقع غنیمت جان کر نہایت جوش و خروش سے حملہ کر دیا۔ عیسائی اس حملے کی تاب نہ لاسکے اور بری طرح پسپا ہونے لگے، حضرت خالد نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ دشمنوں کو زندہ گرفتار کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور گرفتار شدگان کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس معرکے میں ستر ہزار عیسائی اور ایرانی قتل ہوئے اور تمام نہر خون سے بھر گئی۔ لڑائی کے بعد حضرت خالد نے مژدہ فتح کے ساتھ غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں بھیجدیا۔ ساتھ ہی بنو عجلان کے

ایک شخص "جندل" کو بھی روانہ فرمایا۔ تاکہ اس شخص کی زبانی حضرت صدیقؓ کو ان تمام کارناموں کی مصدقہ اطلاع مل سکے جو آپ نے میدان جنگ میں انجام دئے تھے۔
یہ امر قابل ذکر ہے کہ مندرجہ بالا تمام لڑائیاں صفر ۱۲ھ میں ہوئیں سوائے جنگ ابلہ کے جو محرم ۱۲ھ میں ہوئی تھیں،

فتح امغیشیا

الیس کے معرکے سے فارغ ہونیکے بعد حضرت خالدؓ امغیشیا کی جانب بڑھے وہاں کے باشندے خالد کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گئے اور جدھر جس کا سینگ سمایا چل دیا۔ خالد نے امغیشیاء پہنچ کر اسے اور تمام بستیوں کو جو اس کے اردگرد تھیں مسمار کرنے کا حکم دیا۔ امغیشیاء کا شہر حیرہ کے ہم پلہ تھا اور الیس کے قریب واقع تھا۔ اس شہر سے مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت حاصل ہوا کہ جنگ ذات السلاسل (ابلہ) کے بعد حاصل نہیں ہوا تھا۔ مال غنیمت میں ہر سوار کو ۱۵۰۰ درہم ملے دیگر فوجیوں کو جو حصے ملے وہ اس کے علاوہ ہیں جب مال غنیمت کا پانچواں حصہ، فتح کی خوشخبری اور خالد کے عظیم کارناموں کی خبر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہنچی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے معشر قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا۔ اور اس کی کچھار میں گھس کر اسکو مغلوب کر لیا۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں[1]
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے دل میں حضرت خالد کی تھی اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خالدؓ کو اپنے فن میں یگانۂ روزگار سمجھتے تھے، امغیشیا کی فتح کو دراصل حیرہ[2] کی تسخیر کی ابتدا سمجھنا چاہیئے

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۱

[2] کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک شہر حیرہ کے قریب بجانب شرق ایک میل کے فاصلے پر شاہ نعمان کا مشہور و معروف محل خورنق بنا ہوا تھا معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۷۶)

جنگ حیرہ

امغیشیا کے بالکل قریب حیرہ کا شہر تھا۔ وہاں کے حاکم (مرزبان) ارازبہ کو جب حضرت خالدؓ کی عظیم الشان فتوحات کا حال معلوم ہوا جو انہیں الیس اور امغیشیا میں حاصل ہوئی تھیں تو اس نے سوچا تھا کہ اب اس کی باری ہے خالدؓ اسے کسی طرح نہیں چھوڑیں گے، اس متوقع خطرے کے پیش نظر اس نے جنگ کی تیاری کرنی شروع کی۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لڑکے کو اسلامی فوجوں کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ اور خود بھی شہر سے نکل کر باہر ڈیرے لگا دئے، اس کے بیٹے نے اس کے حکم کے مطابق دریائے فرات پر بند باندھ کر اسکا پانی روک لیا اور سارا پانی دریا سے نکلنے والی نہروں میں چھوڑ دیا۔

حضرت خالدؓ ارازبہ کی فوج کشی کا حال سن کر امغیشیا سے چلے دریائے فرات پر پہنچ کر تمام اسلامی فوج کشتیوں میں سوار ہوئی اور تمام سامان حرب اور غنیمتیں جو انہیں پچھلی جنگوں میں حاصل ہوئی تھیں کشتیوں میں بھر لیں۔ اس اثناء میں ایرانیوں نے دریائے فرات کا رُخ تبدیل کر دیا اور مسلمانوں کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس کر رہ گئیں حضرت خالدؓ نے یہ دیکھ کر کشتیوں کو ساز و سامان سمیت وہیں چھوڑا اور خود فوج کو لیکر نہایت پھرتی سے ارازبہ کے بیٹے کی طرف بڑھے جو دریائے فرات کے دھانے پر کھڑا پانی کا رخ تبدیل کرنے کے کام کی نگرانی کر رہا تھا مسلمانوں نے پہنچتے ہی اس پر اور اسکی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابن ارازبہ اس ناگہانی حملے کیلئے قطعاً تیار نہ تھا کہ مسلمان یکایک اس تک پہنچ جائیں گے حملہ اسقدر اچانک ہوا تھا کہ ابن ارازبہ اور اس کی فوج کا کوئی شخص زندہ بچ نکل نہ جا سکا۔ سب وہیں ڈھیر کر دئے گئے، اور مسلمانوں نے دریائے فرات کا بند توڑ کر پانی کو دوبارہ جاری کر دیا۔

اس دوران میں شہنشاہ اردشیر کا انتقال ہو گیا۔ ارازبہ حاکم حیرہ کو اپنے بیٹے کے قتل اور اردشیر کی وفات کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ حضرت خالد کے آنے سے پیشتر بھاگ جائے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر حضرت خالد اپنی فوج لیکر حیرہ کی جانب بڑھے اور خورنق سے آگے

گزر کر عزیبن اور قصر ابیض (وہ جگہ جہاں ازدبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا) کے درمیان ڈیرے ڈال دئیے۔ اہالیان حیرہ اپنے قلعوں اور محلات میں محصور ہو کر بیٹھ گئے حضرت خالدؓ نے ان قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر لیا[1] جب یہ لوگ کسی طرح صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت خالدؓ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر ایک دن کے اندر اندر انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے نہ کیا تو ان کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔ لیکن ان لوگوں نے بجائے صلح کی بات چیت کرنے کے اسلامی فوجوں پر سنگ باری شروع کر دی مسلمانوں نے بھی جواب میں ایرانیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرنی شروع کی۔ سب سے پہلے ضرار بن الازور نے لڑائی شروع کی ان کے بعد باقی سرداروں نے بھی ان کی پیروی اختیار کی۔ تیروں کی بوچھاڑ سے ایرانیوں کے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اہل حیرہ بہت گھبرائے۔ شہر کے پادریوں اور راہبوں نے ایرانیوں کے سرداروں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی ساری کی ساری ذمہ داری تم پر ہے خدا کے لئے سنگ باری بند کر دو اور لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ ناچار قلعوں اور محلات کے سرداروں نے صلح پر آمادگی ظاہر کر دی انہوں نے اسلامی فوج کے سرداروں کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی پیش کردہ تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اس لئے براہ کرم لڑائی بند کر دیں، اور اپنے سپہ سالار کو اس کی اطلاع دیدیں چنانچہ لڑائی بند کر دی گئی۔

---

[1] قصر ابیض کے محاصرے کا انتظام ضرار بن الازور کے سپرد تھا۔ اس قلعے میں ایاس بن قبیصہ الطائی اپنی فوج کو لئے ہوئے موجود تھا۔ قصر العدسیین کا محاصرہ ضرار بن خطاب نے کر رکھا تھا۔ اس میں عدی بن عدی موجود تھا قصر بنی مازن کا محاصرہ ضرار بن مقرن المزنی کے سپرد تھا اسمیں ابن اکال اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا قصر ابن بقیلہ کا محاصرہ مثنیٰ بن حارثہ نے کیا ہوا تھا اسمیں عمرو بن عبدالمسیح محصور تھا (الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۲)۔

اپنے وعدے کے مطابق سرداران حیرہ، ایاس بن قبیصہ طائی، عدی بن عدی، ابن اکال اور عمرو بن عبدالمسیح اپنے اپنے قلعوں سے نکل کر معززین شہر کے ہمراہ اسلامی فوج کے سرداروں کے پاس پہنچے جنہوں نے انہیں حضرت خالد کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرت خالد باری باری ہر قلعے کے لوگوں سے ملے اور انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا: تم پر افسوس! تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا کہ ہم سے مقابلہ کیا۔ اگر تم عرب ہو تو کس چیز نے تمہیں اپنے ہی ہم قوم لوگوں کا مقابلہ کرنے پر ابھارا؟ اور اگر عجمی ہو تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے مقابلے میں جیت جاؤ گے جو عدل و انصاف کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی[1]۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا! ہم تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتے ہیں ان میں سے تمہیں ایک نہ ایک بات قبول کرنی ہو گی۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر یہ بات قبول نہیں کر سکتے تو جزیہ ادا کرنے کا اقرار کرو۔ اگر یہ دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں تو پھر دو بدو لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ ہم تمہارے مقابلے کیلئے ایک ایسی فوج کو اپنے ہمراہ لائے ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے۔ مذکورہ سرداروں نے جزیہ دینا قبول کیا ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر اہل حیرہ سے صلح ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے صلحنامہ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا۔ صلح نامے کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالدؓ بن ولید نے سرداران حیرہ عدی بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیرہ بن اکال سے کیا ہے اہل حیرہ نے اس عہد نامے کو قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کیلئے مجاز گردانا ہے۔ عہدنامے کے مطابق اہل حیرہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ یہ جزیہ ان کے قسیسین (پادریوں) اور راہبوں سے بھی لیا جائے گا۔

---

[1] حضرت خالد کے یہ الفاظ انکی بے نظیر سیاست پر دلالت کرتے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بے مثل سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر سیاستدان بھی تھے؟

البتہ محتاجوں، اپاہجوں اور تارک الدنیا راہبوں کو معاف ہوگا۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی۔ اگر وہ حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو جزیہ نہ لیا جائے گا۔ اگر قول یا فعل کے ذریعے بدعہدی کی گئی تو یہ ذمہ داری ختم سمجی جائے گی۔ یہ معاہدہ ماہ ربیع الاوّل ۱۲ھ میں لکھا گیا[1]

اہل حیرہ نے جزیے کے علاوہ حضرت خالد کو کچھ تحفے بھی دیئے، جو آپ نے مال غنیمت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیج دیئے، آپ نے حضرت خالد کو کہلا بھیجا کہ اگر یہ تحفے جزیے میں شامل ہیں تو خیر ورنہ انہیں جزیے کی رقم میں شامل کر کے باقی رقم اہل حیرہ کو واپس کر دو۔

ان واقعات کے ضمن میں ایک پرلطف واقعے کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا شویل نامی ایک شخص نے رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے مسلمانوں کو حیرہ کی فتح کی خوشخبری دیتے سنا اس نے آپ سے درخواست کی کہ حیرہ فتح ہونے پر مجھے کرامہ بنت عبدالمسیح عطا کر دی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر حیرہ الطائی کے بعد فتح ہوگیا تو تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی جب حضرت خالدؓ نے حیرہ فتح کر لیا اور اس کے سرداروں کو صلح نامے کی تکمیل کے لئے اپنے پاس بلایا تو شویل نے آپ کو رسول اللہؐ کا وعدہ یاد دلایا۔ کچھ لوگوں نے گواہی بھی دی کہ واقعی رسول اللہؐ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ کرامہ تمہاری ہے۔ چنانچہ حضرت خالد نے صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی پیش کی کہ کرامہ، شویل کے سپرد کر دی جائے، کرامہ کے خاندان اور باقی قوم کو یہ شرط بڑی گراں گزری۔ لیکن کرامہ نے ان سے کہا کہ تم فکر نہ کرو، اور صبر سے کام لو، جس عورت کی عمر اسی سال کی ہو چکی ہے اس کے متعلق تمہیں کیا خوف ہے۔ اس احمق نے مجھے میری جوانی میں دیکھا تھا۔ اور اس کا خیال ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ چنانچہ کرامہ کے کہنے پر اس کے رشتہ داروں نے اسے حضرت

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۴۱۔

خالدؓ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت خالد نے اسے شویل کے حوالے کر دیا۔ کرامہ نے شویل سے کہا کہ ایک بڑھیا تمہارے کس کام آ سکتی ہے بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے رہا کر دو۔ شویل نے کہا اچھی بات ہے لیکن رقم معیّن کرنیکا اختیار مجھے ہو گا۔ جتنی رقم میں چاہوں گا معین کروں گا۔ کرامہ نے یہ بات منظور کر لی۔ شویل نے کہا کہ میں اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوں اگر تم سے ایک ہزار درہم سے کم وصول کروں۔ کرامہ نے شویل کو دھوکہ دینے کیلئے کہا یہ رقم تو بہت زیادہ ہے تاہم میں اپنے رشتہ داروں کو کہلواتی ہوں شاید وہ اس رقم کا انتظام کر سکیں چنانچہ اس نے اپنے رشتہ داروں کے پاس پیغام بھیجا کہ شویل ایک ہزار درہم لے کر مجھے رہا کرنے کو تیار ہے یہ رقم بھیج کر مجھے رہا کرالو۔ انہوں نے فوراً ایک ہزار درہم بھیج دیئے اور کرامہ کو رہا کر دیا۔ جب لوگوں کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے شویل کو بہت برا بھلا کہا۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے کیا پتہ۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار سے اوپر کوئی عدد ہوتا ہی نہیں۔ وہ حضرت خالد کے پاس آیا۔ اور سارا ماجرہ آپ سے عرض کیا۔ کہ کس طرح لاعلمی میں اس نے ایک ہزار درہم کے بدلے کرامہ کو رہا کر دیا۔ اور اب اسے معلوم ہوا کہ عدد ایک ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے۔ حضرت خالد نے فرمایا۔ "تم کچھ چاہتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا۔ ہم تو ظاہر پر عمل کریں گے، تم جانو تمہاری نیت جانے، خواہ تم نے لاعلمی میں یہ بات کہی یا جان بوجھ کر۔ اب ہم اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے"[1]

اہل حیرہ سے صلح ہو جانے کے بعد دیر ناطف کے پادری کا نمائندہ صلوبا[2] بن نسطونا حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے بانقیا اور بارد سما کے قصبات کے متعلق مصالحت کی۔ اس نے ان دونوں قصبوں اور ان کی اس ساری

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۔

[2] یاقوت معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے باقاعدہ حضرت خالدؓ (باقی صفحہ ۱۵۰ پر)

اراضی کے لگان کی ذمہ داری قبول کرلی۔ جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھی کسریٰ کے موتیوں کے علاوہ اس نے اپنی ذات، خاندان اور قوم کی طرف سے دس ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا جو حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ معاہدہ خالد بن ولید کی طرف سے سلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کیلئے لکھا جاتا ہے اس معاہدے کے مطابق تم سے دس ہزار درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا۔ کسریٰ کے موتی اس کے علاوہ ہوں گے یہ رقم مستطیع اور کمانیوالے افراد سے ان کی آمدن اور حیثیت کے موافق سالانہ وصول کی جائے گی اس جزیے کے بدلے مسلمانوں کی طرف سے بانقیا اور باروسما کی بستیوں کی حفاظت کی جائے گی۔ تمہیں اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے جسے تمہاری قوم قبول کرتی ہے اس معاہدے پر میں اور میرے ساتھ کے سب مسلمان رضامند ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں۔ آج سے تم ہماری حفاظت میں داخل ہو۔ ہم پر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ ہم اسی صورت میں جزیہ لینے کے حقدار ہوں گے کہ تمہاری حفاظت سے عہدہ برآ ہوں۔ اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکے تو جزیے کے حقدار نہ ہوں گے اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ الحمیری اور حنظلہ بن عبداللہ الحمیری اور حنظلہ بن ربیع ہیں اور یہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) کا مقابلہ کیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان میں لڑنے کی طاقت نہیں تو مجبوراً صلح کی پیشکش کی۔ بشر ابن الازور نے اس واقعے کے متعلق ایک شعر بھی کہا۔

أرقت ببانقيا ومن يلق مثل ما

لقيت ببانقيا من الحرب يأرق

(میری نیند اچاٹ ہو گئی ہے اور جو بھی شخص ان جیسے حالات کو دیکھے گا جو میں نے بانقیا میں دیکھے اس کی نیند اچاٹ ہو جائیگی) بانقیا کوفہ کے نواح میں ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۵)

[1] (الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۶)۔

عراق کے زمیندار اس انتظار میں تھے کہ اہل حیرہ کے ساتھ کیا وقوع میں آتا ہے جب انہوں نے دیکھا کہ اہل حیرہ نے حضرت خالد کی اطاعت قبول کر لی اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مصالحت کی درخواست کی۔ فلالیج سے ہرمز جرد تک کے علاقے کے لئے بیس لاکھ درہم پر مصالحت ہوئی [1]۔ مصالحت میں یہ بھی طے پایا کہ آل کسریٰ کی تمام املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ ان لوگوں کے لئے جو صلحنامہ لکھا گیا وہ ذیل میں درج ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید کی طرف سے زاد بن بہیش اور صلوبا بن نسطونا سے کیا گیا۔ اس عہد نامے کی رو سے تم پر جزیہ عاید کیا جاتا ہے اس کے بدلے ہم تمہاری جان و مال کے ذمہ دار ہوں گے تمہیں بھقباذ زیریں اور بھقباذ اوسط کے باشندوں کا نقیب بنایا جاتا ہے، ان لوگوں سے بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا۔ جس کی وصولی کے ذمہ دار تم ہو گے۔ یہ جزیہ مستطیع اور صاحب مقدرت لوگوں سے لیا جائے گا۔ بانقیاہ اور بارو سما کے محاصل کی رقم اس جزیے کے علاوہ ہے۔ آل کسریٰ اور جو لوگ ان کے ساتھ چلے گئے ہیں ان کی املاک کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی میں نے اور مسلمانوں نے نیز بھقباذ زیریں اور بھقباذ اوسط کے باشندوں نے یہ شرط تسلیم کر لی ہیں۔ اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ الحمیری، بشیر بن عبید اللہ بن خصاصیہ اور حنظلہ بن ربیع

---

[1] وہ علاقہ جو زیریں فرات سے دو شاخوں کے درمیان واقع تھا اور جس کے مشرق میں نہر سورا اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا۔ بالائی اور زیریں فلوجہ کے علاقے کہلاتے تھے، ان کے جنوب میں فرات کا اصلی دھارا القنطرہ کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا اور یہیں سے نہر بدات کوفہ تک جاتی تھی۔ (جغرافیہ خلافت مشرقی مؤلفہ جی۔ لی اسٹرینج صفحہ ۷۴) ہرمز جرد، عراق کے آخری سرے پر ایک علاقہ کا نام ہے (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۴۶۰)

ہیں اور یہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا"۔[۱]

حضرت خالد نے اعراق کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا۔ آپ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور فوجی علاقے کا دارالحکومت بنایا۔ اب یہ ضروری ہو چکا تھا کہ مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے، اور وہ شہری نظام جو جنگی کارروائیوں کی وجہ سے درہم برہم ہو چکا تھا دوبارہ قائم کیا جائے اس غرض سے حضرت خالد نے مختلف علاقوں میں امراء مقرر کر کے بھیجے جن کے سپرد امن امان اور شہری نظام بحال کرنے کے علاوہ خراج کی وصولی اور سرحدوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کام بھی تھا۔

حضرت خالد کے عمال اور امراء خراج کی وصولی کیلئے آپ نے مندرجہ ذیل عمال مقرر کیئے۔ فلالیج کے بالائی علاقے پر عبداللہ بن وشیمہ النصری کو مقرر کیا۔ بانقیا اور بسما پر جریر بن عبداللہ کا تقرر کیا۔ نہر پر بشیر بن خصاصیہ کو، تستر پر سوید بن مقرن مزنی کو، اور رزومستان پر أط بن ابی أط کو مقرر کیا گیا[۲]

سرحدوں کی حفاظت کیلئے مندرجہ ذیل امراء کا تقرر کیا۔

ضرار بن الازور، ضرار بن خطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مقرن، قعقاع بن عمرو، بسر بن ابی رہم اور عتیبہ بن نہاس یہ لوگ سیب[۳] کی سرحدی چھاؤنی پر پہنچ کر

---

[۱] اس معاہدے اور اس سے پہلے معاہدے کی تاریخیں ماہ صفر غلط لکھی گئی ہیں کیونکہ یہ دونوں معاہدے فتح حیرہ کے بعد ہوئے اور فتح حیرہ ربیع الاول میں ہوئی تھی معلوم یہ ہوتا ہے کہ تاریخوں کی تحریر صلح کرنیوالوں کی طرف سے نہیں بلکہ بعد میں آنیوالے راویوں کی طرف سے ہوئی کیونکہ اس زمانے میں معاہدوں کیساتھ تاریخیں لکھنے کا دستور نہ تھا

[۲] اس انتظام کے باعث تمام علاقوں کا خراج پچاس دن کے اندر اندر حضرت خالد کے پاس پہنچ گیا

[۳] سیب سواد کوفہ میں ایک علاقہ ہے اسی نام کی ایک نہر بھی ہے جو بصرہ کے قریب بہتی ہے (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۹۰)

مملکت کی سرحد کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے حضرت خالدؓ نے انہیں حکم دیا کہ دشمن پر یورش کرتے رہو اور انہیں چین نہ لینے دو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔

امراء اور عمال کے تقرر سے فارغ ہو کر آپ نے مزید خونریزی روکنے اور اہل فارس پر اتمام حجت کے خیال سے انہیں آخری تنبیہ کرنا ضروری سمجھا آپ نے دو آدمی بلائے ایک کا نام مرّہ تھا اور دوسرے کا ہزقیل۔ انہیں آپ نے دو خط دیئے ایک خط خواص کے نام تھا اور دوسرا عوام کے نام۔ مرہ حیری کو آپ نے ملوک فارس کی طرف بھیجا اور فرمایا: یہ خط لو اور اسے ملوک فارس کے پاس پہنچا دو۔ خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ یا تو وہ ان کے عیش و آرام کو تلخ کر دیگا یا وہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے، یا ہم سے مصالحت کرلیں گے: خط کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم: یہ خط خالد بن ولید کی جانب سے ملوک فارس کے نام ہے، خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا نظام درہم برہم کر دیا۔ تمہارے مکر و فریب کو ناکام کر دیا۔ اور تم میں اختلافات پیدا کر دئیے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس میں تمہارا ہی نقصان تھا۔ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہماری اطاعت قبول کرلو اگر ایسا کرو گے تو ہم تمہیں اور تمہارا علاقہ چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں گے، ورنہ تمہیں ایک ایسی قوم کے سامنے مغلوب ہونا پڑے گا جو موت کو اس سے زیادہ پسند کرتی ہے جتنا کہ تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

ہزقیل کو جو خط آپ نے دیا وہ سرداران فارس کے نام تھا اس خط میں آپ نے لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم: یہ خط خالد بن ولید کی طرف سے سرداران فارس کے نام ہے تم لوگ اسلام قبول کرلو۔ سلامت رہو گے۔ یا جزیہ ادا کرو۔ ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے ورنہ یاد رکھو کہ میں نے ایسی قوم کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے جو موت کی اتنی ہی فریفتہ ہے جتنے تم شراب نوشی کے [1]

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۸

اس زمانے میں جب مسلمان دجلہ کے اُس طرف فتح پر فتح حاصل کرنے میں مصروف تھے اہل فارس اردشیر کی وفات کے باعث اندرونی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے، تخت ایران پر قبضہ کرنے کی خاطر جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔ اگرچہ حضرت خالد سے جنگ کرنے کے متعلق سب متحد و متفق تھے، مگر لڑائی کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے، ایک سال تک ان کی یہی کیفیت رہی اور مسلمان دجلہ تک سواد عراق پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ اور حیرہ سے دجلہ تک اہل فارس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ نہ اس کے علاقے کے لوگ ذمی ہی بنے سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے باقاعدہ معاہدے کر لئے تھے، باقی اہل سواد یا تو جلاوطن تھے یا کہیں کہیں بند ہو کر مسلمانوں سے حرب و پیکار میں مصروف تھے اس عرصے میں اہل فارس نے بہرسیر[1] پر تو مدافعت کی لیکن باقی عرصہ بادشاہ بنانے اور معزول کرنے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ جب حضرت خالدؓ کا خط ان کے پاس پہنچا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اور انہوں نے اختلافات اور تنازعات ختم کرنے کا فیصلہ کیا اس فیصلے کے مطابق انہوں نے بالاتفاق فرخ زاد بن بندوان کو (جو شاہی خاندان سے تھا) عارضی طور پر اسوقت تک سلطنت کا نگران مقرر کر دیا۔ جب تک آل کسریٰ میں سے کسی شہزادے کی بادشاہی پر سب متفق نہ ہو سکیں۔

ادھر جب حضرت خالد کو مفتوحہ علاقوں اور سرداروں کی حفاظت کے انتظامات سے متعلق پورا اطمینان ہو گیا تو وہ قعقاع بن عمرو کو حیرہ میں اپنا نائب مقرر کر کے خود عیاض بن غنم کی مدد کے لئے روانہ ہوئے جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بالائی عراق فتح کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا تھا۔ مقدمۃ الجیش پر الاقرع بن حابس متعین تھے، حیرہ سے چل کر حضرت خالدؓ سب سے پہلے فلوجہ پہنچے اور وہاں سے کربلا[2] گئے۔ کربلاء کی فوجی چوکی پر عاصم بن عمرو متعین تھے یہاں آپ نے کچھ روز

---

[1] بہرسیر، سواد بغداد میں مدائن کے قریب ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

[2] کربلا وہ مقام ہے جہاں حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے یہ بستی صحرا کی جانب واقع ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۴۱)

قیام فرمایا۔ اس کے بعد کوچ کا حکم دیا۔ اور انبار پہنچے!

جنگ انبار[1]

جب اہل انبار کو حضرت خالدؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے شہر کے اردگرد خندق کھود کر قلعے کے دروازے بند کر لئے اور اس طرح اپنے آپ کو نہایت محفوظ سمجھتے ہوئے بند ہو کر بیٹھ رہے حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کیساتھ ساتھ ہی وہاں پہنچے خندق کے کنارے کنارے آپ نے قلعے کا ایک چکر لگایا۔ اور جنگ شروع کر دی آپ کی عادت تھی کہ جہاں کہیں جنگ کا موقع نظر آتا آپ سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے اپنے تیر اندازوں کو کہا؛ جو لوگ ہمارے مقابلے پر متعین ہیں وہ میرے خیال میں اصول جنگ سے واقف نہیں اس لئے تم تاک تاک کر ان کی آنکھوں کو نشانہ بناؤ۔ چنانچہ تیر اندازوں نے ایسا ہی کیا اور ایک ہی دن دن میں دشمنوں کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بیکار کر کے رکھ دیں ایک شور مچ گیا کہ اہل انبار کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اہل انبار کا سپہ سالار ساباط کارمیس شیرزاد تھا جو بڑا عقلمند اور عرب و عجم میں بڑا ہر دلعزیز تھا۔ اس نے حضرت خالدؓ سے صلح کی بات چیت شروع کی۔ لیکن شرائط ایسی پیش کیں جو حضرت خالدؓ کو منظور نہ تھیں چنانچہ صلح کی بات چیت ناکام ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت خالد فوج لیکر ایسے مقام پر آئے جہاں خندق بہت تنگ تھی آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے مریض اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دئے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اونٹ ذبح کر کے خندق میں پھینک دئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان لاشوں سے ایک حصہ پٹ گیا اور ایک پل سا بن گیا۔ حضرت خالدؓ فوج لیکر خندق کے پار ہو گئے۔ اور دشمنوں کو قلعے کے اندر پسپا ہونا پڑا۔ یہ

---

[1] انبار، بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے واقع ہے (معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۴۱)۔

حالت دیکھ کر شیرزاد نے دوبارہ صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اور یہ پیشکش کی کہ اگر ان کی جان بخشی کر دی جائے تو وہ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ جن کے پاس سامان وغیرہ کچھ نہ ہوگا خالی ہاتھ شہر سے باہر نکل جائے گا۔ حضرت خالدؓ نے یہ پیشکش قبول کر لی اور شیرزاد شہر سے نکل گیا۔ شہر پر مسلمان قابض ہو گئے اور انبار کے نواحی علاقے کے لوگوں نے حضرت خالدؓ سے مصالحت کر لی۔

خالدؓ کا مقدمۃ الجیش کی خود قیادت کرنا کمزور مقامات کی چھان بین کرنے کے لئے خندق کے گرد چکر لگانا، چکر لگانے کے فوراً بعد لڑائی شروع کر دینا لڑائی شروع ہونے کے معاً بعد یہ معلوم کر لینا کہ دشمن کے فنون حرب سے قطعاً ناواقف ہے پھر ان تمام باتوں کے باوجود لڑائی میں کوئی ناجائز حربہ یا حیلہ استعمال نہ کرنا، یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت خالدؓ کو کس درجہ جنگی مہارت حاصل تھی۔

جب حضرت خالدؓ انبار سے فراغت حاصل کر چکے تو آپ نے شہر انبار میں زبرقان بن بدر کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود عین التمر کا رخ کیا۔

جنگ عین التمر[1] عین التمر میں اس وقت مہران بن بہرام جوبین عجمیوں کی ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ موجود تھا عقہ بن ابی عقہ بھی وہیں مقیم تھا اور اس کے ساتھ نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ عربی النسل عیسائی قبائل کی ایک بہت بڑی جماعت تھی، جب ان لوگوں کو حضرت خالدؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو عقہ نے مہران سے کہا۔ "عرب، عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں، اس لئے تم ہمیں مسلمانوں سے نپٹ لینے دو۔" مہران نے جواب دیا تم ٹھیک کہتے ہو۔ عربوں کے ساتھ لڑنے میں تم ایسے ہی ماہر ہو جتنے ہم عجمیوں سے لڑنے میں ماہر ہیں" اس طرح مہران نے عقہ کو خود فریبی میں مبتلا کر کے اپنے آپ کو جنگ کی مصیبت سے بچا لیا اور اس

---

[1] عین التمر کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب صحرا کی جانب ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۲۵۶)۔

سے کہا تم مسلمانوں سے لڑو، اگر ہماری ضرورت ہوگی تو ہم بھی میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے،،

عجمی عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے۔ مہران کی یہ باتیں سن کر انہوں نے اس سے پوچھا "تم نے اس کتے (عقہ) سے مدد کا وعدہ کیوں کیا؟ مہران نے کہا تم میری بات میں دخل نہ دو۔ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری بہتری کے لئے کیا ہے، اس وقت تمہارے مقابلے کے لئے ایک ایسا شخص آرہا ہے جس نے تمہارے بادشاہوں کو قتل اور تمہاری سلطنت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے میں نے ان عربوں کے ذریعے تمہارا بچاؤ کیا ہے اگر یہ لوگ خالد کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہو گا۔ اور فتح تمہاری ہی گردانی جائے گی، لیکن اگر یہ لوگ شکست کھا گئے تو ہماری تازہ دم فوج تھکے ماندے مسلمانوں کو آسانی سے شکست دے سکے گی،،

مہران کی یہ دلیل سن کر عجمی فوج مطمئن ہو کر قلعے میں چلی گئی۔ عقہ آگے بڑھ کر حضرت خالد کے راستے میں حائل ہو گیا۔ اس کے اور مہران کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی، جب حضرت خالدؓ پہنچے تو عقہ اپنی فوجوں کی صف آرائی کر رہا تھا۔ حضرت خالد نے آتے ہی عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور نہایت پھرتی سے کمند ڈال کر عقہ کو اپنے لشکر میں گھسیٹ لائے، اپنے سردار کا یہ حال دیکھ کر دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور اسے بھاگتے ہی بن پڑی مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا۔

جب مہران کو اس واقع کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کو لیکر قلعے سے بھاگ گیا عقہ کا شکست خوردہ لشکر بھاگتا ہوا قلعے میں پہنچا اور اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا حضرت خالد نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ عقہ بھی بحالت اسیری آپ کے ساتھ تھا۔ دشمن یہ سمجھتا تھا کہ حضرت خالد لٹیروں کی طرح ہوں گے اور اگر انہیں کچھ مال و دولت کا لالچ دیا جائے تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے

لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کس طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تو انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیئے حضرت خالد نے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اب حضرت خالدؓ نے عقہ کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ تاکہ تمام قیدی زندگی سے مایوس ہو جائیں، چنانچہ عقہ کو قتل کر کے اس کی لاش پل پر پھینک دی گئی اس کے بعد حضرت خالد نے تمام قیدیوں کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا چنانچہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور قلعے کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔

اس قلعے میں ایک گرجا تھا جس میں چالیس لڑکے انجیل کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، حضرت خالدؓ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم اس کلیسا کیلئے وقف ہیں؛ آپ نے ان لڑکوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ ان لڑکوں میں سے بعض مثلاً سیرین ابو محمد بن سیرین عثمان کے غلام حمران اور نصیر ابو موسیٰ بن نصیر، عظیم شہرت کے مالک ہوئے اور انہوں نے اسلامی سلطنت کے استحکام کیلئے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔

حضرت خالد نے ولید بن عقبہ کو خمس (غنیمت کا پانچواں حصہ) دیکر فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت صدیقؓ نے ولید کو عیاض بن غنم کی مدد کیلئے بھیجا۔ اسوقت عیاض بن غنم نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جواباً اہالیان دومۃ الجندل نے عیاض بن غنم کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اور عیاض کا راستہ مسدود کر رکھا تھا۔ ولید نے عیاض سے کہا؛ بعض حالات میں عقل کی ایک بات ایک زبردست لشکر سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے اگر تم میری مانو تو خالد کے پاس آدمی بھیج کر ان سے استعانت چاہو۔ عیاض نے ولید کی بات مان لی۔ اور خالد سے امداد طلب کی عیاض کا قاصد حضرت خالد کے پاس اسوقت پہنچا جب آپ عین التمر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے جواب لکھا:

"خالد بن ولید کی جانب سے عیاض کے نام۔ میں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں تمہارے پاس اونٹنیاں آنیوالی ہیں۔ جن پر کالے زہریلے ناگ سوار ہیں۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے اور دستے ہیں۔

حضرت خالد نے عویم بن کاہل اسلمی کو عین التمر میں اپنا نائب مقرر کیا اور اپنی فوج کو لیکر دومۃ الجندل روانہ ہو گئے،

جنگ دومۃ الجندل[۱]

جب اہل دومۃ الجندل کو حضرت خالدؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے بہراء، کلب غسان، تنوخ اور ضجاعم کے قبیلوں سے کمک طلب کی۔ سب سے پہلے ودیعہ، کلب اور بہراء کی ایک جمعیت لے کر آیا۔ اسکا معاون ابن وبرہ بن رومانس تھا۔ ودیعہ کے علاوہ ابن الحدرجان، ضجاعم کو لیکر اور ابن الایہم غسان اور تنوخ کی جماعتوں کو لیکر پہنچے۔ یہ سب مل کر عیاض بن غنم پر اور عیاض بن غنم ان پر حملے کرتے رہے۔ ان لوگوں کی فوج کے دو سردار تھے اکیدر بن عبد الملک اور جودی بن ربیعہ جب حضرت خالدؓ دومۃ الجندلؓ کے قریب پہنچے تو ان لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا۔ اکیدر کہنے لگا میں تمہاری بہ نسبت خالدؓ سے بہت زیادہ واقف ہوں۔ آج دنیا میں خالد سے بڑھکر کوئی شخص اقبال مند اور فنون جنگ کا ماہر نہیں ہے، جو قوم خالد سے مقابلہ کرتی ہے خواہ وتعداد میں کم ہو یا زیادہ ہر حال میں شکست کھا جاتی ہے اس لئے تم میری بات

---

[۱] دومۃ الجندل کا قصبہ دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستے سے سات منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابو عبید السکونی کہتے ہیں کہ دومۃ الجندل، شام اور مدینہ کے درمیان جبل طئ کے قریب ایک قلعہ اور شہر ہے تمام مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ۱۲ھ میں اس شہر پر چڑھائی کی تھی۔ اور یہاں کے سردار اکیدر کو بغاوت اور ارتداد کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷)۔

مانو۔ اور مسلمانوں سے صلح کر لو۔[1] لوگوں نے اکیدر کی یہ رائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اکیدر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا "تم جانو تمہارا کام جانے میں تو تمہارے ساتھ مل کر خالد سے جنگ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں"

جب حضرت خالد کو اکیدر کے جانے کی خبر ہوئی تو آپ نے عاصم بن عمرو کو اسے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ عاصم نے اسے راستے ہی میں جا لیا۔ اور اسے گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت خالد نے اس کی بدعہدی اور بغاوت کی پاداش میں اس کی گردن اڑا دی۔

حضرت خالدؓ آگے بڑھ کر دومۃ الجندل پہنچے اہالیان دومۃ الجندل کے سردار یہ لوگ تھے۔ جودی بن ربیعہ، ودیعہ کلبی، ابن رماس کلبی، ابن الأیہم اور ابن الحدرجان حضرت خالد نے دومۃ الجندل کو اپنی اور عیاض بن غنم کی فوج کے گھیرے میں لے لیا۔ جو عربی النسل عیسائی دومۃ الجندل والوں کی امداد کے لئے پہنچے تھے وہ قلعے کے چاروں طرف جمع تھے۔ کیونکہ قلعے میں ان کے لئے گنجائش نہیں تھی۔

دومۃ الجندل والوں نے حضرت خالد کی آمد پر کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ بڑے آرام سے صف بندی کی۔ جودی بن ربیعہ اور ودیعہ، حضرت خالدؓ کے بالمقابل اور ابن الحدرجان اور ابن الأیہم عیاض بن غنم کے بالمقابل صف آراء ہوئے۔ حضرت خالد نے جودی کو اور اقرع بن حابس نے ودیعہ کو گرفتار کر لیا باقی لوگ قلعے کی طرف بھاگے، لیکن وہاں کافی گنجائش نہیں تھی، قلعہ بھر جانے پر اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ان ساتھیوں کو جو باہر رہ گئے تھے مسلمانوں

[1] اکیدر کی یہ رائے بالکل صائب اور سابقہ تجربے پر مبنی تھی۔ اس سے پہلے اکیدر کو حضرت خالد سے اس وقت سابقہ پڑا تھا جب رسول اللہ صلعم نے تبوک سے حضرت خالد کو اس کی طرف بھیجا تھا۔ اور آپ اسے گرفتار کر کے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے حضور کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور اپنے شہر واپس آ گیا تھا۔

کی تواروں کے حوالے کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت خالد کی فوج کے ایک سردار عاصم بن عمرو نے اپنے قبیلہ بنو تمیم سے اپنے حلیف بنو کلب کی امداد کی اپیل کی۔ بنو تمیم فوراً ان کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ اور اس طرح بنو کلب کی جانیں بچ گئیں۔

جو لوگ قلعے کی طرف بھاگے تھے حضرت خالد نے ان کا پیچھا کیا اور اتنے آدمی قتل کئے کہ ان کی لاشوں سے دروازہ پٹ گیا۔ اور اندر جانے کا راستہ نہ رہا۔ آپ نے جودی بن ربیعہ اور دیگر قیدیوں کی گردنیں بھی اڑا دیں، سوائے بنو کلب کے قیدیوں کے جنہیں عاصم بن عمرو نے پناہ دیدی تھی۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قلعے کا دروازہ اکھڑوا ڈالا۔ اور جتنے لوگ بھی قلعے میں محصور تھے انہیں قتل کر دیا۔

دومۃ الجندل کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے اقرع بن حابس کو انبار واپس جانے کا حکم دیا۔ اور خود دومۃ الجندل ہی میں قیام کیا۔ جن دنوں حضرت خالدؓ دومۃ الجندل میں مقیم تھے اس زمانے میں عجمی آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے، عقہ کے انتقام کے جوش میں جزیرہ کے عربوں نے بھی ان عجمیوں سے سازباز کر لی تھی اور انہیں لکھا تھا کہ وہ عقہ کا انتقام لینے کیلئے ان کا ساتھ دیں۔ چنانچہ زرمہر، انبار روانہ ہوا۔ روزبہ نے بھی انبار کا رخ کیا دونوں میں یہ طے پایا کہ حصید اور خنافس پر دونوں کی فوجیں مل جائیں۔ جب زبرقان بن بدر کو جو انبار میں موجود تھے یہ اطلاع ملی تو انہوں نے قعقاع بن عمرو جو حیرہ میں حضرت خالد کے نائب تھے امداد کی درخواست کی۔ انہوں نے اعبد بن فدکی السعدی کو حصید اور عروہ بن جعد البارقی کو خنافس پہنچنے کا حکم دیا۔ اور دونوں کو ہدایت کی کہ اگر انہیں آگے بڑھنے کا موقع ملے تو آگے بڑھ جائیں۔ یہ دونوں سردار ایسے مقام پر پہنچے کہ حصید اور خنافس کا ریف سے تعلق منقطع ہو گیا۔ اور دشمن کے راستے مسدود ہو گئے۔ زرمہر اور روزبہ مسلمانوں سے مقابلہ

کرنے کے لئے بنو ربیعہ کا دعن سے ان کے عہد وپیما ہو چکے تھے انتظار کر رہے تھے، ادھر جب حضرت خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آئے اور انہیں ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً قعقاع بن عمرو اور ابولیلیٰ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے میں کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت خالدؓ سے پہلے عین التمر پہنچ گئے۔

اسی اثناء میں حضرت خالد کے پاس امراؤ القیس کلبی کا خط پہنچا جسمیں لکھا تھا کہ عقہ کے انتقام کے جوش میں ہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بشر نے ثنیٰ اور بشر میں فوجیں جمع کیں ہیں۔ اور یہ دونوں زرمہر اور روزبہ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ یہ خط پڑھ کر حضرت خالدؓ نے عیاض بن غنم کو حیرہ میں چھوڑا اور خود وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ نے مقدمۃ الجیش پر اقرع بن حابس کو مقرر کیا تھا خنافس جانے کیلئے آپ نے وہی راستہ اختیار کیا۔ جو قعقاع اور ابولیلیٰ نے نے اختیار کیا تھا۔ آپ ان دونوں سے عین التمر کے مقام پر آن ملے یہاں سے آپ نے قعقاع کو امیر بنا کر حصید کی جانب اور ابولیلیٰ کو خنافس کی جانب روانہ فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ دشمنوں اور ان کو بھڑکانے والوں کو گھیر کر ایک جگہ جمع کر دیں تاکہ مسلمان یکدم ان پر حملہ کر کے ایک ہی ہلے میں انکا صفایا کر سکیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا اس لئے وہ اکٹھے نہ ہوئے۔

جنگ حصید[1] قعقاع بن عمرو نے جب دیکھا کہ زرمہر اور روزبہ اپنی جگہ

---

[1] حصید عراق کی حدود پر جزیرہ کی جانب ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۸۸)

سے ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے تو وہ حصید کی طرف بڑھے اس جگہ عربی اور عجمی فوجوں کا سردار روزبہ تھا جب اسے معلوم ہوا کہ قعقاع اس کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں تو اس نے زرمہر سے امداد طلب کی ۔ زرمہر نے مہبوذان کو اپنی فوج کا نائب مقرر کیا۔ اور خود روزبہ کی امداد کے لئے حصید روانہ ہوا۔ یہاں زبردست مقابلہ ہوا۔ جس میں دشمنوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ مقتولین میں زرمہر اور روزبہ بھی شامل تھے [۱] بقیۃ السیف شکست خوردہ لشکر خنافس بھاگ گیا۔

جنگ خنافس

خنافس میں جو لشکر جمع تھا، ابو لیلیٰ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مہبوذان کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنے تمام لشکر سمیت مصیخ بھاگ گیا جہاں کا حاکم ہذیل بن عمران تھا اسطرح مسلمان بغیر لڑے بھڑے خنافس پر قابض ہو گئے۔

جنگ مصیخ [۲]

جب حضرت خالد کو حصید اور خنافس کی فتوحات اور مہبوذان کے لشکر کے مصیخ کی جانب بھاگ جانے کے بارے میں اطلاعات ملیں تو آپ نے اپنے سرداران فوج : قعقاع بن عمرو، ابو لیلیٰ ابن فدکی اور عروہ کو مصیخ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی ادھر کا رخ کیا۔ یہ پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا کہ تمام قائدین کو کس رات اور کس وقت پہنچنا ہے چنانچہ وقت مقررہ پر تمام قائدین منزل مقصود پر پہنچ گئے اور آتے ہی تین اطراف

---

[۱] زرمہر کو قعقاع نے اور روزبہ کو عصمہ بن عبداللہ الضبی نے قتل کیا۔ (الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۴) [۲] مصیخ کو بنی البرشاء بھی کہتے ہیں۔ یہ قصبہ حوران اور قلت کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۷۹)۔

سے ہزیل اور اس کی فوج پر جو بے خبر سو رہی تھی، بھرپور حملہ کر دیا۔ ہذیل اپنے چند ساتھیوں سمیت بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا باقی تمام فوج قتل ہو گئی لاشوں سے میدان اس طرح پٹ گیا گویا بکریاں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔

معرکۂ مصیخ کے دوران میں جریر بن عبداللہ کے ہاتھوں دو مسلمان عبدالعزیٰ بن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی مارے گئے۔ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے پاس حضرت صدیقؓ کا عطا کیا ہوا ایک صداقت نامہ موجود تھا جب بعد میں حضرت صدیقؓ کو معلوم ہوا کہ عبدالعزیٰ حملے کی رات کو ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جن میں صاف طور پر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلعم کی رسالت کا ذکر تھا تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کر دیا۔

حضرت عمرؓ، مالک بن نویرہ ان اشخاص کے قتل کی وجہ سے حضرت خالدؓ کو مورد الزام ٹھہراتے تھے، لیکن حضرت صدیقؓ نے فرمایا "مسلمان دشمن کی سر زمین میں دشمن کے ساتھ قیام پزیر ہوں گے، ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا ممکن ہے۔"

واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات چاہتے تو دشمن سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ رہ سکتے تھے۔ انہیں خواہمخواہ ایسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی، جس کے متعلق انہیں اچھی طرح علم تھا کہ یہ دشمنان اسلام کی جائے سکونت ہے اور عنقریب یہاں میدان کارزار گرم ہونیوالا ہے۔

جنگ ثنی[1] اور جنگ زمیل

جنگ مصیخ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ

---

[1] الثنی، مشرقِ رصافہ کے قریب جزیرہ کی سرحد پر ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۶۶) الزمیل کا نام البشر بھی ہے اور الثنی اسی سے ملحق ہے یہ دونوں مقامات آجکل رصافہ کا مشرقی حصہ ہیں (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۵)

نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو الثنی اور البشر روانہ فرمایا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ قعقاع اور ابولیلیٰ کے پیچھے حضرت خالدؓ بھی روانہ ہو گئے۔ اس حملے کا پروگرام بھی ویسا ہی بنایا گیا۔ جیسا جنگ مصیخ کے موقع پر بنایا گیا تھا۔

حضرت خالد نے الثنی سے اپنی مہم کا آغاز کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر رات کے وقت تین اطراف سے دشمنوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ اس حملے میں دشمنوں کا کوئی مرد بھی بچ کر نہ نکل سکا۔ عورتیں گرفتار کرلی گئیں[۱]۔ فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں خمس روانہ کیا۔

الثنی سے حضرت خالد الزمیل روانہ ہوئے جہاں عتاب بن فلاں ایک بھاری لشکر لئے ہوئے موجود تھا۔ ربیعہ اور اس کی تمام فوج کے قتل کی خبر اسے مل چکی تھی۔ ہذیل نے بھی مصیخ سے بھاگ کر اس کے پاس پناہ لی تھی۔ حضرت خالدؓ نے یہاں بھی رات کو تین جانب سے حملہ کیا۔ اس معرکے میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد قتل ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت خالدؓ نے مال غنیمت تقسیم کیا اور صباح بن فلاں المزنی کے ہاتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں خمس روانہ کیا۔

الزمیل سے حضرت خالدؓ الرضاب[۲] کی طرف مڑے۔ وہاں کا حاکم ہلال بن عقبہ تھا۔ جب اس کی فوج نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو اس نے مارے خوف کے لڑنے سے انکار کر دیا۔ جس پر ہلال کو مجبوراً وہاں سے بھاگنا پڑا اور مسلمانوں کو الرضاب فتح کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

جنگ فراض[۳] | اب حضرت خالد کا تسلّط تمام سواد عراق پر ہو چکا تھا۔

---

[۱] حضرت علی نے انہی قیدی عورتوں میں سے ربیعہ بن بجیر کی لڑکی کو خریدا تھا جن سے آپ کے یہاں عمر اور رقیہ پیدا ہوئے (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۵) [۲] الرضاب، رصافہ سے پہلے اس جگہ جو بستی تھی اسے الرضاب کہتے تھے (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۵۹)

[۳] الفراض، دریائے فرات کے مشرق میں وہ مقام جہاں شام، عمران اور الجزائر کی سرحدیں آکر ملتی ہیں:۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۵۔

الجزیرہ کے عربوں پر بھی آپ فتح پا چکے تھے ان لڑائیوں کے بعد آپ الفراض کی جانب روانہ ہوئے۔ جہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں الفراض کو فتح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ سرزمین ایران کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھیں تو آپ کی پشت بالکل محفوظ رہے اور آپ اطمینان سے فتوحات میں مصروف رہیں[۱]

اسلامی فوجیں الفرض میں اکٹھی ہوئیں تو انہیں دیکھ کر رومیوں کو بیحد جوش آیا اور انہوں نے اپنے قریب کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی۔ ایرانیوں نے بڑی خوشی سے رومیوں کی مدد کی کیونکہ مسلمانوں نے انہیں ذلیل و رسوا کر دیا تھا اور ان کی شان و شوکت کو تہ بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ایرانیوں کے علاوہ تغلب، ایاد اور نمر کے عربی النسل قبائل نے بھی رومیوں کی پوری پوری مدد کی۔ کیونکہ وہ اپنے رؤساء اور سر برآوردہ اشخاص کے قتل کو بھولے نہ تھے، چنانچہ رومیوں ایرانیوں اور عربی النسل قبائل کا ایک لشکر جرار مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ دریائے فرات پر پہنچ کر انہوں نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا: تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آ جاؤ گے یا ہم دریا کو عبور کر کے تمہاری طرف آئیں۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو خطرے میں ڈالنا پسند نہ کیا چنانچہ آپ نے کہلا بھیجا: تم ہی ہماری طرف آ جاؤ۔ دشمنوں نے کہا اچھا! تم سامنے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا پار کر لیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا یہ بات غلط ہے۔ تم نچلی جانب سے دریا پار کر لو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس دوران میں تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ جب رومیوں کا تمام لشکر دریا کے پار ہو گیا تو لشکر کے سپہ سالار نے فوج کو حکم دیا کہ تمام قبائل علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس گروہ نے زیادہ شاندار کام سرانجام دیا ہے چنانچہ تمام فوج علیحدہ علیحدہ ہو گئی اور لڑائی شروع ہوئی۔ جب دشمنوں کو شکست ہونے

---

[۱] حضرت خالدؓ کا یہ فعل بھی آپ کی دوررس اور بے نظیر جنگی مہارت پر دلالت کرتا ہے حضرت صدیقؓ نے بھی مدینہ سے روانگی کے وقت خالدؓ اور عیاضؓ کو یہی ہدایت فرمائی تھی (طبری جلد ۴ صفحہ ۵)

لگی تو حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا: ان کا پیچھا کرو۔ اور انکو دم نہ لینے دو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فراض کی جنگ میں عین میدان جنگ اور بعد ازاں تعاقب میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی کام آئے عراق میں حضرت خالد کی یہ آخری جنگ تھی؛

فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے فراض میں دس روز قیام فرمایا۔ دس دن بعد ۲۵ ذی القعدہ ۱۲ھ کو اپنی فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ آپنے عاصم بن عمرو سے کہا وہ لشکر کے ساتھ جائیں اور شجرہ بن الاعز کو ساقہ کا کمانڈر مقرر کیا۔ اپنے متعلق آپنے یہ ظاہر کیا کہ جیسے ساقہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ لیکن اصل میں آپ لشکر کو چھوڑ کر خفیہ طور پر حج کرنے روانہ ہو گئے تھے،

حضرت خالدؓ کا خفیہ حج

حضرت خالدؓ حج کیلئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے، آپ شہروں اور بستیوں سے دور دور سیدھے مکہ کی طرف روانہ ہوئے کوئی رہبر ساتھ نہ تھا اور یہ راستہ نہایت عجیب اور دشوار گزار تھا۔ لیکن آپ فوج سے غیر حاضر بہت تھوڑے عرصے کے لئے رہے ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا کہ آپ حج سے فارغ ہو کر ساقہ سے آملے اور اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے ان چند لوگوں کے سوا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے لشکر اور کسی شخص کو آپ کے حج کی خبر نہ تھی۔ جب انہوں نے آپ کی واپسی پر آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انھیں معلوم ہوا کہ آپ حج کو تشریف لے گئے تھے۔

حضرت صدیقؓ کو آپ کے حج کرنے اور لشکر چھوڑنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ آپ کو خوب اچھی طرح پتہ تھا کہ اس خبر کا اثر آپ کے لشکر پر کیا ہو سکتا ہے آپ جانتے تھے کہ خالد سے یہ فعل اس لئے سرزد ہوا ہے کہ انہیں ہر مرحلے پر فتح اور دشمن کی شکست کا یقین ہوتا ہے۔ اور دشمن کی حیثیت بہت معمولی سمجھتے ہیں

حضرت خالدؓ کے اس فعل کو حضرت ابوبکر صدیقؓ مناسب نہ سمجھتے تھے عین میدان جنگ میں ہزاروں، لاکھوں دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے لشکر کو چھوڑ کر سپہ سالار کا اکیلا حج کے لئے چلا آنا مصلحت اور دوراندیشی کے بالکل خلاف تھا۔

اس زمانے میں ان امراء نے جنہیں حضرت صدیقؓ نے شام کی جانب بھیجا تھا اپنے لئے مدد کی درخواست کی۔ حضرت صدیقؓ نے رومیوں کی طرف بھی اسی خدائی تلوار کو بھیجنا چاہا۔ جس نے شاہان کسریٰ کے تخت کو ہلا ڈالا تھا آپ نے عبدالرحمٰن بن جمیل الجمحی کے ہاتھ حضرت خالدؓ کو ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں سے مل جاؤ۔ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں۔ یہ حرکت (خفیہ حج) جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو: اے ابوسلیمان میں تمہیں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔ تمہارے دل میں غرور پیدا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ غرور کا انجام نقصان اور رسوائی ہے اپنے کسی فعل پر نازاں نہیں ہونا۔ فضل و کرم کرنیوالا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے [1]

عراق میں حضرت خالدؓ کی فتوحات کا اثر

اہل عرب بالعموم ایرانیوں کو نہایت تعظیم و تکریم اور احترام و توقیر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اگر کسی عرب کو کسریٰ کے محل کے دروازے پر کھڑے ہونے یا شہنشاہ کو سجدہ کرنے کیلئے دربار میں باریابی کی اجازت مل جاتی تھی تو وہ سمجھتا تھا کہ اسے ہفت اقلیم کی بادشاہت

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۲۔

مل گئی ہے اس کے مقابلے میں ایرانی عربوں کو اس درجہ حقیر سمجھتے تھے کہ کئی جنگوں
میں حضرت خالد کی فتوحات کے باوجود انہوں نے ابتداء میں عربوں کے حملے اور
پیش قدمی کو سنجیدگی کی نظر سے نہ دیکھا۔ اس کی واضح مثال ہمیں جنگ الیس کے
موقع پر نظر آتی ہے جبکہ وہ میدان جنگ میں نہایت بے فکری سے کھانے پینے
میں مشغول تھے اور انہیں اس امر کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ عربوں کا لشکر ان سے
جنگ کرنے کے لئے ان کے سامنے کھڑا ہے۔

حضرت خالدؓ نے ایرانیوں کو دکھا دیا۔ کہ عرب قوم پستی اور ذلت سے اٹھ
کر انتہائی بلند مقام پر پہنچ چکی ہے اور اب ایرانیوں کو طوعاً یا کرہاً ان کی اطاعت
قبول کرنی ہوگی۔ آپ نے ایران کے مفلس و قلاش کاشتکاروں اور غریب رعایا کو
بھی مژدہ سنا دیا تھا کہ ان کی ذلت و پستی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اور اب وقت آچکا
ہے کہ انہیں اپنی قدر و قیمت کا احساس ہو۔ انہیں معلوم ہو کہ وہ بھی انسان ہیں ان
کے بھی کچھ حقوق ہیں اور وہ صاحب اقتدار ایرانی جو آج تک اپنے آپ کو عام
انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے، کسی طرح بھی ان سے بڑھ کر نہیں۔

ایرانیوں نے شروع میں یہ سمجھا کہ عربوں کی یہ پیش قدمی معاشی بدحالی کی وجہ
سے ہے جوں ہی ان کے ہاتھ کچھ مال غنیمت آئے گا وہ اپنے علاقے میں واپس
چلے جائیں گے۔ اور اسے اطمینان اور فراغت سے بیٹھ کر کھائیں گے لیکن عربوں
کی پے در پے چڑھائیوں اور فتوحات پر فتوحات نے بالآخر ان پر واضح کر دیا کہ
وہ سخت غلطی پر تھے، اسوقت انہوں نے آنکھیں کھولیں اور سنجیدگی سے عربوں کے
مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن ان کی سلطنت کے آخری دن آچکے تھے اب
ان کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا وہ سلطنت کی باگ ڈور خاموشی سے عربوں
کے حوالے کر دیں۔ یا ان کے آگے اپنے آپ کو تباہی کیلئے پیش کر دیں،

حضرت خالد نے اپنی پیش قدمی کے دوران میں نہایت دور اندیشی اور حکمت
عملی سے کام لیا آپ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو دوسرے شہر کا رخ کرنے

سے پہلے اس شہر کی حفاظت کیلئے فوج کا ایک دستہ وہاں متعیّن کر دیتے تھے اور نظم و نسق چلانے اور خراج وصول کرنے کے لئے اپنے عاملوں کو وہاں مقرر کر دیتے تھے اسطرح فوج کی پشت کی حفاظت کا انتظام بھی ہو جاتا تھا اور مفتوحہ علاقے کی طرف سے بھی پورا اطمینان ہو جاتا تھا۔ فتح کے بعد وہ کاشتکاروں کو امان دیتے تھے، اور گوناگوں مہربانیوں اور رعایتوں سے انہیں متمتع کر کے اور ان کے حاکموں کے ظلم و ستم سے انہیں نجات دلا کر ان کے دلوں کو موہ لیتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عام طور پر یہ لوگ اسلامی فوج کا خیر مقدم کرتے، اور جب تک انہیں حکومت کی طرف سے مجبور نہ کر دیا جاتا تھا وہ مسلمانوں کے خلاف نہ لڑتے تھے ایرانی حاکموں نے اپنی رعایا کو اپنا غلام سمجھ رکھا تھا۔ اور وہ ہر قسم کا ظلم و ستم ان پر روا رکھتے تھے۔ یہ لوگ جب دیکھتے کہ مسلمانوں نے انہیں مساوی حقوق دے دیئے اور ان پر ظلم و ستم کے لامتناہی سلسلے کو روک دیا ہے تو قدرتی طور پر ان کے دل مسلمانوں کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ اور حتی المقدور مسلمانوں کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے۔

مسلمان ایران کے مفلس کاشتکاروں اور غریب رعایا پر جسقدر مہربان تھے سرداران سلطنت اور فوجوں کے معاملے میں اتنے ہی سخت گیر میدان جنگ میں ان سے مطلق صبر نہ ہو سکتا تھا لڑائی میں ان کی نظریں زیادہ تر سپہ سالاروں اور سرداروں پر ہوتی تھیں۔ وہ تاک تاک کر ان پر حملے کرتے تھے اور انہیں قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ اسطرح ان کی فوج پر مسلمانوں کا زبردست رعب بیٹھ جاتا۔ اور وہ اپنے سپہ سالار اور سرداروں کے مرنے سے دل شکستہ ہو کر ہمّت ہار بیٹھتی تھی۔ اور بہت جلد شکست کھا جاتی تھی مسلمان فتح ہو جانے پر تو بہت کم حالتوں میں فوج کی جان بخشی کرتے تھے، بلکہ اسے گھیرے میں لیکر بری طرح قتل کر ڈالتے تھے۔ اسوقت ان کے دلوں سے رحم کوسوں دور ہو تا تھا۔

ایرانی حاکموں اور سرداروں کو چاہیئے تھا کہ تین بار مسلمانوں کی تلواروں کی دھار کا مزہ چکھ لینے کے بعد عبرت پکڑتے اور حضرت خالدؓ کے سامنے

سر اطاعت خم کر کے اپنے آپ کو تباہی اور بربادی سے بچا لیتے تھے لیکن جب تمنا آجاتی ہے تو عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو تین کامیابیاں حاصل کر لی ہیں، جب ہماری زبردست فوجیں ان کے مقابلے کے لئے میدان جنگ میں نکلیں گی تو مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ اور آئندہ انہیں کبھی ہمارے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوگی ان کی یہ زبردست فوجیں بار بار ہر قسم کے سازوسامان کے ساتھ، بہترین جرنیلوں کی زیر سرکردگی میدان جنگ میں آئیں لیکن انہوں نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پایا۔ خدائی منشا پورا ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں پرشکوہ ایرانی شہنشاہیت کی صف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لپیٹ دی گئی۔

حضرت خالد نے ان جنگوں میں مسلمانوں کی جو خدمات سرانجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ اور مسلمان انہیں کبھی بھول نہ سکیں گے، ان جنگوں کا اسلامی فوجوں پر بڑا دور رس اثر پڑا۔ جو فوجیں عراق کے میدانوں میں کسریٰ کے جرار لشکروں کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئیں۔ وہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر لڑتی تھیں اس طرح ان میں جو بے نظیر جرأت، دلیری اور شجاعت پیدا ہوئی اس نے آئندہ جنگوں کو مسلمانوں کیلئے بالکل معمولی بنا دیا اور انہوں نے بڑی آسانی سے ساری ایرانی سلطنت کو زیر کر لیا۔

ان جنگوں کا جو عراق میں لڑی گئیں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان منظم اور جرار لشکروں سے مقابلہ کرنے کے عادی ہو گئے ان جنگوں کے دوران میں انہیں جنگ کے طریقوں سے بھی کما حقہ واقفیت پیدا ہو گئی۔ کبھی انہیں قلعہ بند فوج سے مقابلہ پیش آتا تھا تو کبھی دونوں فوجوں کے درمیان دریا یا نہر حائل ہو جاتی تھی۔ اور مناسب حال مختلف طریقے استعمال کرنے پڑتے تھے، کبھی دوبدو جنگ ہوتی تھی تو کبھی شبخون مارا جاتا۔ اور رات کو اندھیروں میں دشمن کی فوج کا صفایا کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے جب جنگ کے مختلف طریقوں کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ

حضرت خالدؓ نے فوج کے بچاؤ کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کیں اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کیلئے کن کن طریقوں سے کام لیا۔ تو ان کے جنگی تجربوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اور جنگی علوم فنون سے انہیں پوری پوری واقفیت ہو گئی۔ ان بیش بہا تجربات کے بعد انکی جھجک اور خوف و ہراس دور ہو گیا۔ اور انہوں نے بڑے بڑے جرّار لشکروں کا مقابلہ پوری بے خوفی اور جرأت سے کیا اور بارہا اپنے سے کئی گنا فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دیں۔

حضرت خالدؓ عراق میں ایک سال دو ماہ تک رہے (محرم ۱۲ھ سے لے کر صفر ۱۳ھ) اس قلیل عرصے میں آپؓ نے تقریباً پندرہ جنگوں میں حصہ لیا۔ ان تمام جنگوں میں آپ کا مقابلہ ان عظیم الشان فوجوں سے ہوا جو نہ صرف تعداد میں اسلامی لشکر سے بہت زیادہ تھیں بلکہ نئے نئے سامان جنگ سے بھی پوری طرح لیس تھیں۔ لیکن فوج کی قلت اور سامان جنگ کی کمی کے باوجود ہر موقع پر حضرت خالد ہی فتحیاب ہوئے اور دشمن کو ہمیشہ ہی بری طرح شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت خالد نے اتنی تھوڑی مدت میں بہت ہی قلیل فوج کیساتھ جو کام کر دکھایا وہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا جرنیل بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ بھی نہ کر سکا۔ جس فوج میں حضرت خالد موجود ہوتے تھے وہ سمجھتی کہ اکیلے خالد ہی دشمن کی پوری فوج پر بھاری ہیں۔ ادھر دشمن کی صفوں میں گھبراہٹ پھیل جاتی اور خوف کا تسلط ہو جاتا تھا اور وہ کبھی اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ آپ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

ان فتوحات کا اسلامی فوجوں پر جو اثر تھا اور وہ انہیں جس نظر سے دیکھتی تھیں اس کی ایک جھلک ابن الہیثم بکائی کے ذیل کے بیان میں نظر آتی ہے:

"میرے والد بیان کرتے تھے کہ کوفہ کے وہ لوگ جو عراق کی جنگوں میں نبرد آزما رہ چکے تھے جب معاویہ کو اپنے ساتھ کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ آخر معاویہ کیا چاہتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم جنگ ذات السلاسل کے شہسوار ہیں جو عراق میں حضرت خالدؓ کی پہلی جنگ تھی۔ وہ لوگ ذات السلاسل سے لیکر فراض تک کی جنگوں کو اس فخر و شان سے بیان کرتے تھے کہ گویا ان سے قبل اور بعد کی لڑائیاں بالکل ہیچ تھیں۔"[1]

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۷۔

شام میں حضرت خالدؓ کی فتوحات

شام کی فتوحات عراق کی فتوحات کے بعد شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے ۱۲ھ کے آغاز میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی جانب فوجیں روانہ کیں۔ ابتداء میں ان فوجوں کا سپہ سالار آپ نے خالد بن سعید کو مقرر کیا تھا لیکن ان کی روانگی سے پہلے ہی حضرت عمرؓ کے اصرار پر انہیں اس کی بجائے تیما[1] میں امدادی دستے پر متعین کر دیا۔ اور ان کی جگہ یزید بن ابوسفیان کو امیر مقرر کر کے سات ہزار فوج کے ساتھ شام بھیج دیا۔ شام کو روانہ ہونے والے امراء میں یزید سب سے پہلے امیر ہیں۔ یزید کی روانگی کے بعد حضرت صدیقؓ نے شام کی جانب یہ تین سپہ سالار روانہ فرمائے:

شرجیل بن حسنہ، ابوعبیدہ بن الجراح اور عمرو بن العاص۔ آپ نے نہ صرف ہر ایک سپہ سالار کی منزل مقصود ہی متعین کر دی بلکہ وہ علاقہ بھی مقرر فرما دیا، فتح کے بعد جہاں کا انہیں والی بننا تھا۔ چنانچہ یزید بن ابوسفیان[2] کو دمشق، شرجیل بن حسنہ کو اردن، ابوعبیدہ بن الجراح کو حمص اور عمرو بن العاص کو فلسطین کے لئے امیر

---

[1] تیما کی بستی، شام کی سرحد پر شام اور وادئ قریٰ کے درمیان اس راستے پر واقعہ ہے جس سے اہل شام اور اہل دمشق حج کے لئے آتے ہیں۔ اسی جگہ سموال بن عادیا یہودی کا مشہور قلعہ بنا ہوا تھا اس لئے اس کو "تیما الیہودی" کہتے تھے۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۴۴۲)

[2] یہ سپہ سالار اسی ترتیب سے مدینہ سے شام روانہ ہوئے (الطبری جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۳ باقی صفحہ ۱۷۳ پر)

بنایا گیا لے

یہ تمام امراء مدینہ سے چل کر شام پہنچے۔ یزید بلقاء پہنچے، شرجیل کی منزل اردن تھی ابوعبیدہ کی جابیہ اور عمرو بن العاص کی عربہ۔ جب رومیوں کو ان امراء کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ہرقل کو جو اسوقت بیت المقدس میں تھا تمام حالات سے مطلع کیا چنانچہ ہرقل وہاں سے حمص پہنچا اور ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلے کیلیے تیار کیا ہرقل کے پاس فوجوں کی کمی نہیں تھی۔ اس نے ہر اسلامی سپہ سالار کے مقابلے میں اس کی فوج سے کئی گنی فوج تیار کی اور اسے ہر قسم کے سامان حرب اور اسلحہ سے لیس کیا رومیوں کی اس عظیم الشان تیاری کو دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا خوف محسوس ہوا۔ اور انھوں نے عمرو بن العاص نے تمام سپہ سالاروں کہلا بھیجا کہ میری رائے میں بہترین صورت یہ ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو جائیں اور اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں کیونکہ اگر ہم اکٹھے ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے تو باوجو ہماری قلت تعداد کے دشمن ہم پر غلبہ نہیں پا سکے گا لیکن اگر ہم الگ الگ رہے تو ہم میں سے ایک متنفس بھی باقی نہیں رہے گا کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے مقابلے پر بڑی بڑی فوجیں تیار کی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ یرموک کے مقام پر تمام فوجیں جمع ہو جائیں ؎ اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔

حضرت صدیقؓ نے بھی مسلمانوں کو وہی مشورہ دیا جو عمرو بن العاص دے چکے تھے آپ نے انہیں لکھا: " تم سب جمع ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) ان میں سے سوائے شرجیل کے باقی تمام سپہ سالار قریش سے تعلق رکھتے تھے شرجیل قبیلہ کندہ اور بعض روایات کے بموجب قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۹ فتوح البلدان بلاذری ۱۳۱)

لے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں تائید الٰہی کا اس درجہ یقین تھا کہ امراء کی روانگی اور دشمن سے جنگ کرنے سے پہلے ہی ہر امیر کا علاقہ جہاں کا اسے والی بننا تھا مقرر کر دیا۔

پوری جمعیت کے ساتھ مشرکین کی فوجوں سے لڑو۔ تمہارا شمار اللہ تعالیٰ کے مددگاروں میں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور ذلیل و رسوا کرتا ہے تم جیسے لوگ قلت تعداد کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ دس ہزار بلکہ اس سے کہیں زیادہ بھی گناہوں کے طرفدار بن کر اٹھیں گے تو وہ دس ہزار سے ضرور مغلوب ہو جائیں گے، تم گناہوں سے بچو اور یرموک میں مل کر کام کرنے کے لئے جمع ہو جاؤ۔ تم میں سے ہر امیر اپنی فوج کے ساتھ نماز ادا کرے[1]

جب ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمان یرموک جمع ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے سپہ سالاروں کو لکھا کہ تم مسلمانوں کے مقابلے کیلئے رومی فوجوں کو ایسے مقام پر ٹھیراؤ جس میں کافی گنجائش اور وسعت ہو اور بھاگنے والوں کے لئے راستہ تنگ ہو۔ ہرقل سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ مسلمان اس معرکے میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے، اور کہ وہ اس ارادہ سے آئے ہیں کہ یا وہ رومی لشکر کو فنا کر دیں گے یا خود فنا ہو جائیں گے اس لئے یہ معرکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ثابت ہو گا۔ اگر اس میں مسلمان کامیاب نہ ہو سکے تو انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شام سے ہاتھ دھونے پڑیں گے چنانچہ ہرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نہایت عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ لشکر کے سالاروں کے تعین کے علاوہ اس نے کئی پادری اور راہب بھی اس کام کے لئے مقرر کیئے کہ وہ لشکر میں پھر کر انجیل کی آیات پڑھتے رہیں۔ اور رومیوں کو جنگ کے لئے جوش دلاتے رہیں۔

رومی سالاروں نے ہرقل کے احکام کے مطابق واقوصہ میں اپنی فوجوں کو ٹھیرایا واقوصہ کی وادی دریائے یرموک کے کنارے واقع ہے اس وادی نے ان کے لئے خندق کا کام دیا۔

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۳۱۔ عمرو بن العاص اور حضرت صدیقؓ دونوں کی رائے کہ یرموک کے مقام پر رومیوں سے مقابلہ کیا جائے ہماری اس رائے کو (جس پر مفصل بحث ہم بعد میں کریں گے) تقویت پہنچاتی ہے کہ معرکۂ یرموک جنگ اجنادین سے قبل وقوع میں آیا۔

رومی سرداروں کی یہ زبردست کوشش تھی کہ ان کے لشکر سے مسلمانوں کا خوف اور دہشت نکل جائے تاکہ وہ اطمینان سے انکا مقابلہ کر سکیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تھوڑی تعداد میں ہیں۔ اور رومیوں کا لشکر ان سے کئی گنا زیادہ ہے تو انہوں نے فوج کو حوصلہ اور فتح کا یقین دلانا شروع کیا۔ ادھر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ رومی لشکر واقوصہ پہنچ گیا تو انہوں نے اپنی جائے اجتماع سے اٹھ کر رومیوں کے بالکل سامنے رومیوں کے سامنے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جس سے رومیوں کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن العاص پکار اٹھے "لوگو تمہیں مبارک ہو، رومی بالکل محصور ہو گئے ہیں اب وہ تمہارے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔"

مسلمان صفر سے لیکر ربیع الثانی ۱۳ھ تک رومیوں کے سامنے ان کا راستہ روکے پڑے رہے نہ وہ رومیوں کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ ان تک پہنچ ہی سکے واقوصہ کی گھاٹی رومیوں کے پیچھے تھی۔ اور خندق ان کے آگے، جب کبھی وہ باہر نکلنے کا ارادہ کرتے مسلمان انہیں پیچھے ہٹا دیتے۔

مسلمانوں نے ابتداء ہی میں (یعنی ماہ صفر میں) رومیوں کے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں مدد بھیجنے کیلئے درخواست روانہ کر دی تھی۔ جب قاصد یہ درخواست لیکر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا مسلمانوں کی مدد کیلئے خالد جائیں گے خدا کی قسم خالد بن ولید رومیوں کے دماغوں سے شیطانی وسوسے نکال دے گا چنانچہ آپ نے خالد کو وہ خط لکھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ اور جو حضرت خالد کے حج کرنے اور حیرہ پہنچنے کے بعد انہیں ملا۔ حضرت صدیق کا حکم یہ تھا کہ خالدؓ مثنیٰ بن حارثہ کو نصف لشکر کے ساتھ عراق میں چھوڑ دیں اور باقی نصف لشکر کے ہمراہ خود شام روانہ ہو جائیں، جب خدا تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں فتح سے ہمکنار کر دے تو خالد اپنے مفوضہ کام کی بجا آوری کیلئے واپس عراق آ جائیں، جب حضرت خالدؓ کو یہ حکم ملا تو آپ نے اپنے ساتھ لیجانے کے لئے ان لوگوں کو چنا جنہیں رسول اللہ کی صحبت اور ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔ مثنیٰ نے کہا تقسیم اسی طرح ہونی چاہیئے جس طرح

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم دیا ہے تاکہ رسول اللہ صلعم کے صحبت یافتہ افراد کی نصف تعداد میرے حصہ میں بھی آسکے۔ آخر حضرت خالد کو مثنیٰ کی بات ماننی پڑی۔" [1]

حضرت خالد حیرہ سے چل کر قراقر پہنچے وہاں سے آپ نے سویٰ پہنچنا چاہا[2] کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ اگر آپ معروف راستے سے گئے تو رومی آپ کو راستے میں روک لیں گے۔ اور مسلمانوں کی امداد کے لئے نہ پہنچنے دیں گے، اس لئے ایسے راستے سے جانا چاہیئے جس سے آپ رومیوں کے عقب میں پہنچ جائیں۔ اس راستے سے جانے کیلئے آپ نے رہبر طلب فرمایا۔ لوگوں نے رافع بن عمیرۃ الطائی کا نام بتایا جب آپ نے اس سے راستہ بتانے کو کہا تو وہ کہنے لگا" آپ گھوڑوں اور اتنے سازوسامان کے ساتھ اس راستے سے نہیں گزر سکتے وہ راستہ ایسا ہے کہ اس پر سے صرف ایک سوار گزر سکتا ہے اور وہ بھی بے خوف و خطر نہیں پوری پانچ راتوں کا سفر ہے راستے سے بھٹکنے کے خوف کے علاوہ پانی کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ہے" حضرت خالدؓ نے فرمایا" خواہ کچھ ہو جائے مجھے تو اس راستے سے جانا ہے کیونکہ مجھے امیر المومنین نے بے حد ضروری حکم دیا ہے۔ تم بتاؤ اس راستے سے چلنے کیلئے کیا کیا انتظام کئے جائیں؟" رافع نے کہا اگر آپ ضرور اس راستے سے جانا چاہتے ہیں تو پھر لوگوں کو حکم دیجئے کہ وہ بہت سا پانی ساتھ لے لیں۔ اور جس جس سے ہو سکے وہ اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر اس کا کان باندھ دے کیونکہ یہ سفر بے انتہا خطرات کا حامل ہے اس کے علاوہ مجھے اونٹنیاں بہت بڑی موٹی تازی اور عمر رسیدہ مہیا کی جائیں۔" حضرت خالد رافع کو ان کی خواہش کے مطابق اونٹنیاں مہیا کر دیں رافع نے

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ [illegible] - ۲۱۲۔

[2] یاقوت معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ سویٰ عراق کی سرحد کے قریب سماوہ کے علاقے میں بنو کلب کا چشمہ تھا۔ (جلد ۳، صفحہ ۲۴۴) سویٰ قبیلہ بہراء کا چشمہ تھا اس کے مدمقابل سرحد کا علاقہ شام سے متصل تھا (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۱۰۲)۔

پہلے انہیں خوب پیاسا رکھا۔ جب وہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہوگئیں تو انہیں خوب پانی پلایا۔ جب وہ خوب سیر ہوگئیں تو ان کے ہونٹ چھید کر باندھ دیئے تاکہ جگالی وغیرہ نہ کر سکیں۔ اس کے بعد حضرت خالد سے کہا کہ اب فوج کو کوچ کا حکم دیجئے خالدؓ لشکر اور ساز و سامان کو لیکر اس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جہاں کہیں پڑاؤ کرتے ان میں سے چار اونٹنیوں کے پیٹ چاک کرتے جو کچھ ان کے معدوں سے نکلتا گھوڑوں کو پلا دیتے اور جو پانی ساتھ تھا وہ خود پیتے۔

جب صحرا میں سفر کا آخری دن آیا تو حضرت خالدؓ نے رافع سے جنہیں آشوب چشم کی شکایت تھی کہا کہ پانی ختم ہو چکا ہے، اب کیا کرنا ہے۔ رافع نے جواب دیا۔ گھبرائیے نہیں ہم بہت جلد پانی تک پہنچ جائیں گے، تھوڑی دور آگے چل کر جب فوج دو ٹیلوں کے درمیان پہنچی تو رافع نے لوگوں سے کہا "دیکھو یہاں عوسج کی جھاڑی آدمی کے سرین کے مانند نظر آتی ہے"؟ انہوں نے کہا "نہیں تو کوئی ایسی جھاڑی نظر نہیں آتی" اس پر رافع نے گھبرا کر کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ افسوس اب تم بھی ہلاک ہوئے اور میں بھی۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو جس طرح ہو سکے اسے ڈھونڈ نکالو۔ آخر بڑی تلاش سے وہ جھاڑی ملی مگر کسی نے اسے کاٹ دیا تھا اور صرف اس کا تنا باقی رہ گیا تھا۔ جھاڑی ملنے پر مسلمانوں نے بڑے زور سے تکبیر کہی رافع نے کہا اب اس جھاڑی کی جڑ کے قریب مٹی کھودو مٹی کھودنے سے وہاں ایک چشمہ نکل آیا۔ جس سے سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد راستے میں حضرت خالدؓ کو کوئی دقت اور پریشانی نہ لاحق ہوئی۔ اور وہ جلد از جلد سفر طے کرتے ہوئے سویٰ پہنچ گئے۔ اس واقعہ کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے۔

لله عینا رافع انى اهتدى
فوز من قراقر الى سوى
خمسا اذا ما سادها الجیش بكى
ما سادها قبلك من انس یرى

(خدا تعالیٰ رافع کو جزا دے اس نے قراقر سے لے کر سوی تک کے راستے میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ جب لشکر اس راستے پر سے گزرا تو اسے پانچ روز تک سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ راستہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار تھا اور اس سے قبل کسی انسان کا اس پر سے شاید ہی گزر ہوا ہو۔

جب حضرت خالد صبح سے ذرا پہلے سوی پہنچے تو پہنچتے ہی آپ نے بستی پر حملہ کر دیا۔ اسوقت ایک جماعت شراب نوشی میں مشغول تھی۔ درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا۔ اور مغنی جس کا نام حرقوص تھا یہ اشعار گا رہا تھا۔

الا علانی قبل جیش ابی بکر

لعل منایانا قریب و ما ندری

الا علانی بالزجاج وعللا

سیطرقکم قبل الصباح من البشرلہ

"اے دوستو! مجھے ابوبکر کے لشکر سے پہنچنے سے پہلے شراب پلادو۔ شاید ہماری موت کا وقت قریب ہو اور ہم اس سے بے خبر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ صبح سے قبل مسلمانوں کا لشکر خالد کی سرکردگی میں بشر کی طرف سے تم پر حملہ کر دیگا۔

کسی کو یہ سان و گمان بھی نہ تھا کہ ابوبکرؓ کا لشکر" اس ہیبت ناک اور پرخوف و پرخطر جنگل میں سے گزر کر عین اسی وقت ان کے سروں پر پہنچ سکتا ہے حضرت خالدؓ نے پہنچتے ہی مغنی پر حملہ کر کے اس کی گردن اڑا دی اور اس کا سر کونڈے میں جا پڑا۔ وہاں سے مسلمان مال غنیمت حاصل کر کے آگے بڑھے اور آرکؔ[2] پہنچے وہاں کے باشندوں نے مصالحت کرلی۔

---

[1] الاغانی جلد اول صفحہ ۱۴۳۔ [2] آرک صحرائے حلب کے آخر میں تدمر کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اس کی نواحی زمین سرسبز و شاداب ہے اور وہاں کھجور اور زیتون کے درخت کثرت سے ہیں (معجم البلدان صفحہ ۲۹۵ جلد اول)

آرک سے آپ تدمر[1] پہنچے۔ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے لیکن آخر کار انہوں نے صلح کر لی۔ تدمر سے آپ قریتین پہنچے[2] اس کے باشندوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی وہاں سے مال غنیمت حاصل کر کے آپ نے حوارین[3] کا رخ کیا۔ وہاں کے باشندے بھی لڑائی کیلئے تیار تھے، لڑائی ہوئی جس میں انہیں شکست ہوئی۔ حضرت خالد نے وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔ وہاں سے چل کر آپ قصم[4] پہنچے وہاں کے باشندوں نے جو قضاعہ کی شاخ، بنو مشجعہ سے تعلق رکھتے تھے صلح کر لی۔ وہاں سے روانہ ہو کر رسول اللہ کا سیاہ علم "عقاب" اڑاتے ہوئے ثنیۃ العقاب[5] پہنچے وہاں سے مرج راہط[6] روانہ ہوئے یہاں غسانیوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی آپ نے انہیں شکست دیکر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے آپ نے فوج کا ایک دستہ غوطہ کی جانب روانہ کیا۔ جو کامیاب و کامران ہو کر واپس آ گیا۔

---

[1] تدمر، صحرائے شام میں ایک پرانا اور مشہور قصبہ ہے اس کے اور حلب کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

[2] قریتین، صحرائے شام میں حمص کے علاقے میں ایک بڑا قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۰)

[3] حوارین، حلب کے علاقے میں ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۵۸)

[4] قصم، عراق کی سرحد پر صحرائے شام کے قریب ایک بستی ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۳)

[5] ثنیۃ العقاب، دمشق کے شمال میں ایک درّہ ہے یہاں سے دمشق اور غوطہ کا میدان سامنے نظر آتا ہے یہیں سے راستہ پھٹتا ہے، ایک سڑک جنوب میں دمشق کو چلی جاتی ہے اور دوسری صحرائے سماوہ کے کنارے کنارے عراق کو چلی گئی ہے، دمشق سے حمص جانے کے لئے یہیں سے گزرتے ہیں (بلاد فلسطین و شام مولفہ جی لی اسٹرینج صفحہ ۱۸)

[6] مرج راہط، دمشق کے مشرق میں غوطہ کے ایک سبزہ زار کا نام ہے (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ و جلد ۸ صفحہ ۱۶)

مرج راہط سے چل کر آپ بصریٰ[1] پہنچے۔ وہاں کے باشندے پہلے تو مقابلے پر آئے لیکن پھر صلح کر لی۔ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ اور عراقی فوج کے ہاتھ پر صلح کے ذریعے فتح ہوا۔ حضرت خالد نے خمس حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور آگے چل کھڑے ہوئے اور ماہ ربیع الاوّل میں یرموک پہنچ گئے اسی زمانے میں باہان بھی رومی فوجوں کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ پادری اور راہب بھی تھے۔ جن کا کام رومیوں کو جنگ کے لئے ابھارنا اور جوش دلانا تھا مسلمان حضرت خالد کے پہنچنے پر خوش تھے اور رومی باہان کے پہنچنے پر۔

ان جنگوں کے ذکر سے پہلے جو حضرت خالدؓ کو شام میں پیش آئیں اس بات کا فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ ان جنگوں میں حضرت خالد کی حیثیت کیا تھی آیا ان کی حیثیت شام میں سپہ سالار اعظم کی تھی یا دوسرے مسلمان سرداروں کی طرح جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے یرموک پہنچے تھے صرف اپنی اس فوج کے سپہ سالار تھے جو عراق سے ان کے ساتھ آئی تھیں؟۔

---

[1] بصریٰ، شام کے صوبہ حوران کا صدر مقام ہے (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۰۸) بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت خالد کے پہنچنے سے پہلے ہی ابو عبیدہ، شرحبیل بن حسنہ اور یزید یہاں موجود تھے، اور ان سب سرداروں نے مل کر شہر کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عمرو بن العاص کی مدد کے لئے فلسطین چلے گئے لیکن ہمارے خیال میں یہ بات ٹھیک نہیں۔ بصریٰ کو صرف حضرت خالد نے فتح کیا اور ان سب سالاروں سے آپ یرموک میں جا کر ملے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اور دیگر واقعات سے بھی ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے

کیا حضرت خالدؓ شامی افواج کے سپہ سالارِ اعظم تھے؟

حضرت خالدؓ کی حیثیت کے متعلق مؤرخین کی بیان کردہ روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبری کی بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کو افواج شام کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں "حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان افواج کو یرموک کے مقام پر مجتمع ہو جانے کا حکم دیا۔ اور عراق سے حضرت خالد بن ولید کو ان سب کا سپہ سالار بنا کر بھیجا"۔[1] اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں "شام میں ابوعبیدہؓ، شرحبیلؓ، یزید اور عمرو بن العاص اپنی فوجیں لئے ہوئے موجود تھے ان تمام فوجوں کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے"[2] طبری کے علاوہ ایک اور مؤرخ مقدسی بھی لکھتے ہیں "کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کو عراق سے تمام اسلامی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر شام بھیجا"۔

تاہم یہ روایت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ حضرت خالد بن ولید صرف اس فوج کے سپہ سالار تھے جو ان کے ساتھ عراق سے آئی تھیں اس دعوے کے ثبوت میں مندرجہ ذیل امور پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ حضرت خالد کو امراء شام کی معاونت اور امداد کے لئے بھیجا گیا تھا ان پر امیر بنا کر نہیں۔

---

[1] طبری جلد ۴ صفحہ ۳۱۔ [2] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۵۔

۲۔ طبری میں مذکور ہے کہ جب یرموک پر تمام فوجیں اکٹھی ہو گئیں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں تو ہر فوج حضرت صدیقؓ کے حکم کے تحت اپنے ہی امیر کے پیچھے بھی نماز ادا کرتی تھی۔ البتہ بعض اوقات کوئی شخص کسی دوسرے امیر کے پیچھے بھی نماز ادا کر لیتا تھا۔ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو ایک طرف ٹھہرایا۔ اور علیحدہ نماز ادا کی اگر سپہ سالار اعظم ہوتے تو انہیں علیحدہ نماز ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں تو تمام فوجوں کا امام ہونا چاہیئے تھا۔

۳۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ نے تمام امراء کو اکٹھا کر کے انہیں یہ مشورہ دیا کہ موجودہ حالت میں علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے مناسب یہ ہے کہ تمام فوجوں کو ملا دیا جائے۔ اور باری باری ہر امیر قیادت کے فرائض انجام دے ساتھ ہی آپ نے یہ درخواست کی کہ اگلے روز کے لئے انہیں امیر مقرر کر دیا جائے اگر آپ سپہ سالار اعظم ہوتے تو آپ کو ایسا مشورہ دینے اور ایسی درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۴۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب حضرت خالدؓ بن ولید بصریٰ پہنچے اور اسلامی افواج سے ملے تو تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ اس روایت سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خالد کو حضرت صدیقؓ کی طرف سے سپہ سالار اعظم مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ خود اسلامی افواج کے امراء نے آپ کی جنگی قابلیت کو دیکھ کر انہیں اپنا امیر بنا لیا تھا۔

جنگ یرموک[1]

رومیوں سے لڑنے کیلئے مسلمانوں کی فوجیں یکجا نہیں تھیں بلکہ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے امیر کے ماتحت پڑی ہوئی تھیں یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک تھی۔ رومیوں کے عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کا کوئی لشکر بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ طبری کے بیان کے بموجب رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار کے

---

[1] سید امیر علی یرموک کے متعلق لکھتے ہیں "یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو جولان کی سمت سے نکل کر جھیل گیلیلی کے جنوب میں، چند میل کے فاصلے پر (باقی صفحہ ۱۸۴ پر)

تنگ ہو گئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی مجموعی تعداد چھتیس[۳۶] ہزار اور بعض روایات کے بموجب چھیالیس[۴۶] ہزار تھی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کو بھی رومیوں کی عظیم الشان فوج کے مقابلے میں کوئی نسبت نہیں تھی۔ چہ جائیکہ علیحدہ علیحدہ ہر لشکر کی کچھ حیثیت ہوتا۔

جب خالد یرموک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ہر فوج اپنے اپنے امیر کے ماتحت علیحدہ علیحدہ منظم ہے اور علیحدہ ہی نماز ادا کرتی ہے تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو علیحدہ ہی ٹھہرایا اور علیحدہ ہی نماز پڑھی۔ اس وقت مسلمان رومیوں کی عظیم الشان فوج کو دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ اور رومی باہان اور اس کی فوجوں کے آنے سے خوش تھے۔

حضرت خالدؓ کے پہنچنے پر طرفین میں لڑائی شروع ہوئی۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی اور پسپا ہو کر خندقوں تک ہٹ گئے۔ ایک مہینے تک یہ لوگ لڑائی کیلئے آگے نہ بڑھے۔ پادری اور راہب اس عرصے میں انہیں جوش و خروش دلاتے رہے اور یہ کہہ کر ان کے مذہبی جذبات کو ابھارتے رہے کہ اگر اس موقع پر تم نے بزدلی دکھائی تو پھر عیسائیت کا خاتمہ ہے پادریوں کی تدابیر کارگر ثابت ہوئیں پورے ایک ماہ بعد رومی ایک ایسے ولولے اور جوش کے ساتھ میدان میں نکلے جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی۔

جب مسلمانوں نے رومیوں کی جنگی تیاریاں دیکھیں تو وہ بھی بدستور سابق علیحدہ علیحدہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت خالدؓ نے اس طریقے کو پسند نہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ اسطرح رومیوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ اور مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچے گا رومیوں کا لشکر ڈھائی لاکھ اشخاص پر مشتمل ہے اور ایک کمان کے تحت پوری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳) دریائے اردن میں جا گرتا ہے دونوں دریاؤں کے مقام اتصال سے تیس میل اوپر دریائے یرموک نصف دائرے کی صورت میں چکر کاٹتا ہے جس سے اتنا وسیع میدان بن جاتا ہے کہ اس میں ایک پوری فوج سما سکتی ہے۔ اس دریا کے کنارے پر گہرے کھڈ تھے اسی کھائی کو واقوصہ کہتے ہیں جسے اسلامی تاریخ میں زبردست شہرت حاصل ہے۔" (تاریخ اسلام از سید امیر علی صفحہ ۳۰)

طرح منظم ہے اگر اسلامی فوجوں نے ان سے علیحدہ علیحدہ جنگ کی تو مسلمانوں کے حصے میں سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں آئے گا وقت کا تقاضا یہ ہے کہ پانچوں اسلامی فوجوں کو ایک ہی نظام میں منسلک کر دیا جائے اور وہ ایک ہی امیر کے ماتحت منظم اور مجتمع ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ چنانچہ آپ نے تمام امراء کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

"آج کا دن اللہ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے آج کسی کے لئے فخر و مباہات اور خود رائی و خود ستائی مناسب نہیں۔ جہاد خالص اللہ کے لئے کرو۔ اور اپنے اعمال کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم سے جو ہر طرح مرتب اور منظم ہے تمہارا علیحدہ علیحدہ لڑنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں اگر انہیں جو تم سے دور ہیں (یعنی صدیقؓ) تمہارے حالات کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم تو نہیں ملا لیکن تم اس معاملے کو اس طرح سرانجام دو گویا یہ تمہارے خلیفہ اور اس کے خیر خواہوں کا حکم ہے۔"

حضرت خالدؓ کی تقریر سن کر امراء نے کہا "آپ ہی فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے؟"

آپ نے فرمایا "حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہ مہم بآسانی سر کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالات کا علم ہوتا تو وہ ضرور تمہیں اکٹھا رکھتے۔ جن حالات میں سے تم گزر رہے ہو وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور مشرکین کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم علیحدہ علیحدہ ہو مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو الگ الگ شہر کے لئے نامزد کیا گیا ہے لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نہ تمہارے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ اللہ اور امیر المومنین کے نزدیک تمہارا درجہ کم ہو گا۔ ذرا دیکھو تو سہی دشمن نے کتنی زبردست تیاری کر رکھی ہے یاد رکھو اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا۔ تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلتے ہی رہیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمیں شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ میری تجویز اس بارے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو باری باری امارت کا موقع ملنا چاہئے آج اگر

ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پرسوں تیسرا، ترسوں چوتھا، یہاں تک کہ ہر شخص کو امیر بننے کا موقع مل جائے۔ آج کے دن کے لئے تم مجھے امیر بنا دو"۔

حضرت خالد کی رائے نہایت معقول تھی تمام امرا اُس پر متفق ہو گئے اور پہلے روز کے لئے انہوں نے حضرت خالد کو امیر مقرر کر دیا یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کی یورش آج بھی عام دنوں کی طرح ہی ہوگی، اور لڑائی بہر حال طول کھینچے گی۔ اسلئے باری باری ہر ایک کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔

حضرت خالد نے لشکر کو جس طریقے سے مرتب کیا وہ عربوں کے لئے بالکل الوکھا تھا آپ نے اسلامی لشکر کو اڑتیس دستوں میں منقسم کیا[۱] اور فرمایا تمہارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اپنی کثرت تعداد پر نازاں ہے اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم فوج کے بہت سے دستے بناویں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے زیادہ نظر آئے"۔ قلب میں آپ نے اٹھارہ دستے رکھے ابو عبیدہ کو ان کا سردار بنایا ان دستوں میں عکرمہ بن ابو جہل اور قعقاع بن عمرو بھی شامل تھے میمنہ پر آپ نے دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان دستوں میں شرجیل بن حسنہ بھی تھے، میسرہ پر دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار یزید بن ابو سفیان کو مقرر کیا۔ ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو میمنہ، میسرہ اور قلب کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا۔ ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو اپنی بہادری، جوانمردی اور شجاعت میں اپنی نظیر آپ تھے، مثلاً قعقاع بن عمرو، عکرمہ بن ابو جہل، عیاض بن غنم، ہاشم بن عتبہ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید[۲]۔

حضرت خالدؓ نے اس ترتیب[۳] کے علاوہ لشکر کا ایک ہراول دستہ بھی بنایا تھا

---

[۱] الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۳ میں ان دستوں کے امراء کا ذکر تفصیل سے درج ہے یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔

[۲] حضرت خالد کے بیٹے کی عمر اسوقت اٹھارہ برس کی تھی (الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۳)

[۳] یہ ترتیب اور نظام اس نظام سے چنداں مختلف نہیں جو آجکل اختیار کیا جاتا ہے

حبس کا سردار قبات بن اشیم کو مقرر کیا۔ تامی کی خدمت حضرت ابوالارداء کے سپرد ہوئی لشکر کے قاری حضرت مقداد تھے جو لشکر کو سورۂ انفال (جس میں جہاد کا ذکر ہے) پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ سامان کے افسر حضرت عبداللہؓ بن مسعود تھے واعظ حضرت ابوسفیان تھے وہ لشکر میں گشت کرتے رہتے تھے، اور ہر دستے کے سامنے ٹھہر کر کہتے تھے "اللہ اللہ حامیان عرب ہو اور دین اسلام کے مددگار۔ تمہارے مدمقابل حامیان روم اور شرک کے مددگار ہیں۔ اے اللہ آج کی جنگ صرف تیرے نام کے لئے ہے، اے اللہ! اپنے بندوں پر مدد نازل فرما

ان انتظامات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور جوش و جذبہ اور دشمن پر فتح پانے کا عزم صمیم پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ دوسری طرف آپ نے دشمن کے دل میں، جو اپنی طاقت اور کثرت پر نازاں تھا مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا اور اس کے تمام عزائم پر اوس پڑ گئی۔

ان تمام انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے قلب کو جس میں قعقاع بن عمرو۔ اور عکرمہ بن ابوجہل شامل تھے آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا یہ دونوں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور جنگ شروع کر دی۔

جنگ کی آگ پورے زور و شور سے بھڑک اٹھی تھی، ہر طرف گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی جھنکاروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یکایک رومی فوج کے قلب کا سردار جرجہ اپنے لشکر سے نکلا اور مسلمانوں اور رومیوں کی صفوں کے درمیان آکر پکارا کہ خالد میرے پاس آئیں حضرت خالدؓ ابوعبیدہ کو اپنی جگہ متعین کر کے اس کے پاس پہنچ گئے دونوں سردار ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ جرجہ نے کہا اے خالد میں تم سے کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے جوابات صحیح صحیح دینا، جھوٹ مت بولنا کیونکہ شریف آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ نہ ہی مجھے دھوکہ دینا کیونکہ کریم النفس انسان کبھی کسی کو دھوکہ

نہیں دیتا۔ پہلی بات تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار لے اتاری تھی؟ جو انہوں نے تمہیں دے دی اور اسی کی برکت ہے کہ جس قوم پر تم اس تلوار کو استعمال کرتے ہو وہ شکست کھا جاتی ہے؟ حضرت خالدؓ نے فرمایا نہیں۔ جرجہ نے پوچھا پھر تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا وہ اللہ نے ہم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا۔ شروع میں تو ہم سب نے انکا انکار کیا۔ لیکن پھر ہم میں سے بعض نے انہیں قبول کر لیا۔ اور ان کی اطاعت اختیار کر لی لیکن بعض بدستور انکار اور تکذیب کرتے رہے میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے آپ کا انکار کیا۔ آپ سے دور دور رہے اور آپ سے لڑے پھر اللہ نے ہمارے دلوں پر قبضہ کر کے ہمیں ہدایت دی اور ہم نے نبی کی اطاعت اختیار کر لی۔ رسول اللہ نے مجھے فرمایا کہ تم اللہ کی تلوار ہو جس نے اسے مشرکین پر مسلّط کیا ہے ساتھ ہی میری فتحمندی کی دعا فرمائی۔ اسی وجہ سے میرا لقب سیف اللہ پڑ گیا۔ اور اسی وجہ سے میں مشرکوں کے لئے سب سے سخت مسلمان ہوں۔ جرجہ نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو؟ حضرت خالدؓ نے فرمایا میں تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اس کے بندے اور رسول ہیں! اور اقرار کرو کہ رسول اللہ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے" جرجہ نے کہا اگر کوئی ان باتوں کو قبول نہ کرے، تب کیا صورت ہو گی؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا "تب وہ جزیہ ادا کرے، ہم اس کی جان و مال کے محافظ ہونگے"! جرجہ نے کہا "اگر وہ جزیہ بھی ادا نہ کرنا چاہے؟ حضرت خالد نے فرمایا "تب ہم اسے

لہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ خالد کے ہاتھ میں جو تلوار ہے جو آسمان سے اتری ہے اس تلوار کے ذریعے خالد اپنے ہر دشمن کو شکست دیتے ہیں اور یہ تلوار انہیں رسول اللہ نے مرحمت فرمائی تھی اس بات کے زیادہ پھیلنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان حضرت خالد کو ہمیشہ سیف اللہ کے لقب سے پکارتے تھے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سردار جس کا نام طبری نے جرجہ بن توذر (جارج بن تھیوڈورس) لکھا ہے عربی جانتا تھا کیونکہ اس نے خالد سے بغیر کسی ترجمان کے گفتگو کی۔ (تاریخ اسلام مؤلفہ شیخ عبدالوہاب بخار صفحہ ۹۹)

لڑائی کی دعوت دیں گے، اور اس سے جنگ کریں گے۔" جرجہ نے پوچھا "اس شخص کا کیا رتبہ ہوگا جو آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے اور تمہاری دعوت قبول کر لے؟" حضرت خالد نے جواب دیا، "اللہ نے جو فرائض ہم پر عائد کئے ہیں ان کے لحاظ سے ادنیٰ و اعلیٰ، اوّل اور آخر سب برابر ہیں اور ہم رُتبہ ہیں۔" جرجہ نے پوچھا "جو شخص آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے کیا اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو تمہیں ملے گا؟" حضرت خالد نے جواب دیا "بے شک اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو ہمیں ملے گا۔ بلکہ ہم سے بھی زیادہ" جرجہ نے پوچھا "وہ کس طرح ثواب میں تمہارا ہم رتبہ ہو گا جب کہ تم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہو؟" حضرت خالد نے جواب دیا "جب ہم دین اسلام میں داخل ہوئے اس وقت رسول اللہ بقید حیات تھے آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ ہمیں زمین و آسمان کی خبر سناتے تھے جس شخص کو وہ ایمان افروز نظارے دیکھنے کا موقع ملا جو ہم نے دیکھے اور ان آیاتِ الٰہی کے سننے کا موقع ملا جو ہم نے سنیں، اس کے لئے لازم تھا کہ وہ اسلام لاتا۔ اور رسول اللہ کی بیعت کرتا۔ لیکن تم لوگ کہ جنہوں نے نہ وہ چیزیں دیکھیں جنہیں ہمیں دیکھنے کا موقع ملا۔ اور نہ وہ عجیب و غریب باتیں سنیں جنہیں سُننے کا ہمیں موقع ملا۔ اگر صدقِ دل اور خلوص نیت سے دین اسلام میں داخل ہو گئے تو ہم سے افضل ہو گئے۔" جرجہ نے یہ سن کر کہا "مجھ سے قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ سب باتیں سچ کہی ہیں۔ مجھے دھوکا تو نہیں دیا۔ اور میرا دل خوش کرنا تو نہیں چاہا؟" حضرت خالد نے فرمایا "میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تم سے جو کچھ کہا سچ ہے مجھے تمہارا یا کسی اور کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا میں نے ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا ہے۔" جرجہ نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی ڈھال اُلٹ دی اور حضرت خالد کے ساتھ ہو لیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دو۔" حضرت خالدؓ اسے اپنے خیمے میں لے گئے اور پانی کی ایک مشک مہیا کی جس سے اس نے غسل کیا۔ پھر حضرت خالدؓ نے اسے وضو کرایا اور دو ۲ رکعت نماز پڑھائی۔

جب یہ رومی سردار حضرت خالدؓ کے ساتھ چلا تو رومی سمجھے کہ ان کے سردار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے یہ خیال کر کے انہوں نے بھی مسلمانوں کو ان کی جگہ سے پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن مددگار دستے جن پر عکرمہ اور حارث بن ہشام متعین تھے اپنی جگہ جمے کھڑے رہے اسی اثناء میں حضرت خالد جرجہ کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آ گئے اس وقت رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے آپ نے مسلمانوں کو للکارا جس پر ان کے قدم جم گئے۔ انہوں نے رومیوں پر حملہ کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیا کوئی شخص بھی حضرت خالدؓ کے مقابلے میں میدان میں قائم نہ رہ سکا۔ خالد اور جرجہ حملہ کرتے تھے تو صفوں کی صفیں پلٹ دیتے تھے، حضرت خالد اور جرجہ صبح سے لیکر مغرب تک برابر رومیوں سے لڑتے رہے آخر کار جرجہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے سوائے ان دو رکعتوں کے جو اسلام لانے کے وقت ادا کی تھیں اور کوئی نماز ادا نہیں کی۔ جنگ کی شدت کے باعث مسلمان باقاعدہ نمازیں ادا نہ کر سکے اور انہوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں میدان جنگ ہی میں اشاروں کے ساتھ ادا کیں۔

مسلمانوں کے حملے کی شدّت کے باعث رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے حضرت خالدؓ ان کے قلب میں گھس گئے میدان جنگ لڑنے کے لیئے تو بے حد وسیع تھا مگر بھاگنے کیلئے بہت تنگ تھا۔ جب حضرت خالدؓ لڑتے ہوئے آگے بڑھ آئے تو رومیوں کے گھوڑوں کو بھاگنے کے لیئے راستہ مل گیا۔ اور وہ بے تحاشا صحرا کی جانب بھاگنے لگے مسلمانوں نے بھی ان سے تعرض نہ کیا بلکہ بھاگنے کیلئے راستہ دے دیا۔ رومی سوار بھاگ کر جہاں جس کے سینگ سمائے چل دیئے۔

سوار تو بھاگ گئے مگر پیدل فوج کو بھاگنے کے لیئے راستہ نہ مل سکا اب حضرت خالد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندق میں گھس گئے حضرت خالد وہاں بھی پہنچ گئے تو انہوں نے واقوصہ کی گھاٹی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کیلئے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں وہ دھڑا دھڑ اس گھاٹی سے گرنے لگے اگر ایک گرتا تھا تو اپنے ساتھ

دس کو لیکر گرتا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا، وہ لوگ کھڈ کو نہ دیکھ سکے جو رومی بھاگ کر ادھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری، وہ بھی اس کھڈ میں گرتے جاتے طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقوصہ کی گھاٹی کی نظر ہوئے ان میں سے اسی ہزار نے اپنے آپ کو بیڑیوں سے باندھ رکھا تھا یہ تعداد ان سواروں اور پیدلوں کے علاوہ ہے جو میدان جنگ میں کام آئے یہ لڑائی دن اور رات کے اکثر حصّہ میں جاری رہی۔ صبح طلوع ہونے سے پہلے ہی خالد رومی لشکر کے سپہ سالار اعظم کے خیمے تک پہنچ چکے تھے، یہ جنگ حضرت عمرؓ کے عہد کی پہلی جنگ ہے اور یہ حضرت صدیقؓ کی وفات کے بعد وقوع میں آئی [۱]

رومیوں کے بڑے بڑے سرداران فوج اس عبرتناک شکست کو برداشت نہ کر سکے انہوں نے اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کیلئے اپنی ٹوپیوں سے اپنے منہ چھپالئے اور میدان کے ایک جانب ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اگر ہم مسرّت کا دن دیکھنے اور عیسائیت کی حمایت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو اس ذلت اور بدبختی کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں قتل کر دئے گئے [۲]

اس جنگ میں مسلمانوں نے جس بہادری اور جوش و صبر و استقامت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ عکرمہ بن ابو جہل نے جب دیکھا کہ رومیوں کا دباؤ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے تو انہوں نے جوش میں آکر کہا میں رسول اللہ کے ساتھ ہر میدان

---

[۱] گو جنگ یرموک حضرت عمرؓ کے عہد میں وقوع پذیر ہوئی لیکن ہم نے اسے حضرت صدیقؓ کے زمانے میں اس لئے شمار کیا کہ اس کی تیاری آپ ہی کے عہد میں کی گئی تھی۔

[۲] یہ عادت آج بھی بعض عربی قبائل میں پائی جاتی ہے کہ جب لشکر شکست کھا جاتا ہے تو اس کے سردار اپنے آپ کو شکست کے عار سے بچانے کے لئے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب دشمن کے سپاہی آکر اپنی تلوار سے انکا کام تمام کر دیتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء از شیخ عبدالوہاب نجار)

میں لڑتا رہا ہوں۔ کیا آج کی لڑائی میں تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا! خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"
یہ کہہ کر وہ پکارے "آؤ موت کے لئے کون بیعت کرتا ہے"؟ یہ سن کر حارث بن ہشام، ضرار
بن ازور اور چار سو دوسرے بہادر اور معزز مسلمان اور شہسواروں نے عکرمہ کے ہاتھ
پر موت کی بیعت کی۔ ان لوگوں نے حضرت خالدؓ کے خیمہ کے سامنے بے جگری سے
لڑنا شروع کیا۔ ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا۔ اور زخمی ہونے سے تو
کوئی بھی نہیں بچا۔ عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ شدید زخمی ہونے کی حالت
میں حضرت خالدؓ کے پاس لائے گئے۔ حضرت خالدؓ نے عکرمہ کا سر اپنی ران پر اور عمرو کا
اپنی پنڈلی پر رکھ لیا۔ آپ دونوں باپ بیٹوں کے منہ سے خون پونچھتے جاتے اور ان کے
حلق میں پانی کے قطرے ٹپکاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "ابن حنتمہ (حضرت عمر
فاروق) نے غلط سمجھا تھا کہ ہم شہادت حاصل کرنا چاہتے۔"

اس جنگ میں صرف شہسواروں اور بہادروں ہی نے کارہائے نمایاں انجام نہیں
دیئے بلکہ مسلمان عورتیں بھی فوج کی مدد کرنے میں کسی طرح پیچھے نہیں رہیں۔ وہ میدان جنگ
میں پانی پلاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور اپنے مردوں کے دلوں میں جوشیلے الفاظ کے
ساتھ غیرت و حمیت کے جذبات بھڑکاتی پھر رہی تھیں۔ بعض عورتوں نے تو باقاعدہ
جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔[2]

جنگ یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے صرف صحابہ
کرام ایک ہزار کی تعداد میں تھے اس جنگ میں شہید ہونے والے بدری صحابہ کی تعداد
ایک سو تھی۔

دوران جنگ ہی میں مدینہ سے حضرت عمر فاروقؓ کا قاصد حضرت ابوبکرؓ کی وفات
کی خبر اور حضرت خالد کی (عراق افواج کی سپہ سالاری سے) معزولی اور ان کی جگہ حضرت
ابوعبیدہ کے تقرر کا حکم لے کر پہنچا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو اس سے مدینے
کے حالات پوچھنے شروع کئے اس نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر کہا کہ مدینہ میں ہر طرح

۱؎ الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۶ ۲؎ الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۶

خیریت ہے اور تمہاری امداد کے لئے مزید فوجیں آرہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت خالدؓ کو لے جا کر تمام حالات بتائے اور جو کچھ اس نے فوج سے کہا تھا وہ بھی بتایا حضرت خالدؓ نے اس کے فعل کی تعریف کی اور اس سے خط لے کر اپنے ترکش میں ڈال لیا۔ انہوں نے حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر کو مشتہر نہ کیا۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان یہ خبر سن کر ہمتیں نہ ہار جائیں۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو بلا کر حضرت عمرؓ کا خط ان کے سپرد کیا اور امارت کا کام انہیں سونپ کر ان کی ماتحتی قبول کرلی۔

فتح یرموک پر کئی شعراء نے طبع آزمائی کی ہے یہاں مثال کے طور پر قعقاع بن عمرو کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

الم تر نا علی الیرموک فزنا
کما فزنا بایّام العراق
قتلنا الروم حتّیٰ ما تساوی
علی الیرموک مفروق الوراق
فضضنا جمعهم لما استحالوا
علی الواقوصة البتر الرقاق
عداة تهافتوا فیها فصاروا [1]

(کیا تم نے دیکھا کہ ہم جنگ یرموک کے موقع پر بھی اسی طرح کامیاب ہوئے جس طرح ہم عراق میں کامیابی حاصل کر چکے تھے، ہم نے رومیوں کو بے دریغ قتل کیا۔ اور ان کی جمعیت کو واقوصہ میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ان کی تلواریں ان کے کسی کام نہ آئیں وہ واقوصہ گھاٹی سے گر کر ختم ہوگئے ان کا انجام حد درجہ عبرتناک ہوا۔ شکست اور نامرادی کے جو کڑوے گھونٹ انہوں نے پیئے ان کا بیان کرنا کس کے بس میں نہیں)

مشرق کی تاریخ میں یہ جنگ ایک فیصلہ کن معرکے کی حیثیت رکھتی ہے اس جنگ کے ذریعے نہ صرف ایک وسیع خطے سے قیصر روما کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۸۹

ختم ہو گیا۔ بلکہ بلاد بنو الاصفر (شام) میں اسلامی فتوحات کا دروازہ بھی کھل گیا۔

اس جنگ کے موقع پر جو کچھ پیش آیا وہ فنون جنگ اور امور قیادت کا ایک عظیم مظاہرہ تھا۔ جس وقت خالد شام پہنچے اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے علیحدہ علیحدہ جنگ کر رہے تھے۔ ہر لشکر اپنے امیر کے ماتحت لڑتا تھا یعنی یکجہتی مفقود تھی ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کئی گنا تھی، اور جنگی ساز و سامان کی بھی ان کے پاس فراوانی تھی۔ ہرقل نے اپنی فوجیں اسی خیال سے جمع کی تھیں کہ مسلمانوں کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ پھر انہیں سر اٹھانے اور شام کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر ان حالات میں مسلمان پراگندگی اور انتشار کی حالت میں رہتے تو ان کی کامیابی ناممکن تھی۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ نے اپنی قابلیت اور جنگی استعداد کا جو مظاہرہ کیا اس نے مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچا کر ان کیلئے فتح و ظفر کے راستے کھول دئے، انہوں نے مسلمانوں کو جمع کر کے ایک تقریر کے ذریعے ان کی کمزوریوں کو ان پر عیاں کیا۔ اور بتایا کہ علیحدہ علیحدہ قیادت کے ماتحت دشمنوں سے جنگ کرنا سخت نقصان کا موجب ہوگا۔ اور اس وقت ان کے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تمام مسلمان ایک سپہ سالار کی قیادت میں جنگ کریں۔ اور تمام احکام اسی سے حاصل کریں۔ اس بے نظیر تجویز پر اتفاق کے بعد جب حضرت خالد کے سپرد قیادت کا مہتم بالشان کام سپرد کیا گیا تو آپ نے لشکر کو جس طرح ترتیب دیا اور جس طرح اس کی صف بندی کی وہ عربوں کے لئے بالکل نیا تجربہ تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو مسلمانوں کی تعداد ان کی اصل تعداد سے بہت زیادہ نظر آنے لگی اور وہ مسلمانوں سے بے حد مرعوب ہو گئے۔

مسلمانوں کے مختلف لشکروں کو ایک قیادت کے تحت متحد کرنے کا تجربہ موجودہ زمانے میں بھی اختیار کیا گیا اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں اتحادی قوموں کی فوجیں اپنے اپنے ملک کے کمانڈر انچیف کے ماتحت تھیں۔ لیکن جب جرمنی کی فوجوں نے پیش قدمی شروع کی تو اتحادیوں کو بڑے سوچ بچار اور غور و

فکر اور باہمی صلاح ومشورے کے بعد اس طریقہ پر عمل کرنا پڑا جو تیرہ سو سال پہلے یرموک کے میدان میں حضرت خالد اختیار کر چکے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی تمام فوجوں کو متحد کر کے ایک سپریم کمانڈر کے ماتحت کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں بالآخر فتح اور کامرانی نصیب ہوئی[1] بایں ہمہ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے جنگ یرموک کے موقع پر یہ تجویز پیش کرنے والی ذات صرف اور صرف اکیلے خالد کی تھی، لیکن جنگ عظیم کے موقع پر پورے دو سال کے غور وفکر اور بڑے بڑے جنگی مدبرین کی متعدد کانفرنسوں کے بعد یہ تجویز عمل میں لائی گئی۔ حضرت خالدؓ نے کسی جنگی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی لیکن اتحادیوں کے کمانڈر اور فوجی افسر دنیا کے بڑے بڑے فوجی کالجوں اور عظیم جنگی تربیت گاہوں کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے، حضرت خالد کے ذہن میں یہ تجویز آج سے تیرہ سو سال پہلے آئی تھی۔ جبکہ فنون جنگ ابتدائی حالت میں تھے، لیکن اتحادیوں نے یہ سبق اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد اس وقت سیکھا جبکہ جنگی علوم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھا۔ کیا ان واقعات پر غور کرنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت خالد ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے اور مادر گیتی ان جیسا عظیم الشان قائد آج تک پیدا نہ کر سکی

جنگ یرموک کے موقع پر ایک شخص نے رومیوں کی طرف نظر ڈالی اور کہنے لگا "اوہو، رومی کتنے زیادہ ہیں، اور مسلمان کتنے کم"۔ حضرت خالد نے فرمایا "او ہو رومی کتنے کم ہیں اور مسلمان کتنے زیادہ! یاد رکھو فوجیں اللہ کی مدد کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناکامی و بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں۔ فتح وشکست کا دارومدار آدمیوں کی کثرت و قلت پر نہیں ہوتا ـــــ پھر فرمایا ـــــ کاش میرے گھوڑے اشقر[2] کا پاؤں ٹھیک ہوتا۔ پھر چاہے دشمن تعداد میں ہم سے کتنے گنا کیوں نہ ہوتے مجھے ان کی مطلق پروا نہ ہوتی"۔

---

[1] دوسری جنگ عظیم میں بھی یہی طریقہ آزمایا گیا اور موجودہ زمانے میں بھی معاہدہ شمالی اوقیانوس کی تنظیم کے تحت مغربی یورپ کی افواج کو ایک کمان کے تحت کر کے اسی اصول کو اپنایا جا رہا ہے (مترجم)

[2] اشقر حضرت خالد کے گھوڑے کا نام تھا قراقر سے سویٰ آتے ہوئے اسکا پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔

ہم اس عظیم الشان شخص پر جسقدر بھی غور کرتے ہیں اسکی شخصیت کے نت نئے پہلو اُجاگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور حیرانی ہوتی ہے کہ یہ شخص کس قدر بلند مرتبے کا مالک تھا۔ اس واقعے کو دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی نازک و پرہول و پرخطر موقع پر بھی آپ کو نصرت خداوندی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ ایک سپہ سالار دشمن کے لشکر کی عظیم الشان تعداد، اس کے نظام، اس کی ترتیب اور صف بندی کو دیکھتا ہے بظاہر کوئی شکل اس کی فوج کی فتحیابی کی نہیں ہے لیکن وہ دشمن کی تعداد اور اس کی تیاریوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہتا ہے کہ فتح و نصرت کا دارو مدار فوجوں کی کثرت پر نہیں بلکہ خدائی نصرت پر ہوتا ہے یہ اطمینان اور یہ وثوق محض ایمان کا نتیجہ تھا اور یہ ایمان اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے اللہ دے۔

جس وقت رومی سردار جرجہ نے آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ سے ان کے لقب "سیف اللہ" کی تشریح چاہی تو آپ نے اسے کسی دھوکے میں رکھنا یا دھوکا دینا نہیں چاہا حالانکہ آپ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتے تھے اس کے خلاف آپنے بغیر کسی قسم کی رنگ آمیزی کے اس کے سامنے حقیقت بیان کر دی اور بڑے دلنشیں پیرائے میں اسے اسلام لانے کی دعوت دی۔ حضرت خالد کی صدق گوئی اور اسلامی اصول کو نہایت اعلیٰ پیرائے میں بیان کرنے کا اثر تھا کہ جرجہ نے میدان جنگ میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس واقعے سے حضرت خالد کی شخصیت کے پیکر اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت میں سامنے آتی ہے۔

اسی پر بس نہیں قربانی اور جہاد کا جو نمونہ اس موقع پر حضرت خالد نے پیش کیا اس کی نظیر آج تک دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے ایسے وقت میں جبکہ انسانوں کو اپنے عظیم الشان کارناموں کے بدلے میں اپنے لئے انعام و اکرام اور بہترین صلے کی توقع ہوتی ہے حضرت خالد کے پاس حکم پہنچتا ہے کہ انہیں امارت سے معزول کیا جاتا ہے اس وقت لڑائی کی آگ پورے زور شور سے بھڑک رہی تھی لیکن آپ کے دل میں ذرہ بھر بھی ملال پیدا نہ ہوا جس جوش و خروش سے پہلے دشمن کا مقابلہ کر

رہے تھے اسی جوش سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعد میں مقابلہ کرتے رہے نہ ان کی جرأت مندی میں کوئی فرق آیا نہ ان کے اخلاص میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ وہ قائد کی روح کے ساتھ سپاہی اور سپاہی کی صورت میں قائد کے فرائض انجام دیتے رہے اور اس علم کے باوجود کہ وہ معزول ہو چکے ہیں اور اب جنگ کی فتح کا سہرا دوسرے شخص کے سر پر رکھا جائیگا اسوقت تک برابر دشمن سے لڑتے رہے جب تک اسے شکست نہ دیدی۔

اگر ایسا واقعہ ہمارے زمانہ میں پیش آئے اور کسی کمانڈر کی برطرفی اسطرح عمل میں لائی جائے تو یقیناً وہ جرنیل ہر ممکن طریقے سے اپنی ہتک کا بدلہ لینے کی کوشش کریگا۔ اور اپنے جانشین کو ناکام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس حکومت کا تختہ ہی الٹ دے جس نے اسکی قدر نہ پہچانی۔"

لیکن جب حضرت خالد کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معزول ہونے کے بعد اپنی وفات تک ایک ایسے سپاہی کی طرح کام کرتے رہے جو ریاست اور امارت کی صفات سے بالکل عاری ہوتا ہے لیکن اس عرصے میں آپ نے نہ کمزوری دکھائی اور نہ کبھی مفوضہ کام کو سرانجام دینے سے انکار کیا۔ بلکہ اخلاص جوش وخروش اور تندہی کے ساتھ بدستور دین کے کام میں مصروف رہے آپ کو نہ اس بات پر ناز تھا کہ حضرت صدیقؓ آپ کی خدمات کے انتہائی معترف تھے اور نہ اس بات کا رنج کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو معزول کر دیا۔ آپ کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی مدعا۔ اور وہ تھا دین کی خدمت اور امام کی اطاعت۔ آپ فرمایا کرتے تھے "یہ تعریف اس خدا کے لئے زیبا ہے جس نے ابوبکر کو وفات دی وہ مجھے عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے اور تعریف اس خدا کیلئے زیبا ہے جس نے عمر کو حاکم بنا دیا۔ وہ مجھے ابوبکر کے مقابلے میں ناپسند تھے۔ مگر پھر مجھ سے جبراً ان کی محبت کرائی"[1]

جو لوگ بڑے فخر سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب پہلی جنگ عظیم میں سر چرچل

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۷۔

کو وزارت بحریہ سے علیحدہ کر دیا گیا تو وہ میدان جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑنے کے لئے چلے گئے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سب کچھ انہیں مثالوں کا اثر ہے جو اس سے پہلے حضرت خالد جیسے مسلمانوں نے دنیا کے سامنے پیش کیں۔ جو صفات آج یورپین اقوام میں پیدا ہو رہی ہیں وہ وہی ہیں جو تیرہ سو سال پہلے مسلمانوں میں موجود تھیں۔ انہی صفات کی وجہ سے مسلمان دنیا کے شہنشاہ اور مالک بن گئے اور انہی صفات پر عمل کر کے یورپین عوام دنیا میں سربلندی اور کامیابی حاصل کر رہی ہیں؛

یہاں پہنچ کر ان عظیم الشان فتوحات اور اعمال جلیلہ کا ذکر ختم ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں حضرت خالد کے ہاتھوں انجام پائے اور جنہیں خلیفۃ المسلمین کی پوری حمایت حاصل تھی، اب ہم نیا باب ایک نئے دور کے آغاز سے شروع کرتے ہیں۔ یہ دور حضرت عمرؓ کی خلافت اور حضرت خالد کی معزولی سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ حضرت خالد نے اپنی وفات تک ایک سپاہی کی حیثیت سے کیا کارہائے نمایاں سر انجام دیئے:۔

چوتھا حصّہ

خالدؓ حضرت عمرؓ کے عہد میں

فتح دمشق جنگ یرموک کا اختتام رومیوں کی شکست فاش، حضرت خالدؓ کی معزولی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی امارت پر ہوا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے مال غنیمت تقسیم کیا حضرت عمرؓ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری بھیجی اور خمس ارسال کیا اس کے بعد یرموک کے علاقے میں بشیر بن کعب حمیری کو اپنا نائب بنا کر مفرورین کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور صفر کے مقام پر آکر اترے یہاں انہیں خبر ملی کہ رومی فحل میں جمع ہو رہے ہیں، ساتھ ہی انہیں یہ اطلاع بھی ملی کہ اہل دمشق کی امداد کے لئے حمص سے کمک آرہی ہے آپ نے ان حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی اور ان سے ہدایت طلب کی کہ رومیوں پر حملے کا آغاز فحل سے کیا جائے یا دمشق سے۔ خود جواب کے انتظار میں وہ صفر میں ہی ٹھہر گئے۔ حضرت عمرؓ کا جواب آیا کہ اپنی کارروائی کا آغاز دمشق سے کرو کیونکہ دمشق شام کا قلعہ اور دارالحکومت ہے البتہ فحل کے سامنے بھی اپنا ایک دستہ متعین کردو۔ تاکہ جب تک تم دمشق سے فارغ نہ ہو جاؤ فحل والے کچھ کر نہ سکیں۔

اس حکم کی تعمیل میں حضرت ابوعبیدہ نے فحل کی جانب دس قائد عمارہ ابن مخش کی زیر سرکردگی روانہ کردئے، ذوالکلاع کو ایک دستہ دے کر انہیں دمشق اور حمص کے راستے پر متعین کردیا تاکہ حمص کی جانب سے کوئی مدد رومیوں کو نہ پہنچ سکے اسی طرح علقمہ بن حکیم اور مسروق کو دمشق اور فلسطین کے راستے پر متعین کردیا۔ تاکہ

فلسطین کی جانب سے کوئی رومیوں کا دستہ پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکے اس طرح چاروں طرف سے رومیوں کی کمک کے راستے مسدود کر دیئے گئے؛ ان انتظامات سے فارغ ہو کر ابو عبیدہ بعقر سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچ کر چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو باب فرادیس کے سامنے متعین کیا۔ شرجیل بن حسنہ کو باب توما کے سامنے، قیس بن ہبیرہ کو باب فرج کے سامنے اور حضرت خالدؓ کو باب شرقی کے سامنے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ خود ابو عبیدہ باب جابیہ کے سامنے اترے۔ ستر دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مسلمان اس دوران میں تیروں اور منجنیقوں کے ذریعے شہر پر حملے کرتے رہے ادھر اہل شہر ہرقل کی جانب سے کمک کے انتظار میں تھے لیکن چاروں طرف سے راستے بند تھے جب اہل شہر کو کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو وہ بے حد گھبرا گئے لے دے کر یہ امید باقی رہ گئی تھی کہ سردی کا موسم شروع ہونے والا ہے مسلمان یہاں کی شدید سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور واپس لوٹ جائیں گے لیکن ان کی یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی۔ اور مسلمان برابر شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔

حضرت خالد کی یہ عادت تھی کہ نہ خود سوتے تھے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے دشمن کی معمولی سے معمولی بات کا بھی انہیں پتہ رہتا تھا ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں انہیں معلوم ہوا کہ عیسائیوں کے سطریق (لاٹ پادری) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس نے خوشی میں تمام شہر والوں کی دعوت کی ہے، تمام لوگ دعوت کھانے میں مشغول ہیں اور اپنے مفوضہ کاموں اور فرائض سے بالکل غافل ہیں شہر کی محافظ فوج بھی شراب کے نشہ میں مست ہے آپ نے پہلے ہی سے سیڑھی نما کمندیں تیار کرا رکھی تھیں جب رات چھا گئی تو آپ نے فصیل پھاندنے کی تیاریاں شروع کیں اور ان لوگوں کو لے جا کر جو عراق سے آپ کے ساتھ آئے تھے، آگے بڑھے ان لوگوں میں پیش پیش قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی جیسے اشخاص تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت کی کہ جب تم فصیل سے ہماری تکبیروں کی آوازیں سنو تو فوراً

فصیل پر چڑھ آؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔ جب آپ اور آپ کے ساتھی دروازے
پر پہنچے جس کے سامنے آپ ڈیرہ ڈالے ہوئے پڑے تھے تو آپ نے اپنی کمندیں
فصیل کے کنگوروں پر پھینکیں۔ ان کی کمروں کے ساتھ وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن
کے ذریعے انہوں نے خندق کو تیر کر پار کیا تھا۔ جب کمندیں اچھی طرح کنگوروں سے
اٹک گئیں تو قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی ان کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور
تمام کمندوں کو جو ان کے ساتھ تھیں دوسرے کنگوروں میں اٹکا کر فصیل سے نیچے
لٹکا دیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جس جگہ سے وہ فصیل پر حملہ آور ہوئے تھے وہ جگہ تمام
شہر میں سب سے زیادہ مستحکم تھی، خندق بھی اس جگہ کافی تھی، اور پانی سے لبالب بھری
ہوئی تھی، اس طرح بظاہر یہ حصہ ناقابل عبور نظر آتا تھا۔ جب قعقاع اور مذعور ساری
کمندیں لٹکا چکے تو حضرت خالد اپنے باقی ساتھیوں کو لیکر فصیل پر چڑھ گئے کچھ لوگوں کو
تو حفاظت کے لئے فصیل پر ہی چھوڑا اور باقی لوگوں کو لے کر فصیل کے دوسری طرف
اتر گئے نیچے اتر کر آپ نے فصیل پر متعین لوگوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں
نے تکبیریں کہنی شروع کیں۔ جنہیں سن کر نیچے کھڑی ہوئی فوج کے کچھ آدمی تو کمندوں
کے ذریعے فصیل پر چڑھ آئے اور کچھ دروازے کی طرف بھاگے حضرت خالدؓ اپنے
قریب کے دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے اور دربانوں کو قتل
کر کے اور قفلوں کو توڑ کر دروازہ کھول دیا مسلمان فوج جو باہر منتظر کھڑی تھی شہر
میں داخل ہو گئی۔

جب شور و غل مچا تو تمام شہر والے جو شراب میں مدہوش تھے گھبرا کر اٹھ کھڑے
ہوئے لیکن ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مسلمان تلواریں چلاتے اور دشمنوں
کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب اہل شہر کو پوری طرح ہوش آیا اور
انہوں نے حقیقت کو سمجھا تو وہ شہر کے دوسرے دروازوں کی طرف بھاگے جن کے سامنے
دوسرے مسلمان سردار ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔

مسلمانوں نے اہل دمشق کو نصف نصف تقسیم پر مصالحت کی دعوت دی

تھی، لیکن انہوں نے یہ دعوت نامنظور کر دی تھی، اور بدستور مقابلے پر اڑے رہے جب حضرت خالد کی تلوار نے ان کا صفایا کرنا شروع کیا تو انہوں نے دوسری طرف کے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ رومیوں نے جھٹ پٹ شہر کے دروازے کھول دئیے اور کہا کہ ہمیں خالد کے حملے سے بچائیے چنانچہ شہر کے تین اطراف سے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے مشرقی جانب سے حضرت خالد دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے آرہے تھے شہر کے وسط میں ان کی ملاقات دوسرے مسلمان سرداروں سے ہوئی تھوڑی بہت بحث وتمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ حضرت خالد کی طرف کا حصہ بھی صلح کے حکم میں شامل ہوگا۔

مصالحت کی شرائط یہ تھیں کہ مفتوحین چاندی سونے اور جائیداد کا پانچواں حصہ ادا کریں۔ اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں سالانہ ادا کریں۔ لیکن شاہی خاندان اور اس کے ملحقین کی تمام زمینیں اور مملوکہ سامان مال غنیمت قرار دیا گیا[1]

معرکہ فحل

جب مسلمان دمشق کی فتح سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے فحل کا قصد کیا۔ کیونکہ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ فی الحال حمص اور دوسرے رومی شہروں کا رخ نہ کیا جائے کیونکہ رومیوں کی ایک بھاری فوج، جو مؤرخین کے اندازے کے مطابق اسی ہزار سے کم نہ تھیں، مسلمانوں کے عقب میں موجود تھی۔ خصوصاً فحل کی فوجیں رومیوں کیلئے ڈھال کا کام دے رہی تھیں۔ اور انہیں سے رومیوں کی توقعات وابستہ تھیں۔

حضرت ابوعبیدہ نے یزید بن ابوسفیان کو دمشق میں اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑا۔ اور اسلامی لشکر فحل کی جانب روانہ ہوا۔ اس فوج کے سپہ سالار شرجیل بن حسنہ تھے کیونکہ جب حضرت صدیق رضی کی جانب سے انہیں ہی اس علاقے کی حکومت تفویض کی گئی تھی۔ انہوں نے حضرت خالد کی تعظیم وتکریم کے خیال سے آپکو مقدمہ پر مقرر کیا۔ حضرت ابوعبیدہ کو میمنہ پر حضرت عمرو بن العاص کو میسرہ پر ضرار بن الازور

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۸

کو اور پیدل فوج پر عیاض بن غنم کو متعین کیا گیا۔

رومیوں نے جب سنا کہ مسلمانوں کی فوجیں فحل پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھی چلی آ رہی ہیں تو انہوں نے ندیوں کے بند توڑ دیے جس سے ارد گرد کی تمام زمین زیر آب ہو گئی۔ اور دلدل بن گئی۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس صورت حال سے بڑے کبیدہ خاطر ہوئے لیکن آخر یہی دلدلیں ان کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہوئیں۔"

مسلمان ایک لمبے عرصے تک وہاں ڈیرے ڈالے پڑے رہے رومیوں نے مسلمانوں کو غافل خیال کر کے ایک دن بڑے زور و شور سے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان بے خبر نہ تھے انہوں نے خوب ڈٹ کر رومیوں کا مقابلہ کیا۔ رات بھر اور اگلے روز رات تک میدان کارزار گرم رہا۔ آخر جب رومیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں تو انہوں نے پسپا ہونا شروع کیا۔ رات کا وقت تھا گھبراہٹ میں وہ راستہ بھول گئے اور شکست و پشیمانی نے انہیں دلدل اور کیچڑ میں دھکیل دیا اور وہ وہاں پھنس کر رہ گئے اسی ہزار فوج میں اِکّا دُکّا شخص کے سوا کوئی بچ کر نہ جا سکا۔ تمام فوج اسی جگہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ اس لڑائی کے بعد حضرت ابوعبیدہ حضرت خالد کو ہمراہ لیکر حمص روانہ ہوئے۔

جنگ مرج الرّوم

جب ہرقل کو دمشق اور اردن میں اپنے لشکروں کی شکست کی خبر ملی اور اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ارادہ اب حمص کو فتح کرنے کا ہے تو اس نے مشہور پادری توذر کی قیادت میں ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا بعد میں اس لشکر کو بھی ناکافی سمجھ کر اس نے شنس رومی کی زیر قیادت اتنا ہی بڑا ایک اور لشکر بھی توذر کے پیچھے روانہ کیا

دمشق کے مغرب میں مرج الرّوم کے مقام پر مسلمانوں کی ان دونوں لشکروں سے

مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ شنس رومی کے مقابل ہوئے اور حضرت خالدؓ توذر کے مقابلے میں نکلے صبح اٹھ کر مسلمانوں نے دیکھا کہ توذر اپنی فوج لیکر غائب ہے البتہ شنس اپنی فوج کے ہمراہ ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

حضرت خالد کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ توذر اپنی فوج لیکر دمشق کی جانب جارہا ہے آپ نے فوراً بھانپ لیا کہ توذر کا مقصد دمشق پہنچ کر اچانک اس فوج پر حملہ کرنا ہے جو شہر کی حفاظت کیلئے حضرت ابو عبیدہ نے یزید بن ابو سفیان کی زیر سرکردگی وہاں متعین کی تھی، حضرت خالدؓ، حضرت ابو عبیدہ سے مشورہ کر کے نہایت تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے اسے معلوم بھی نہ تھا کہ حضرت خالد اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور وہ دمشق پہنچ کر اسے مسلمانوں کی ایک فوج سے نہیں بلکہ دو فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔

ابھی توذر اور یزید بن ابو سفیان کی فوجوں کا مقابلہ شروع ہی ہوا تھا کہ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج کے ہمراہ دمشق پہنچ گئے۔ اور توذر کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ آگے سے یزید کی فوج کے نیزے رومیوں کے سینے چھلنی کر رہے تھے، اور پیچھے سے حضرت خالد کی فوج کی تلواریں ان کا کام تمام کر رہی تھیں فرار کے لئے انہیں کوئی راہ نہ ملتی تھی بہت ہی کم لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے فوج کا سپہ سالار توذر حضرت خالد کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ جنگ کے بعد حضرت خالد اور حضرت یزید بن ابو سفیان کی فوجوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم ہوا۔ اور حضرت خالد حضرت ابو عبیدہ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔ یہ جنگ ۱۵ھ میں واقع ہوئی۔[1]

فتح حمص[2]

جب ہرقل کو اپنی فوجوں کی تباہی کا حال معلوم ہو تو وہ حمص سے

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۵۳۔

[2] حمص شام کا بہت پرانا شہر ہے اس کے اردگرد مضبوط فصیل بنی ہوئی ہے یہ شہر دمشق اور حلب کے درمیان یکساں مسافت پر واقع ہے جنگوں سے فراغت (باقی صفحہ ۲۰۵ پر)

بھاگ گیا۔ اور حمص میں اپنے عمال کو حکم دے گیا کہ جہاں تک ہو سکے شدید سردی کے دنوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ سردی کی شدت سے حوصلہ ہار بیٹھیں اور جم کر مقابلہ نہ کر سکیں۔

حضرت ابو عبیدہ بعلبک کے راستے حمص روانہ ہوئے مقدمۃ الجیش کے طور پر آپ نے سمط بن اسود کندی کو اپنے آگے روانہ کر دیا تھا۔ اور حضرت خالد کو بقاع کے فتح کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ اسے فتح کرنے کے بعد آپ پھر حضرت ابو عبیدہ سے حمص آملے مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ بڑی سختی سے کیا ہوا تھا۔ جب سردی کا موسم گزر گیا اور رومیوں کی آخری امید بھی جاتی رہی تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو مسلمانوں نے منظور کر لی۔ اور شہر پر قبضہ ہو گیا۔

فتح حاضر حمص کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے حضرت خالدؓ کو قنسرین کی طرف بھیجا راستے میں حاضر کے مقام پر رومیوں کے ایک لشکر سے آپ کی مڈبھیڑ ہو گئی جس کا سردار میناس تھا۔ میناس، قیصر کے بعد رومیوں کی سب سے اہم شخصیت تھی۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ میناس اور اس کے لشکر کا اکثر حصہ میدان جنگ میں کام آیا۔

جنگ کے بعد حاضر کے باشندوں نے حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ ہم نے قیصر کے زور ڈالنے پر مجبوراً جنگ کی تیاری کی تھی۔ لیکن ہمارا دل آپ سے لڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے آپ براہ کرم ہماری جان بخشی کر دیجئے۔ حضرت خالد نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں چھوڑ کر آگے بڑھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) حاصل کرنے کے بعد حضرت خالد یہیں مقیم ہو گئے تھے یہیں آپ کی بیوی کی اور آپ کے بیٹے عبدالرحمان کی قبریں ہیں حضرت خالد کی قبر کے نزدیک ہی عیاض بن غنم کی قبر بھی ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۴۰)

فتح قنسرین[1]

حاضر سے روانہ ہو کر آپ قنسرین روانہ ہوئے شہر والے پہلے ہی سے قلعہ بند ہو کر بیٹھے تھے۔ حضرت خالدؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر والوں کو کہلا بھیجا کہ اس طرح قلعہ بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ گے تو اللہ یا ہمیں تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اتار لائے گا۔

اہل قنسرین کو بالآخر اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا انہوں نے صلح کی درخواست کی حضرت خالد نے یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ شہر کی فصیل کو منہدم کر دیا جائے گا شہر والوں نے جان کے خوف سے مجبوراً اس شرط کو منظور کر لیا اور حضرت خالد نے فصیل کو منہدم کرا دیا۔

ہرقل حمص چھوڑ کر "الرہا" چلا گیا تھا۔ وہاں اسے حاضر کے میدان جنگ میں رومی لشکر کی تباہی اور قنسرین کی فصیل کے انہدام کی خبریں ملیں جنہیں سن کر اسے یقین ہو گیا کہ اب شام میں اس کی بادشاہت قائم نہیں رہ سکتی۔ اسلئے وہ انتہائی یاس اور ناامیدی کی حالت میں کمال حسرت و افسوس سے یہ کہتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شام سے رخصت ہو گیا کہ "اے شام! رخصت ہونیوالے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں"۔

حاضر اور قنسرین میں حضرت خالدؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دئیے تھے انہیں سن کر آپ کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے بالکل تبدیل ہو گئی اور آپ نے فرمایا "خالدؓ نے اپنے کارناموں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا ہے۔ اللہ ابوبکرؓ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے"[2]

---

[1] قنسرین: شام کے ایک صوبے کا نام ہے۔ اسی صوبے میں قنسرین کا شہر بھی ہے جو حلب سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے (معجم البلدان صفحہ ۱۶۹ جلد ۷)

[2] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۵۵۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۴۴

فتح مرعش[۱] قنسرین کی فتح کے بعد حضرت خالد مرعش کی جانب روانہ ہوئے اسے فتح کرنے کے بعد اس کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا۔ اور شہر کو منہدم کرا دیا مرعش کی فتح کے بعد آپ نے حدث کا قلعہ فتح کیا[۲]

فتوحات کا اختتام

اب جبکہ ہم آپ کے عدیم المثال کارناموں اور فتوحات کے ذکر سے فارغ ہو چکے ہیں ایک ایسے اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں جو ان یورپین معترضین کی طرف سے جنہیں اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی عموماً پیش کیا جاتا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک بہت ہی قلیل وقت میں حضرت خالدؓ کے ایران و روم کی سلطنتوں پر چھا جانے اور ایک وسیع قطعۂ عرض پر قابض ہو جانے کا سبب مسلمانوں کی موت سے بے خوفی، اسلامی فوجوں کی شاندار بہادری، ان کے سرداروں کا بے نظیر جنگی تجربہ اور خدائی نصرت و امداد نہیں تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی فتح و نصرت محض اس وجہ سے تھی کہ اس وقت یہ غیر اسلامی حکومتیں داخلی انتشار میں مبتلا ہو کر کمزور ہو چکی تھیں مسلمانوں نے اس داخلی انتشار سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور پے درپے حملے کر کے حسب منشا کامیابی حاصل کی:۔

بادی النظر میں اگرچہ یہ اعتراض صحیح منظر آتا ہے لیکن ان لوگوں سے جنہیں تاریخ کے حقائق کا ذرا بھی علم ہے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس اعتراض میں کہاں تک صداقت ہے یہ ٹھیک ہے کہ یہ حکومتیں اسوقت داخلی انتشار میں مبتلا تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دونوں سلطنتوں نے مسلمانوں کے مقابلے کیلئے ہمیشہ بھاری بھاری لشکر روانہ کئے۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان لشکروں کی امداد کے لئے کمک کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھا اور یہ لشکر فنون جنگ سے

---

[۱] مرعش کا شہر شام کی سرحد پر واقع ہے جو بلاد روم سے ملتی ہیں (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۵)

[۲] تاریخ ابو الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۶۰ ۔

اچھی طرح باخبر رہتے تھے اور پوری طرح مسلّح اور منظّم ہوتے تھے!

جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے ڈھائی لاکھ کا لشکر جرّار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع کیا تھا۔ اس سے قبل اتنا عظیم الشان لشکر کب کسی سلطنت نے اپنے مدِمقابل کے لئے جمع کیا ہو گا؟ اور انسانوں نے کس موقع پر جنگجوؤں کی اتنی بھاری تعداد اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو گی؟ یہ واقعات ایسے ہیں جن میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ لوگ جو حضرت خالد جیسا عدیم المثال شخص اپنی قوم میں پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں اور جن کی نظروں میں مسلمانوں کی ترقی خار کی طرح کھٹکتی ہے، مسلمانوں کے غلبے، ان کی پے در پے فتوحات اور قلیل ترین مدت میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانیوں اور رومیوں کی عظیم الشان سلطنتوں اور باجبروت شہنشاہوں کی تباہی سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن ان فتوحات کو وہ ان بظاہر دل خوش کن لیکن خلاف واقعہ عذرات کے پردے میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔

واقعات کی ترتیب اور ان کا زمانہ وقوع

وہ واقعات وحوادث جو بلادِ شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پیش آئے مورخین میں ان کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ ان کی ترتیب میں کافی اختلاف ہے ذیل میں ہم ان واقعات کی ترتیب کے متعلق مختلف مؤرخین کے اختلاف پر کچھ روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک کس مؤرخ کی بیان کردہ ترتیب کو ترجیح حاصل ہے:۔

بلاذری نے لکھا ہے "خالد دیگر مسلمان قائدین سے بصریٰ میں ملے تھے (یرموک میں نہیں) ان سرداروں نے اہل بصریٰ سے لڑنے کیلئے متفقہ طور پر حضرت خالد کو اپنا امیر مقرر کیا۔ بصریٰ کی فتح کے بعد جمادی الاوّل اور جمادی الثانی ۱۳ھ میں اجنادین کی جنگ ہوئی جس میں عکرمہ بن ابوجہل، جبار بن سفیان

سلمہ بن ہشام، عمرو بن سعید بن عاص، ان کے بھائی ابان اور جندب بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جنگ اجنادین کے بعد یاقوصہ کی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی۔ اسی جنگ کے دوران میں حضرت صدیق کی وفات کی خبر پہنچی اس کے بعد ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳ھ کو جنگ فحل، محرم ۱۴ھ میں جنگ مرج الصفر، رجب ۱۴ھ میں فتح دمشق بعد ازاں فتح حمص اور رجب ۱۴ھ میں جنگ یرموک واقع ہوئی"۔

یعقوبی[1] لکھتے ہیں "حضرت خالد نے مسلمان قائدین سے مل کر شام میں بصریٰ اور فحل میں اجنادین کے مقامات پر فتوحات حاصل کیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جنگ اجنادین ہفتہ کے روز ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو ہوئی۔ اس کے بعد مرج الصفر کی جنگ ہوئی رجب ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا۔ اور اس کے بعد فحل اور پھر حمص۔ ان فتوحات کے بعد حضرت ابوعبیدہ واپس ہوئے اور یرموک کے مقام پر ڈیرے ڈالے کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ ہرقل نے ان کے مقابلے کے لئے ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ھ میں جنگ یرموک ہوئی اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ حمص واپس آگئے"۔

طبری نے ابن اسحاق کی بیان کردہ روایت کے ماسوا جو روایات بیان کی ہیں وہ اسی ترتیب سے درج کی ہیں جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ :- ۱۔ بلاذری نے واقعۂ فحل کا ذکر جنگ دمشق سے پہلے کیا ہے لیکن یہ حضرت عمر کے اس خط کے خلاف ہے جس میں آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کارروائی دمشق سے شروع کریں کیونکہ وہاں رومیوں نے اپنی طاقت مجتمع کر رکھی ہے۔

یعقوبی واقعہ فحل کے متعلق ششش و پنج میں پڑ گئے ہیں، ایک مرتبہ اسے جنگ اجنادین سے قبل بیان کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ جنگ دمشق کے بعد جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے کسی مؤرخ نے یعقوبی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

---

[1] الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰

طبری نے اس واقعے کا ذکر فتح دمشق کے بعد کیا ہے، یہ جہاں یعقوبی کی دوسری رائے کے مطابق ہے وہاں حضرت عمرؓ کے اس خط کے مطابق بھی ہے جو آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو لکھا تھا، نیز جنگی نقطہ نگاہ سے بھی یہی قرین قیاس ہے کہ دمشق کی جنگ پہلے ہوئی ہو۔ کیونکہ یہاں دشمن کی ایک کثیر جمعیت جمع تھی اور کسی دوسری طرف رخ کرنے سے پہلے اسے تباہ و برباد کرنا ضروری تھا۔

۲۔ بلاذری نے دو جنگوں کا ذکر کیا ہے ایک یاقوصہ کی جنگ جس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ جنگ تھی جس کے دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر آئی تھی، دوسری یرموک کی جنگ۔ ہم نے معجم البلدان اور ان کتب تاریخ کی جو ہماری نظروں میں تھیں، چھان بین کی ہے ہم نے کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جس میں یاقوصہ اور یرموک کو علیحدہ علیحدہ مقامات کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ سب کتابوں میں یہی مذکور کہ یاقوصہ دریائے یرموک کے کنارے کا نام ہے۔ نہ ہی کسی مؤرخ نے یہ ذکر کیا ہے کہ دریائے یرموک کے کنارے دو مرتبہ جنگ ہوئی تھی۔ البتہ زمانۂ حال کے بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ دریائے یرموک کے علاوہ یرموک کے نام سے ایک اور مقام بھی موجود ہے اگر یہ صحیح ہو تو ہو سکتا ہے کہ ان دونوں مقامات پر جنگیں ہوئی ہوں۔ لیکن جب تک اس بارے میں کوئی واضح ثبوت نہ پیش کیا جائے اس وقت تک محض قیافے کی بناء پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بلاذری اور یعقوبی نیز طبری نے بھی ابن اسحاق کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جنگ اجنادین، جنگ دمشق سے پہلے جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ یرموک ۱۵ھ میں۔

اس روایت کے بالکل برعکس طبری نے ایک اور روایت درج کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ یرموک ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ اجنادین ۱۵ھ میں۔

قبل اس کے کہ ہم دونوں جنگوں کی تاریخوں کا تعین کریں چند قابل ذکر امور

کا بیان ضروری ہے۔

(الف) وہ شہداء جن کے متعلق بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے بعینہٖ وہی ہیں جن کے متعلق طبری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے نیز بلاذری اور یعقوبی کی رائے میں یرموک کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا جو سبب تھا، طبری کی رائے میں بعینہٖ وہی سبب اجنادین کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا تھا۔

(ب) مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ ان دونوں جنگوں میں سے ایک جنگ فتح دمشق سے قبل ہوئی تھی۔ اور ایک جنگ بعد میں۔

(ج) یرموک اور اجنادین دو مختلف مقامات ہیں۔ یرموک غور کی جانب ایک ندی ہے جو دریائے اردن میں گرتی ہے اور اجنادین فلسطین کے ضلع بیت جبرین میں رملہ کے قریب ایک مقام ہے۔

ان امور کے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان واقعات کی اصل ترتیب کیا ہے جہاں تک ہم نے غور کیا ہے جنگ یرموک دمشق کی فتح سے پہلے ہوئی ہے اور اجنادین فتح دمشق کے بعد۔ کیونکہ :

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس خط سے جس میں آپ نے حضرت خالدؓ کو شامی افواج کی مدد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا یہی معلوم ہوتا ہے اس خط میں آپ نے حضرت خالد کو لکھا تھا کہ وہ عراق سے چل کر یرموک میں مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچیں :-

۲۔ یاقوت نے بھی معجم البلدان (جلد ۸ صفحہ ۵۰۴) میں یہی تصریح کی ہے۔

۳۔ ان اشعار سے بھی جو قعقاع بن عمرو نے اسلامی فتوحات کے متعلق لکھے ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یرموک فتح دمشق سے پہلے واقع ہوئی تھی، قعقاع کہتے ہیں :-

دجئنا الی البصری وبصری مقیمۃ

فألفت الينا بالحشا والمعاذر
فضفضنا بها ابوابها ثم قابلت
بنا العيس فاليرموك جمع العشائر

(ہم بصری پہنچے۔ بصری والے المیدان سے پلٹے ہوئے تھے انہوں نے ہم پر کرو اکر کٹ پھینکا لیکن ہم نے اس کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد ہمیں یرموک کے مقام پر رومیوں کا لشکر جرّار ملا)

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ عراق سے آنے والی فوج نے پہلے بصری فتح کیا اس کے بعد یرموک کے مقام پر رومیوں کو شکست دی۔

۴۔ طبری کی بھی اس روایت کے ماسوا، جو اس نے ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کی ہے باقی روایات میں یہی مذکور ہے کہ جنگ یرموک فتح دمشق سے پہلے ہوئی۔

۵۔ طبری نے واقدی کی اس روایت کو کہ جنگ یرموک ۱۵ھ میں ہوئی ضعیف گردانا ہے[۱]

خود طبری کی اس روایت کے ٹکڑوں میں جو اس نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھی ہے اور جس میں یہ مذکور ہے کہ جنگ اجنادین ۱۳ھ میں فتح دمشق ۱۴ھ میں اور جنگ یرموک ۱۵ھ میں ہوئی تضاد پایا ہے۔ چنانچہ اس روایت کے شروع میں یہ تصریح ہے کہ حضرت خالد کی معزولی اس وقت ہوئی جب مسلمان ۱۴ھ میں دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مالک بن نویرہ کے قتل اور بعض دوسرے امور کی وجہ سے جو حضرت خالد سے جنگوں کے دوران میں سرزد ہوئے ا حضرت خالد سے ناراض رہے اور جوں ہی خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالد کو معزول کرنے کا حکم صادر کیا!! اس واقعے سے صاف معلوم ہوتا

---

[۱] الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۹۔

ہے کہ حضرت خالد کی معزولی حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں، یعنی ۱۳ھ میں محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی"۔

۶۔ ابن برہان الدین لکھتے ہیں کہ "حضرت صدیقؓ نے اسوقت وفات پائی جب مسلمان یرموک میں رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھے"۔

۷۔ یرموک اردن کے علاقے میں ہے اور اجنادین فلسطین کے علاقے میں فتح دمشق کے بعد اردن میں مسلمانوں کے پاؤں پوری طرح جم گئے تھے۔ لیکن فلسطین میں کئی شہر مثلاً بیت المقدس وغیرہ ایسے تھے جو بدستور رومیوں کے قبضہ میں تھے اور وہاں ان کے بڑے بڑے لشکر موجود تھے ان شہروں کو مسلمانوں نے بعد میں فتح کیا۔ قرین قیاس یہی بات ہے کہ رومی لشکر جنگ اجنادین کے بعد مسلمانوں سے مزید مقابلے کیلئے ایسے ہی شہروں میں جمع ہوئے ہوں گے جو ان کے قبضہ میں تھے اور جہاں انہیں فتح کی امید ہو سکتی تھی۔ یہ بات بالکل بعید از عقل ہے کہ رومی فلسطین کو چھوڑ کر اردن میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آگئے ہوں گے۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ یرموک، جنگ دمشق سے پہلے ہوئی ہے اور جنگ اجنادین جنگ دمشق کے بعد، یہ بھی ممکن ہے کہ اجنادین کے مقام پر دو جنگیں ہوئی ہوں، ایک جنگ یرموک سے پہلے اور دوسری جنگ دمشق کے بعد ۱۵ھ میں۔ بلاذری اور یعقوبی نے پہلی جنگ کا تو ذکر کر دیا لیکن دوسری کا چھوڑ دیا، حالانکہ یہی وہ جنگ ہے جس میں تاریخ مصر حضرت عمرو بن العاص کے اصلی جنگی جوہر دنیا کے سامنے آئے شاید یہی وجہ ہے کہ طبری ایک روایت میں تو جنگ اجنادین کا ذکر جنگ یرموک سے پہلے کرتے ہیں لیکن پھر جنگ دمشق کے بعد ایک علیحدہ باب میں خاص طور پر اس جنگ کا حال بیان کرتے ہیں۔

مؤرخین کی روایات میں اختلاف کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ ۱۳ھ، ۱۴ھ اور ۱۵ھ میں کثرت کے ساتھ جنگیں وقوع پذیر ہوئیں۔ بعض اوقات ایک ایک وقت میں دو دو جنگیں ہوئیں۔ ایک راوی نے کسی واقعے کا ذکر دوسرے واقعے

سے پہلے کر دیا۔ دوسرے راوی نے دوسرے واقعے کا ذکر پہلے کر دیا۔ بعد میں جب وہ لوگ آئے جنہوں نے دونوں راویوں سے روایات لیں، تو انھوں نے اپنی سمجھ کے مطابق واقعات کو بالکل الگ ترتیب دیدی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی شہر فتح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا جسے انھیں دوبارہ فتح کرنا پڑا۔ ایک راوی نے پہلی فتح کا حال بیان کر دیا۔ اس طرح روایات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

حضرت خالدؓ اور حضرت عمرؓ

ان اسباب پر بحث کرنے سے پہلے جو ان دو عظیم قائدین کی باہمی غلط فہمی کا باعث بنے بہتر یہ ہے کہ دونوں کے اخلاق و عادات کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تاکہ اخلاق و عادات کی روشنی میں اس مخالفت کے اسباب پر بحث کرنی آسان ہو جائے۔

حضرت عمرؓ کے اوصاف (۱) آپؓ اپنے تمام کاموں میں سچائی اور انصاف کمسقدم رکھتے تھے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کو حق اختیار کرنے سے منحرف نہ کر سکتی تھی۔

(۲) ہر اس چیز کو جس میں اسلام کا فائدہ ہو آپ کے نزدیک اولین حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عامۃ المسلمین کی خوشنودی کی خاطر آپ عمال کی ناراضی بھی برداشت کر لیتے تھے۔

(۳) آپؓ اپنے عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کا معمولی سے معمولی کام بھی آپ کی نظروں سے اوجھل نہ رہتا تھا۔

(۴) آپ کا خیال تھا کہ عمال کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنیکا کوئی اختیار نہیں ہے خصوصاً مالی امور میں تو آپ عمال کی آزادروی کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے "میں تو مسلمانوں کا تجارتی نمائندہ ہوں"۔

(۵) آپ جہاں خود حد درجہ کفایت شعار اور نہایت سادگی پسند انسان تھے وہاں وہ اپنے عمال کے متعلق بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ بھی آپ کے نمونے پر عمل کرتے ہوئے کفایت شعاری اور سادگی اختیار کریں۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو اپنا اصلی جوہر سادگی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کی طرف اپنی توجہات قطعاً مبذول نہیں کرنی چاہئیں، کیونکہ فراغت اور سکون حاصل ہوتے ہی وہ اپنا اصلی مقصد اعلاء کلمۃ الحق بھول جائیں گے۔

حضرت خالدؓ کے بعض اوصاف

(۱) آپ بھی ہمیشہ حق بات کو مقدم رکھتے تھے البتہ زمانہ جنگ میں آپ سے بعض معمولی فروگذاشتیں سرزد ہو جاتی تھیں مگر اس وقت بھی آپ کو یہی خیال رہتا تھا کہ کوئی کام ایسا نہ ہونے پائے جس سے مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچے مسلمانوں کا فائدہ ہمیشہ آپ کے مدنظر رہتا تھا اور وہ فروگذاشتیں بھی آپ سے اسی لئے سرزد ہوتی تھیں کہ آپؓ کو ان میں مسلمانوں کا فائدہ نظر آتا تھا۔

(۲) آپؓ کی رائے یہ تھی کہ عمال اور امراء کو اپنے کاموں میں کچھ آزادی اور اختیار حاصل ہونا چاہیئے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ضروری نہ ہونا چاہیئے کہ جب تک خلیفہ کی طرف سے کوئی حکم موصول نہ ہو امیر اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کر سکے بلکہ اگر خلیفہ کی طرف سے بروقت کوئی حکم موصول نہ ہو تو امیر کو اپنے اختیار سے بھی بعض احکام صادر کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۳) آپؓ کے نزدیک دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور عیش و آرام سے زندگی گزارنے میں کوئی حرج نہیں تھا بشرطیکہ یہ چیزیں دینی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کی جائیں [۱]

---

[۱] اسی کا اثر تھا کہ آپ اکثر شاندار حماموں میں غسل کیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ اشعث شاعر کو انعام میں دس ہزار درہم دے دیئے تھے۔

(۴) آپؓ فوجی آدمی تھے اسی وجہ سے آپؓ کے مزاج میں قدرے سختی اور خشونت پیدا ہوگئی تھی۔

اس مجمل بیان سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ گو دونوں میں حق بات اختیار کرنے اور مسلمانوں کے فائدہ کو ہمیشہ مقدم رکھنے کی صفات مشترک تھیں تاہم دونوں کی طبائع میں بہت فرق تھا۔ اور دونوں میں اپنی طبیعت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ سختی پائی جاتی تھی ایسی حالت میں دونوں کے درمیان ٹکراؤ اور اختلاف کا ہونا عجیب نہیں۔

رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں نظریات کے ان اختلافات نے بیرونی طور پر کوئی نتیجہ یا اثر پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص حضورؐ کی رائے کے برخلاف کوئی رائے ظاہر کر سکے اس زمانے میں ہر شخص کا مدعا اور مقصود یہی تھا کہ دینی اور دنیوی ہر قسم کے امور کے متعلق رسول اللہ صلعم کی رائے دریافت کرے اور کھلے دل کے ساتھ اسے قبول کرے۔

حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ آیا تو اسوقت صحابۂ کرام اور دینی حیثیت میں بلند مرتبہ رکھنے والے بزرگوں نے اپنی آراء کا اظہار کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کی حیثیت تو حضرت صدیقؓ کے وزیر کی سی تھی، حضرت صدیقؓ جو کام کرنا چاہتے اس کے بارے میں پہلے حضرت عمر سے مشورہ کرتے اسوقت سے حضرت عمرؓ اور حضرت خالد کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔ حضرت خالدؓ سے کئی کام ایسے سرزد ہوئے جنہیں حضرت عمرؓ پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن وہ حضرت صدیق کے زمانہ میں خالدؓ کو معزول کرانے میں کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ ایک تو حضرت صدیقؓ بہت نرم طبیعت کے انسان تھے اور اپنے عمال کے کاموں میں زیادہ دخل دینا اور ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر سختی سے احتساب کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ دوسرے اس نازک وقت میں اسلام کو حضرت خالدؓ کی تلوار کی سخت ضرورت تھی۔ یہ خالدؓ ہی تھے جنہوں نے جزیرہ عرب کے مرتدین کا قلع قمع کیا۔ اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو متزلزل کر کے آئندہ عظیم فتوحات کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ حضرت خالد کی معزولی خواہ حضرت صدیقؓ کے زمانے میں ہوتی یا حضرت عمرؓ

کے زمانے میں مناسب نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کو باوجود حضرت خالدؓ سے اختلاف رکھنے کے آخر کار یہ اعتراف کرنا پڑا کہ خالدؓ کے بارے میں حضرت صدیقؓ نے جو رویّہ اختیار کیا تھا بالکل درست تھا۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی حضرت خالدؓ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم ان اسباب کا ذکر کریں گے جو مؤرخین کے نزدیک حضرت عمرؓ کی حضرت خالدؓ سے ناراضی اور بالآخر آپ کی معزولی کا باعث بنے۔

حضرت عمرؓ کی حضرت خالدؓ سے ناراضی کے اصل اسباب

ابن عساکر ابن برہان الدین[1] لکھتے ہیں کہ اس ناراضی کا اصل سبب یہ تھا کہ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ میں لڑائی ہو گئی۔ جس میں حضرت خالدؓ نے حضرت عمرؓ کی پنڈلی توڑ ڈالی۔ اس واقعے سے حضرت عمرؓ کے دل میں حضرت خالدؓ کی طرف سے جو غصّہ پیدا ہوا وہ آخر وقت تک نہ گیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ خالدؓ کو معزول کر دیا۔

یہ درست ہے کہ بچپن میں ان دونوں میں جھگڑا ہو جایا کرتا تھا اور واقعی حضرت خالدؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی پنڈلی بھی توڑ دی تھی، لیکن اس کا اگر کچھ اثر ہو سکتا ہے تو وہ محض وقتی ہو سکتا ہے ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ کے دل پر یہ واقعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقش ہو گیا۔ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ بڑے ہو کر بھی حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی تب بھی اسلام لانے کے بعد اس واقعے کے اثرات کا باقی رہنا کسی صورت میں ممکن نہیں اور کوئی عقلمند شخص جسے اسلام کی ان تاثیرات کا علم ہے جو صحابہؓ کے دلوں میں اس نے پیدا کر دی تھیں، یہ بات باور کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ اسلام نے مومنین کے دلوں سے جاہلیّت کے ان

---

[1] ابن عساکر صفحہ ۱۰۱ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶

پرانے کینوں اور عداوتوں کو یکسر مٹا دیا جو پشت ہا پشت سے مختلف قبائل اور اشخاص میں چلی آرہی تھیں۔ کیا وہ اس ناراضی کو دور نہ کر سکتا تھا جو محض دو بچوں کے آپس کے معمولی جھگڑے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی، اسلام لانے کے بعد تو اگر کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کے قاتل سے بھی ملتا تھا تو نہایت صاف دل ہو کر ملتا تھا اور قاتل کی جانب سے اس کے دل میں کوئی کینہ نہ ہوتا تھا۔ کیا حضرت عمرؓ ایک عام انسان جیسی نفرت برداشت بھی اپنے اندر رکھتے تھے اور محض بچپن کے ایک جھگڑے کی وجہ سے ان کے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حضرت خالدؓ کی عداوت اور بغض و کدورت پیدا ہو گئی؟ کم از کم یہ وجہ حضرت عمرؓ کے سلسلے میں صحیح نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں حضرت خالدؓ کی طرف سے کسی قسم کا کوئی کینہ موجود نہ تھا۔ جب حضرت خالدؓ اپنی معزولی کے بعد مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا "خالدؓ! میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور تم مجھے بے حد محبوب ہو۔"[1]

ناراضی کے حقیقی اسباب جو حقیقت کے بھی مطابق ہیں، تاریخ سے بھی مطابقت رکھتے ہیں اور دونوں کے اخلاق و عادات کے لحاظ سے بعید از قیاس نہیں، مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت خالدؓ کا مالک بن نویرہ کو قتل کرنا اور اس کی بیوہ سے شادی کر لینا۔ یہ واقعہ رونما ہونے پر حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ سے بھی خالد کو قید کرنے اور معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی حضرت خالدؓ نے بنو جذیمہ کو قتل کر دیا تھا، جو اسلام لے آئے تھے اور ان کے پاس حضرت صدیقؓ کی مرحمت فرمائی ہوئی تصدیق بھی موجود تھی۔ ان واقعات کے باعث حضرت عمرؓ کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

۲۔ حضرت خالدؓ بعض اوقات حضرت صدیقؓ کی رائے کے برخلاف بھی کوئی کام کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔[2]

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۔ [2] ابن عساکر صفحہ ۱۳۱، الاصابہ جلد اوّل صفحہ ۹۹۔

۳۔ حضرت خالدؓ حضرت صدیقؓ کو جزیہ، لگان اور دیگر محصولات کا جو لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے کوئی حساب نہ بھیجتے تھے۔ حضرت صدیقؓ تو درگزر کر جاتے تھے لیکن یہ چشم پوشی حضرت عمرؓ سے بعید تھی۔

۴۔ مسلمان حضرت خالدؓ کی شخصیت پر بھروسہ کر بیٹھے تھے اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول کرنے لگے تھے، عوام کا حضرت خالدؓ پر بھروسہ بھی آپ کو معزول کرنے کا ایک سبب بنا۔ فاروق اعظمؓ لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ فتح صرف نصرت خداوندی پر مبنی ہے۔ خالدؓ کی شجاعت و بہادری پر نہیں، اللہ ہر حال میں اپنے دین کی مدد کرے گا۔ خواہ خالدؓ سپہ سالار ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے خود بھی اپنے ایک خط میں، جو آپ نے مختلف شہروں کے حاکموں اور قائدین کے نام بھیجا تھا اس چیز کی تصریح کردی تھی۔ اس خط میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ اس لئے کیا ہے کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے لگے تھے، مجھے ڈر پیدا ہوا کہیں وہ لوگ خالدؓ کی ذات پر بھروسہ نہ کرنے لگیں میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ بندہ کچھ بھی حیثیت اور اختیار نہیں رکھتا۔[1]

معزولی کب ہوئی؟

حضرت خالدؓ کی معزولی کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ معزولی کا حکم اس وقت پہنچا جب مسلمان دمشق کے محاصرے میں مشغول تھے[2] اور بعض یہ لکھتے ہیں کہ معزولی معرکہ یرموک کے اثناء میں ہوئی[3]۔ وہ لوگ جن کا خیال یہ ہے کہ حضرت خالد کے پاس محاصرۂ دمشق کے دوران میں

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۶

[2] الطبری بروایت ابن اسحاق جلد ۴ صفحہ ۵۵۔ بلاذری صفحہ ۱۲۱

[3] طبری کی زیادہ تر روایات میں یہی مذکور ہے۔ ابن اثیر بھی یہی لکھتے ہیں۔

معزولی کا حکم پہنچایا یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس محاصرے کے وقت لشکر کے امیر حضرت خالدؓ
تھے اور صلح نامہ انہی کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ لیکن یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ لشکر
کی امارت ان کے سپرد اس لئے کی گئی تھی کہ آپ جیسا جنگی ماہر لشکر اسلام میں اور
کوئی نہ تھا۔ اور صلحنامہ ان کی طرف سے اس لئے لکھا گیا تھا کہ آپ صلح نامے اور عہد
نامے لکھنے میں بڑے ماہر تھے، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان میں سے ایک فریق
تو یہ کہتا تھا کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ حضرت صدیقؓ کی وفات سے صرف چار
روز قبل کیا تھا لیکن یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ بعض لوگ معزولی کا ذکر ہی اس طور پر
کرتے ہیں کہ گویا انہیں خود اس پر اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ بلاذری اس واقعے کا ذکر کرتے
ہوئے لکھتے ہیں "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ کے لئے شام کی ولایت سنبھالنے
کا حکم محاصرۂ دمشق کے دوران میں آیا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے اس حکم کو چھپائے رکھا۔"
بعض لوگوں نے اس سلسلے میں جو روایات بیان کیں اس کے حصے ہی ایک دوسرے سے
مختلف ہیں۔ یعنی روایت کے شروع میں یہ بیان ہے کہ حضرت خالدؓ کو ۱۴ھ میں محاصرۂ
دمشق کے موقعے پر معزول کیا گیا لیکن روایات کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے
خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کا حکم روانہ کیا۔

ہم اس معاملے میں دوسرے فریق کے ساتھ ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت خالدؓ
کی معزولی جنگ یرموک کے موقعے پر ہوئی اپنی تائید میں ہم دو قسم کے دلائل پیش کرتے
ہیں۔ اول۔ ٹھوس تاریخی شہادتیں۔ دوم۔ ایسے تاریخی واقعات جن پر معمولی غور و فکر
کرنے سے اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے

ٹھوس تاریخی شہادتیں

۱۔ طبری کی اکثر روایات میں یہی مذکور ہے کہ حضرت خالدؓ کو
جنگ یرموک کے موقعے پر معزول کیا گیا۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے "جو مسلمان یاقوصہ
کے مقام پر تھے وہیں حضرت ابوعبیدہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت صدیقؓ کی وفات ہو گئی ہے
انہیں شام کی تمام فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا ہے اور خالد بن ولید کو معزول کر دیا گیا ہے"[1]

۲۔ ابن اثیر یرموک کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں " وہیں (یرموک میں) قاصد حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر اور حضرت ابو عبیدہ کی امارت کا حکم لایا"[1]

۳۔ معجم البلدان میں اس جگہ جہاں یرموک کا ذکر کیا گیا ہے لکھا ہے " اس روز قاصد حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر اور تمام شام کیلئے حضرت ابو عبیدہ کی امارت اور حضرت خالد کی معزولی کے احکامات لایا"[2]

۴۔ مؤلف کتاب السیرۃ الحلبیہ نے لکھا ہے " جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی تو مسلمان یرموک میں جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے، جب حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالی تو آپ نے حضرت خالدؓ کی معزولی اور لشکر اسلام پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی امارت کے احکامات دے کر ایک قاصد کو شام کی طرف روانہ کیا"[3]

تاریخی واقعات

جمہور مؤرخین کے نزدیک خلافت سنبھالتے ہی حضرت عمرؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالدؓ کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کو سپہ سالاری کے فرائض سونپنے کے احکام جاری کئے[4] جیسا ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں سب سے پہلی جنگ جو حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں لڑی گئی وہ جنگ یرموک تھی اس صورت میں لازماً یہی ماننا پڑیگا کہ حضرت خالدؓ کو معزولی کا حکم جنگ یرموک میں ملا۔

۲۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفاء کے ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر اور شداد بن اوس کے ہاتھ حضرت ابو عبیدہ کو خالد کی جگہ شام کا امیر اور سپہ سالار بنانے کا حکم بھیجا۔ یعقوبی نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ جس کی تیاری حضرت صدیقؓ کے زمانے میں کی گئی اور جس کا اختتام حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا وہ جنگ یرموک تھی[5] اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آپ کی معزولی جنگ یرموک کے موقعے پر ہوئی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ [2] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۹۰۴

[3] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ [4] الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۶، ۵۷۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔ [5] یعقوبی جلد صفحہ ۱۵۸ ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔

۳۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ "خلافت ملنے کے بعد سب سے پہلا خط جو حضرت عمرؓ نے لکھا وہ حضرت ابو عبیدہ کے نام تھا جس میں آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ خالدؓ کے لشکر کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ سب سے پہلی بات جو خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے کی وہ بھی حضرت خالدؓ کی معزولی کے بارے میں تھی" لے

۴۔ حضرت صدیقؓ نے جس خط میں حضرت خالدؓ کو اسلامی لشکروں کی امداد کیلئے شام جانے کا حکم دیا تھا اس میں لکھا تھا کہ تم اپنی فوجوں کو لے کر عراق سے چلو اور یرموک پہنچ کر اسلامی فوج سے مل جاؤ" ۲ے اس خط سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خالدؓ کو مسلمانوں کی امداد کے لئے یرموک بھیجا گیا تھا۔ جنگ یرموک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد اور حضرت عمرؓ کے عہد کے آغاز میں ہوئی جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے حضرت عمر کا اپنے عہد کا پہلا کام حضرت خالدؓ کی معزولی تھا اس صورت میں معزولی جنگ یرموک کے دوران ہی میں ماننی پڑے گی۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو کم از کم دو مرتبہ ان کے عہدوں سے معزول کیا۔ پہلی بار جنگ یرموک کے موقع پر آپ کو اس عراقی لشکر کی قیادت سے معزول کیا جو آپ کے ساتھ عراق سے شام آیا تھا۔ اور حضرت ابو عبیدہ کو ان تمام افواج کا جو مختلف امراء کی زیر سرکردگی شام میں موجود تھیں۔ سپہ سالار اعظم مقرر کر کے حضرت خالدؓ کو ان کے ماتحت کر دیا۔ بعد میں جب قنسرین فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے انھیں وہاں متعین کر دیا۔ (گو وہاں بھی آپ حضرت ابو عبیدہ کے ماتحت ہی تھے) کچھ عرصے بعد انہیں وہاں سے بھی معزول کر دیا گیا۔

یہ واقعہ اسطرح ظہور پذیر ہوا کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لائے تو قنسرین سے حضرت خالدؓ آپ سے ملنے کیلئے جابیہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد آپ وہاں سے بہت سا مال لیکر قنسرین واپس پہنچے جب شہر

لے ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۲۹۳۔ ۲ے الطبری جلد۴ صفحہ ۲۶۔ ۳ے۔ ابن عساکر صفحہ ۲۰۷

میں یہ شہرت ہوئی کہ خالدؓ بہت سا مال و اسباب لے کر آئے ہیں تو ایک شاعر اشعث بن قیس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور اس نے آپ کی تعریف و توصیف میں ایک قصیدہ لکھ کر آپ کو جا سنایا آپ نے اسے دس ہزار درہم مرحمت فرمائے حضرت عمرؓ سے یہ بات کب پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں حکم دیا کہ یہ خط پہنچتے ہی خالد کے سر سے ان کی ٹوپی اتار لیں۔ اور عمامہ ان کی گردن میں ڈال دیں اور ان سے یہ دریافت کریں کہ اشعث کو رقم انہوں نے کہاں سے دی ہے؟ اگر مسلمانوں کے مال سے دی ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے پاس سے دی ہے تو اسراف کیا ہے اس لئے دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں؟ انہیں معزول کر کے ان کا کام خود سنبھال لیں۔

حضرت ابو عبیدہ نے اور باتوں میں تو خلیفہ کے حکم کی تعمیل پوری کر دی لیکن حضرت خالدؓ کو یہ نہ بتایا کہ انہیں معزول کر دیا گیا ہے۔ حضرت خالد بھی اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ نہ معلوم انہیں معزول کیا جا چکا ہے یا وہ بدستور اپنے عہدے پر قائم ہیں جب حضرت خالدؓ مدینہ نہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ ہو نہ ہو ابو عبیدہ نے خالدؓ کو انکی معزولی کی اطلاع نہیں دی ہے جس پر آپ نے ایک خط بھیج کر حضرت خالدؓ کو مدینہ طلب کیا۔ حضرت خالد یہ خط لیکر ابو عبیدہ کے پاس پہنچے۔ اسوقت حضرت ابو عبیدہ نے کہا میں آپ کو رنج پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ میرے پاس آپ کو معزول کرنے کا حکم آیا تھا۔ حضرت خالد حضرت ابو عبیدہ سے رخصت ہو کر قنسرین پہنچے اور اپنے رفقائے کار کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ وہاں سے وہ حمص پہنچے، وہاں بھی ایک خطبہ دیا۔ حمص سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمرؓ سے ملے تو آپ نے اُن سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا: مال غنیمت کے حصوں سے یہ کہہ کر فرمایا۔ میرے پاس ساٹھ ہزار درہم سے زیادہ رقم نکلے تو میں آپ کے حوالے کرتا ہوں: چنانچہ بیس ہزار درہم زیادہ

نکلے۔ جو حضرت عمرؓ نے بیت المال میں داخل کر دئے اس کے بعد آپ نے فرمایا "بخدا اللہ کی قسم تم مجھے نہایت عزیز اور محبوب ہو آج کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔[1]" یہ کہہ کر آپ نے تمام سلطنت میں یہ فرمان بھیج دیا کہ میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا ان کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے معزول کیا ہے کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑے جا رہے تھے"! حضرت خالدؓ کے مدینہ تشریف لانے پر حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

صنعت فلم یصنع کصنعک صانع

دما یصنع الا قوام فالله یصنع [2]

(تم نے بہت سے کارہائے نمایاں سر انجام دئے ہیں اور کوئی شخص بھی تم جیسے کارہائے نمایاں بجا نہ لا سکا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ قومیں کچھ نہیں کیا کرتیں، جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالےٰ کرتا ہے)

مدینہ سے حضرت خالد حمص واپس چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی آپ کی وفات بھی حمص میں ہوئی۔[2]

حضرت خالدؓ کی معزولی کا اثر حضرت عمرؓ کے دل پر

خواہ حضرت خالدؓ کی معزولی کا کوئی بھی سبب کیوں نہ ہو، حضرت عمرؓ صدقِ دل سے یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے دینی نقطۂ نظر سے بالکل ٹھیک ہے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔

معزولی کا اثر حضرت خالدؓ کے دل پر:۔

اس معزولی سے حضرت خالدؓ کے عزم و ارادہ اور قوت و طاقت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑا۔ آپ دین کی حفاظت کے لئے بدستور سرگرم عمل اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے بدستور کوشاں رہے حضرت عمرؓ کی طرف سے کسی قسم کا کینہ اور غصہ آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ معزولی کا حکم عین اس وقت پہنچا تھا جب میدان کارزار گرم

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۶ [2] ابن عساکر صفحہ ۱۲، ۱۴۶

تھا۔ ایسے مواقع پر جب کوئی رنجیدہ خبر موصول ہو تو فطری طور پر انسان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے لیکن آپ کسی قسم کی کمزوری دکھائے بغیر برابر دشمن کے مقابلے میں معروف عمل رہے اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک مکمل فتح حاصل نہ کر لی بعد میں بھی آپؓ نے قربانی کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ گو بعد کی جنگوں میں آپ کی حیثیت محض ایک سپاہی کی تھی جو اپنے افسر کے حکم کے مطابق لڑ رہا ہو لیکن ان جنگوں میں بھی آپ نے ایسے کارہائے نمایاں سر انجام دئیے کہ خود حضرت عمرؓ کو آپ کی جنگی مہارت اور امارت کے لئے آپکی اہلیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرنا پڑا "خالدؓ نے اپنے کارناموں سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا"۔ حضرت عمرؓ جیسے شخص کی زبان سے حضرت خالدؓ کی اس سے زیادہ تعریف اور کیا ہو سکتی ہے!

امراء کے دلوں پر معزولی کا اثر حضرت خالدؓ کی معزولی ایسی بات نہ تھی جو امراء اور قائدین کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت اور عظمت کم کر دیتی۔ معزولی کے بعد بھی آپ کی وہی عزت اور وقعت باقی رہی جو معزولی سے پہلے تھی، دوران جنگ میں جب کوئی نازک مرحلہ پیش آ جاتا اور دشمن کا لشکر کسی طرح زیر نہ ہو سکتا تو تمام امراء مشورے کیلئے حضرت خالدؓ ہی کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کی بتائی ہوئی تدابیر کے مطابق عمل کرتے تھے گو امارت اور قیادت کا ظاہری نشان تو آپ کے پاس نہ تھا لیکن اس کے اثرات کسی موقع پر بھی زائل نہ ہو سکے۔

لشکریوں کے دلوں پر معزولی کا اثر مسلمان دوسرے قائدین کے مقابلے میں آپ کی فوج میں شریک ہو کر دشمن سے مقابلہ کرنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے، معزولی کے بعد بھی ہر شخص خواہ وہ پہلے آپ کی فوج میں شامل رہا ہو یا نہ رہا ہو آپ کی اطاعت کیلئے بے چین نظر آتا تھا فوج کے ہر دستے کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ حضرت خالدؓ اسی میں شامل ہوں تاکہ وہ آپ کے حسن تدابیر، اصابت رائے اور فنون جنگ میں مہارت کی بدولت جنگ میں زیادہ سے زیادہ سرخروئی حاصل کر سکے۔

صحابہ کے دلوں پر معزولی کا اثر

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جلیل القدر اور کبار صحابہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ حضرت خالدؓ امارت کے عہدے پر بدستور برقرار رہیں اور انہیں حضرت عمرؓ کی خوشنودی بھی اسی طرح حاصل رہے جس طرح انہیں حضرت صدیقؓ کی خوشنودی حاصل تھی، وہ حضرت خالدؓ کے بے نظیر کارناموں سے اچھی طرح واقف تھے اور انکی خواہش تھی کہ اللہ کی تلوار کفار کے سروں پر بدستور مسلط رہے۔

ناراضی اور اختلاف کا اختتام

شروع میں حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے درمیان جو ناراضی اور اختلاف پایا جاتا تھا۔ وہ بالآخر دونوں جانب سے محبت اور اخلاص پر ختم ہوا دونوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ ہر شخص اپنے موقف میں حق پر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف دنیوی یا شخصی وجوہات سے نہیں تھا بلکہ محض دینی امور کی وجہ سے تھا بعد میں حضرت عمرؓ خود اپنے فعل پر پشیمان ہوگئے۔ جب حضرت خالدؓ کی وفات ہوئی اور ان کے ترکے میں سوائے ان کے گھوڑے، ہتھیاروں اور ایک غلام کے اور کچھ نہ نکلا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اللہ ابو سلیمان پر رحم کرے۔ ہمیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس تنگ دستی سے اپنا گزارہ کرتے ہوں گے لے" اسی طرح جب حضرت خالد مدینہ تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے متعلق ان سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا خالد! اللہ کی قسم تم مجھے نہایت عزیز اور محبوب ہو۔ آج کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا دل بالآخر حضرت خالدؓ کی طرف سے بالکل صاف ہوگیا۔ اور انہوں نے آپ کو اپنا حبیب ہی نہیں بنایا بلکہ ان پر کبھی ناراض نہ ہونے کا عہد بھی کیا۔

اسی پر بس نہیں۔ جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپ کو اپنے بچنے کی امید نہ رہی تو لوگوں نے آپ سے کہا "اگر آپ اپنا جانشین مقرر فرما دیں تو بعد میں اُمت کیلئے بہت

لے ابن عساکر صفحہ ۱۴۰، ۱۶۱،

آسانی رہے گی"۔ آپ نے فرمایا "اگر خالدؓ بن ولید زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت سونپ دیتا۔ پھر جب میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے پوچھتا کہ اے عمرؓ! تو نے اُمت محمدیہ پر کس شخص کو خلیفہ بنایا؟ تو میں عرض کرتا: اے اللہ! میں نے تیرے بندے اور تیرے حبیب رسول اللہؐ کو یہ کہتے سُنا تھا کہ خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جسے اس نے مشرکوں پر مسلّط کیا ہے"۔[۱]

حضرت خالدؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ اور آپ نے فرمایا "خالدؓ کے مرنے سے اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پُر نہ کی جا سکے گی۔ کاش اللہ ان کی عمر اور لمبی کر دیتا"۔[۲]

ہشام بن بختری بنو مخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے کہا "تم نے خالدؓ کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں وہ سُناؤ۔ ہشام نے وہ اشعار آپ کو سنائے لیکن آپ کو وہ پسند نہ آئے۔ آپ نے فرمایا۔

"تم ابو سلیمان (حضرت خالدؓ) کی قرار واقعی تعریف و توصیف نہیں کی۔ وہ چاہتے تھے کہ شرک کو کلی طور پر نیست و نابود کر دیں۔ انہوں نے اپنی زندگی نہایت اچھے طریقے پر گزاری۔ وہ اپنی مثال آپ تھے اور زمانہ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے" اس کے بعد آپ نے بنو تمیم کے ایک شاعر کے یہ اشعار پڑھے:۔

"وہ اس شخص سے جو جانے والے کی مخالفت پر کمر بستہ تھا کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے اوپر اتنا ہی ناز ہے تو اس جیسے کارنامے تو کر کے دکھاؤ۔ اس شخص کی زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جو دوسروں کے پس خوردہ پر گزارہ کرتا ہے اور وہ موت موت نہیں جس کے بعد انسان زندگانی جاودانی حاصل کر لے"۔[۳]

جس طرح حضرت عمرؓ اس رائے پر جو انہوں نے حضرت خالدؓ کے بارے میں رکھی تھی نادم تھے اور انہوں نے آپ کی فضیلت اور کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کر لیا تھا اسی طرح حضرت خالد نے بھی یہ اعتراف کر لیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی

۱؎ ابن عساکر صفحہ ۱۴۲ء، ۲؎ ابن عساکر صفحہ ۱۴۲ء، ۳؎ ابن عساکر صفحہ ۱۴۷ء۔

خاطر اور مسلمانوں کے فائدے کیلئے کیا۔ مرض الموت میں حضرت ابو الدرداء، حضرت خالدؓ کی عیادت کیلئے آئے۔ باتوں باتوں میں حضرت خالدؓ نے کہا "اے ابو الدرداء! اگر عمرؓ وفات پا گئے تو تمہیں بہت سے ناخوشگوار امور دیکھنے پڑیں گے۔" حضرت ابو الدرداءؓ نے کہا: "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" حضرت خالدؓ نے کہا۔ مجھے کئی باتوں کے متعلق رنج تھا لیکن جب میں نے اس مرض میں ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیا۔ ایک تو مجھے اس واقعے کے متعلق رنج تھا جب عمرؓ نے میرا مال مجھ سے لیکر لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن میں دیکھتا ہوں یہ صرف مجھ پر ہی منحصر نہیں ہے۔ انہوں نے کئی سابق الاولون اور بدری صحابہؓ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ لہ مجھے اس بات پر بھی رنج تھا کہ وہ مجھ سے درشتی سے پیش آئے۔ لیکن اس میں بھی میں منفرد نہیں تھا اور بھی کئی لوگوں پر انہوں نے سختی کی۔ اور ان کے ساتھ وہ درشتی سے پیش آئے۔ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ لوگ میرے قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے میرا لحاظ کریں گے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ دینی اور دنیوی امور میں قریبی اور غیر قریبی کسی شخص کی پرواہ نہیں کرتے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ جب یہ باتیں میرے ذہن میں آئیں تو سارے رنج اور تمام کدورتیں جو میرے دل میں عمرؓ کی طرف سے تھیں یکسر کافور ہو گئیں۔"

حضرت خالدؓ کی ان باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق حضرت عمرؓ کے سلوک کو نہ صرف جائز ہی سمجھتے تھے بلکہ آپ کے دل میں جو کچھ کدورت ان کے متعلق تھی وہ بھی آپ نے نکال باہر کی تھی۔ اور کھلے دل سے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ عمرؓ ایسے شخص نہیں جو محض قرابت کی بنا پر کسی شخص کا لحاظ کریں۔ یا کسی ملامت گر کی پرواہ کریں انہی باتوں کے دوران میں آپ نے یہ بھی فرمایا "اسلام کو بہترین مدد عمر بن الخطاب کے ذریعے ملی ہے۔" ۲ے

لہ حضرت علی نے سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ کے اموال کی [illegible] ۔ الفاروق جلد اول صفحہ ۱۲۰ ۲ے ابن عساکر صفحہ ۱۱۲ ۔

حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف پر آپ کو اس درجہ یقین تھا کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو یہ فرمایا "میرا ترکہ اور میری وصیت عمر بن الخطاب کے پاس پہنچا دی جائے تاکہ وہ اس کا نفاذ کر سکیں۔" [1]

رسول اللہ صلعم کے صحابہؓ کے یہی اخلاق تھے، کہ جب ان کی باہمی غلط فہمیاں دور ہو گئیں تو انہوں نے پچھلی باتوں کو بالکل فراموش کر دیا۔ ان کی ناراضیاں بھی محض اللہ کی رضا اور حق و انصاف کی خاطر تھیں اور دوستیاں بھی۔

حضرت خالد کا دینی مرتبہ

اسلام لانے کے بعد حضرت خالدؓ کی پوری جد و جہد اور سعی و کوشش اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنے اور شرک کو نابود کرنے کی خاطر صرف ہوتی رہی آپ نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے راستے میں اور دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی امداد کیلئے وقف کر دیا تھا آپ دین کا علم حاصل کرنے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے حضرت ابن عباس حضرت خالدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ حضرت میمونہؓ کے گھر میں داخل ہوئے وہاں گوہ کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ رسول اللہؐ نے اسے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو کسی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ "یہ گوہ کا گوشت ہے" جس پر حضورؐ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ خالد نے عرض کیا "حضورؐ! کیا یہ حرام ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "حرام تو نہیں" کیونکہ یہ میری قوم کی سرزمین (مکہ) میں نہیں پایا جاتا اس لئے مجھے پسند نہیں آتا۔ خالدؓ کہتے ہیں "حضورؐ کے یہ فرمانے پر میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور کھانا شروع کیا۔ حضور میری طرف دیکھتے جاتے تھے [2]

لیکن حضرت خالدؓ بہت بعد میں اسلام لائے تھے اور اسلام لانے کے بعد جنگوں میں اور جہاد میں مشغول ہو گئے۔ اس لئے دین میں غور و فکر کرنے، اس میں تبحر حاصل کرنے اور قرآن مجید اور احادیث سیکھنے کے لئے وہ زیادہ وقت نہ نکال سکے، ابن عساکر بیان

---

[1] ابن عساکر صفحہ ۱۲، استیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۰، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۹۴، الاصابہ جلد اول صفحہ ۱۰۰

[2] ابن عساکر صفحہ ۸۷، اسد الغابہ صفحہ ۱۰۳

کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حیرہ میں حضرت خالدؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی دوران نماز میں ایک ہی سورۃ آپ نے بار بار پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ جہاد نے مجھے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے سے دور رکھا[۱] ابن حجر نے اصابہ میں یہ الفاظ اس طرح بیان کئے ہیں "جہاد نے مجھے تعلیم قرآن کے بڑے حصّے سے مجھے محروم رکھا[۲]"۔

آپ نے پے در پے جنگوں میں شرکت کرنے کے باوجود احادیث نبوی کا کچھ نہ کچھ حصہ محفوظ کر لیا اور جہاں تک ہو سکا ان کی اشاعت کی۔ آپ سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث متفق علیہ ہے جسے بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کیا ہے اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتابوں، اصابہ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ سے ابن عباس، جابر بن عبداللہؓ، مقدام بن معدیکرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی، علقمہ بن قیس، جبیر اور ابوالعالیہ وغیرہم نے احادیث لی ہیں[۳]۔

جہاں تک فقہ میں ان کی دسترس کا تعلق ہے، مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خالدؓ حمام میں داخل ہوئے آپ نے جسم کو ایک ایسے کھردرے پتھر سے رگڑا جسے مٹی میں شراب ملا کر اور پھر اسے آگ میں پکا کر تیار کیا گیا تھا جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں لکھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے شراب سے تیار کئے ہوئے پتھر کو اپنے جسم پر ملا۔ اللہ نے شراب کے ظاہر اور باطن کو اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح اس نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو حرام کیا۔ اللہ نے شراب کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا ہے چہ جائیکہ اس سے غسل کیا جائے۔ آئندہ سے شراب کو اپنے جسم سے کبھی مس نہ کرنا کیونکہ وہ نجس ہے۔ تم نے غلطی سے ایسا کر لیا ہے آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا۔"

حضرت خالدؓ نے جواب لکھا یہ ہم نے اس مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے شراب کی

---

[۱] ابن عساکر صفحہ ۷۰۲ [۲] الاصابہ جلد اول صفحہ ۴۱۴۔

[۳] ابن اثیر نے اسد الغابہ (جلد ۲ صفحہ ۱۰۴) میں ابن حجر کے بیان کردہ لوگوں کے علاوہ ابوامامہ بن سہیل بن حنیف کا نام بھی بیان کیا ہے۔ ابن عساکر (صفحہ ۶۸۶) میں بھی یہ نام درج ہیں)

خامیتیں قطعاً دور کر دی تھیں۔ اس لئے اس سے جسم صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

ایک فقہی معاملہ میں ان کا حضرت عمرؓ کو جواب دینا اور شراب کی اس طرح تعریف کرنا کہ اگر وہ اپنی اصل شکل میں اسی شدت اور نشہ پیدا کرنے والی حالت میں ہو تو حرام ہے لیکن جب اس سے یہ صفات زائل ہو جائیں تب اسے شراب کا نام نہیں دیا جا سکتا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دینی امور میں گہری نظر رکھنے والے شخص تھے، اگر یہ بات ضرور ہے کہ فقہ میں آپ کا پایہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور ان جیسے اہل علم اور فقیہہ لوگوں جتنا نہیں ہے۔ دینی امور میں کما حقہ واقفیت کا ثبوت اس واقعے سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ نے بنو الحارث بن کعب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے حضرت خالدؓ کو نجران بھیجا تھا جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو حضورؐ نے آپ کو یہ حکم بھی دیا۔ کہ ان میں رہ کر انھیں شریعت اسلام اور دینی امور کی تعلیم دیں یہ کسی صورت بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلعم نے تبلیغ اسلام کرنے اور دینی امور کی تعلیم دینے کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجا ہو گا جسے خود اسلامی عقائد و اعمال اور دینی امور سے واقفیت نہیں تھی۔ آپؐ نے جن لوگوں کو بھی اس اہم فریضے کی ادائیگی کیلئے روانہ فرمایا وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے ہر طرح اہل تھے۔ اور حضرت خالد بھی انہی میں سے ایک تھے۔

حضرت خالد کے اوصاف و اخلاق

اس ضمن میں ہم بعض ایسے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درج کرتے ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی کے ہر پہلو کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا ان عظیم لوگوں کے اقوال سے آپ کے اخلاق و عادات کی صحیح اور روشن تصویر سامنے آ جائے گی۔ یہ لوگ آپ کے ہم عصر تھے اور انہوں نے آپ کے متعلق جو کچھ وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہا اس لئے ان کے اقوال ایک قطعی فیصلے

---

[1] الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴۔ ابن عساکر صفحہ ۱۰۹۔

کا درجہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں "خالدؓ کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ جسے اللہ نے کافروں پر گرایا۔[۱]

ایک اور موقعے پر آپ نے فرمایا "یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب آدمی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں ایک تلوار ہے جسے اس نے کفار اور منافقین پر کھینچا ہے۔[۲]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب الیس اور امغیشیا کے معرکوں کے دوران میں آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپؓ نے فرمایا "اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے بھٹ میں گھس کر اسکو مغلوب کر دیا۔ اب عورتیں خالد جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں"۔[۳]

حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کرنے پر اصرار شروع کیا تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا "میں اس تلوار کو ہرگز نہ میان میں ڈالوں گا۔ جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہوا ہے"۔[۴]

خود حضرت عمرؓ نے قنسرین کی فتح کا حال سن کر فرمایا۔ اس کارنامے سے خالد نے خود ہی اپنے آپ کو امیر بنالیا۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت نازل فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے[۵]

آپ نے حضرت خالدؓ کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا، اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پر نہیں ہو سکے گی[۶]

---

[۱] الاستیعاب جلد اوّل صفحہ ۱۵۸، ابن عساکر صفحہ ۹۹۔ [۲] الاستیعاب جلد اوّل صفحہ ۱۵۸ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ [۳] السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۱۷۶
[۴] الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۰ [۵] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۵۵۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ [۶] ابن عساکر صفحہ ۱۱۴۔

حضرت عمرو بن العاص سے ایک مرتبہ حضرت صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کے بارے میں رائے دریافت کی۔ آپ نے کہا وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ موت کی پرواہ مطلق نہیں کرتے ان میں ٹیلے کی سی پھرتی ہے اور ان کا حملہ شیر کی مانند ہوتا ہے۔[1]

اکیدر رئیس دومہ نے آپ کے متعلق کہا تھا "فتح حاصل کرنے میں کوئی شخص ان سے زیادہ خوش نصیب اور جنگی امور میں کوئی شخص ان سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہے خالد کے مقابلے میں کوئی قوم خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ ٹھہر نہیں سکتی[2]

خود خالدؓ اپنے متعلق فرماتے ہیں "جس دن سے میں اسلام لایا اس دن سے رسول اللہ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے[3]

ان اقوال کی موجودگی میں حضرت خالدؓ کی بہادری اور آپ کی استعداد کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

آپ کی جنگی لیاقت

حضرت خالدؓ ہر میدان میں کامیاب اور کامران ہو کر رہے کسی جگہ بھی آپ کو شکست کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جہاں جاتے تھے فتح اور کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ آپ ایک مدبر اور دوراندیش سپہ سالار تھے جو جنگ کے اصولوں اور طریقوں سے پوری طرح واقف تھے آپ جانتے تھے کہ کس موقع پر آگے بڑھنا چاہیئے اور کس موقع پر مدافعت کرنی چاہیئے۔ سپہ سالار کی صفات کے ساتھ ساتھ سپاہی کی صفات بھی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں، لڑائی میں آپ بوڑھوں کی سی تجربہ کاری، نوجوانوں کی سی بہادری اور شیر کی سی جرأت دکھاتے

---

[1] الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۴۔ [2] اکیدر نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب حضرت خالدؓ عیاض بن غنم کی مدد کے لئے دومۃ الجندل گئے تھے،

[3] ابن عساکر صفحہ ۶۹۱ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۸

تھے۔ آپ دشمن پر اندھا دھند حملہ نہیں کر دیتے تھے بلکہ حملہ کرنے کے لیے موزوں
وقت کی تلاش میں رہتے تھے۔ آپ دشمن کے حالات معلوم کرنے کی پوری جستجو کرتے
رہتے تھے، کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے وقت اس شہر کی
حفاظت کے لیے ایک فوج وہاں متعین کر دیتے تھے اپنے لشکر کے عقب کی حفاظت
کا سامان بڑے اہتمام سے کرتے تھے تاکہ دشمن بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کر سکے
کثرت سے لڑائیاں لڑنے کے باعث آپ کو جنگی امور کا اسقدر تجربہ ہو گیا تھا کہ
کوئی شخص بھی اس میدان میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب تک فتح نہ ہو جاتی
آپ میدان جنگ سے نہ ہلتے تھے، دشمنوں کی قوت و کثرت، بہادری اور شجاعت
اور سامان جنگ کی فراوانی آپ کو قطعاً مرعوب نہ کر سکتی تھی، میدان جنگ میں شہادت
حاصل کرنے کے حد درجہ شائق تھے۔ [لہ] نہ خود سوتے تھے اور نہ دوسروں کو سونے
دیتے تھے دشمن کی کوئی بات آپ سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

لشکر کے سپاہیوں سے آپ کا حسن سلوک

حضرت خالدؓ اپنی ماتحت فوج سے
بہت محبت کرتے تھے اور ہر سپاہی سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے فوج کو
ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتے تھے جہاں سے فتح حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ
نہ ہو، ہلاکت کی جگہوں میں اسے کبھی نہ لے جاتے تھے، بلکہ ایسے موقعے پر خود
آگے ہوتے تھے، غنیمت میں سے پورا حصہ انہیں مرحمت فرماتے تھے غنیمت
کے علاوہ بھی انہیں انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے آپ کی زندگی کا اکثر حصہ

لہ حضرت صدیقؓ کی آپکو نصیحت بھی یہی تھی کہ موت کی آرزو کرو، تمہیں زندگی بخشی جائیگی (عیون الاخبار
جلد اوّل صفحہ ۱۲۵ - العقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۳۱) اسی فلسفے کو مؤلف العقد الفرید نے ان الفاظ میں
بیان کیا ہے کتنی موتیں ہیں جن کا سبب زندگی حاصل کرنے کا جذبہ تھا اور کتنی زندگیاں ہیں
جن کا باعث موت حاصل کرنے کا جذبہ تھا (العقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۳۱)

فوج کو لڑائی کے لئے ابھارنے، ہمت بندھانے اور جوش و خروش دلانے میں صرف ہو جاتا تھا۔ ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے "اے اہل اسلام! صبر میں عزت ہے اور بزدلی میں ذلت، خدائی مدد اسی شخص کو حاصل ہوگی جو صبر اختیار کرے گا۔ فوج کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کے نتیجے میں ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اور آپ ہی کے جھنڈے تلے لڑنا چاہتا تھا اس کا سبب یہ اعتقاد بھی تھا کہ خواہ دشمن کتنی بھاری جمعیت اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلے پر آجائے جب خالد اس کے مقابلے کے لئے نکلیں گے تو دشمن کے حصے میں سوائے ناکامی کے اور نامرادی کے اور کچھ نہ آئے گا۔ اس اعتقاد کا نتیجہ یہ تھا کہ جب آپ نے حضرت صدیقؓ کے حکم کے بموجب عراق سے شام جانے کا ارادہ کیا اور لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو باوجودیکہ یہ سفر سینکڑوں خطرات اور آفتوں سے پر تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قیصر نے مسلمانوں کے مقابلے کیلئے اپنی پوری قوت مجتمع کر دی ہے لیکن کسی ایک شخص نے بھی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اور ہر شخص یہ کہہ کر چلنے کیلئے تیار ہو گیا کہ آپ میں اللہ نے ہر قسم کی بھلائیاں مجتمع کر دی ہیں اس لئے آپ ہمیں جہاں چاہیں لے جائیں، ہم چلنے کیلئے تیار ہیں۔[۱]

آپؓ کے بارے میں لوگوں کے ان خیالات و اعتقادات، لشکر کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری اور آپ کے جھنڈے کے نیچے آکر موت کو بالکل فراموش کر دینے ہی کا اثر تھا۔ کہ آپ کو ہمیشہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں فتوحات نصیب ہوتی رہیں آپ کی معزولی کا بڑا سبب بھی یہی تھا کہ لوگوں کو حضرت خالدؓ پر حد درجہ بھروسہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں لوگ خدا ہی کو نہ بھول جائیں، آپ نے انہیں معزول کر دیا تاکہ یہ دکھا سکیں کہ فتح کا دارومدار خالد پر نہیں بلکہ خدائی نصرت و تائید پر ہے۔

---

[۱] الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۲۱

حضرت خالدؓ ان صحابہ کا، جنہوں نے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا اور اللہ کی راہ میں بیش از بیش قربانیاں دی تھیں بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے آپ کا یہ یقین تھا کہ اللہ کی مدد کا ظہور انہی لوگوں سے ہوتا ہے اس تعظیم و تکریم کی روشن مثال جنگ مؤتہ کے موقع پر نظر آتی ہے جب کہ آپ نے ایک بدری صحابی کے ہاتھ سے جھنڈا لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جب انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا آپ کو دینا چاہا کہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو تو آپ نے فرمایا "میں یہ جھنڈا نہیں لوں گا آپ اس کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ آپ جنگ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔ جب آپ عراق سے شام جانے لگے تب بھی آپ نے صحابہ کرام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی۔ اور انہیں خاص طور سے اپنی فوج میں شامل کیا۔

جہاد سے عشق اسلام لانے کے بعد آپؓ نے اپنے آپکو ہمہ تن اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اللہ کی راہ میں نہ آپ کو اپنی جان کی پرواہ تھی نہ مال کی۔ زندگی میں آپ کو جہاد سب سے زیادہ عزیز تھا اور آپ کی تمام تر کوشش اس بات میں صرف ہوتی تھی کہ دشمنان دین کو چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے آپ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی کوئی رات مجھے میدان جنگ کی سخت رات سے زیادہ محبوب نہیں۔ جس میں میں مہاجرین کو ساتھ لیکر دشمنوں سے لڑوں آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی وفات تلواروں اور نیزوں کے سائے میں ہو۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو بستر پر جان دینے کے خیال سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں فرمایا "میں ایک سو سے زائد جنگوں میں لڑا ہوں۔ میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں تلوار، تیر یا نیزے کے زخم کا

ؔ الطبری جلد ۴ صفحہ ۴۱۔

نشان نہ ہو، میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتا۔ لیکن افسوس میں بستر پر پڑا ہوں۔ اور اسطرح جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ جان دیتا ہے۔ [1]

حضرت خالد کے اہل وعیال

حضرت خالدؓ کی کئی بیویاں تھیں جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی آپ کے ایک بیٹے سلیمان تھے انہی کی وجہ سے حضرت خالدؓ کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ ایک بیٹے عبداللہ تھے [2] جو عراق میں شہید ہوئے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور مہاجر خاص شہرت کے مالک ہوئے یہ دونوں رسول اللہ کے زمانے میں بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو عبدالرحمٰن، حضرت معاویہ کے ساتھ مل گئے اور مہاجر حضرت علی کے ساتھ۔ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ مہاجر جنگ صفین میں شہید ہوئے [3] عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا ان کی طبیعت میں فیاضی اور سخاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ حضرت معاویہ کے ماتحت حمص کے والی تھے، جب کوفہ کے مفسدین نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنی شروع کی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں شام کی طرف جلاوطن کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت معاویہ بھی بعض وجوہات کی بنا پر انہیں شام نہ رکھ سکے، اور انہیں واپس کوفہ بھجدیا۔ یہ لوگ کوفہ آنے کی بجائے جزیرہ چلے گئے [4] جہاں کے عامل عبدالرحمٰن تھے جب آپ کو ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فوراً انہیں بلوایا اور کہا "میں نے تمہارے حالات سنے ہیں، خدا مجھے نامراد کرے، اگر میں تمہیں درست نہ کر دوں۔ تم جانتے ہو کہ میں اس شخص کا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ ۔ المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۹۰ ۔

[2] انساب القریشین جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ [3] انساب القریشین جلد ۲ صفحہ ۳۴۰

بیٹا ہوں جس نے فتنہ ارتداد کو دور کیا تھا اور بڑی بڑی مشکلات پر قابو پایا تھا۔ میں دیکھوں گا کہ کس طرح تم معاویہ اور سعید (والی کوفہ) سے جو باتیں کیا کرتے تھے مجھ سے بھی کر سکتے ہو۔ سنو! اگر کسی شخص کے ساتھ تم نے یہاں فتنہ و فساد کی بات کی تو ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے" یہ کہہ کر انہیں نظر بند کر دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جب سفر پر جاتے تو اپنے ساتھ پا پیادہ لے جاتے اور ان سے دریافت کرتے کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ جسے نیکی درست نہیں کرتی اس کا علاج سزا ہوتی ہے، تم لوگ اب کیوں نہیں بولتے؟ آخر ان لوگوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی چاہی۔

عبدالرحمٰن بن خالد کی شہرت و عظمت اور لوگوں کی ان سے محبت اس درجہ تک پہنچ گئی کہ جب حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے اور لوگوں سے اس کی بیعت لینے کا فیصلہ کیا تو آپ نے مسجد میں خطبہ دیا اور کہا۔ "میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آگیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی تمہارے لئے ایک ایسا حاکم مقرر کر دوں جس کی وجہ سے سلطنت اسلامیہ کا شیرازہ بندھا رہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ میں کس شخص کو تمہارا حاکم مقرر کروں۔ لوگوں نے متفقہ طور پر عبدالرحمٰن بن خالدؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت معاویہ کو یہ بات بہت شاق گزری اور انہوں نے انہیں مروا ڈالنے کا ارادہ کیا۔ ان کی ہدایت کے مطابق ایک یہودی طبیب ابن اثال نے شربت میں زہر ڈال کر عبدالرحمٰن کو پلا دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس یہودی طبیب سے عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد نے یا بعض روایتوں کے بموجب خالد بن مہاجر بن خالد نے عبدالرحمٰن کے قتل کا بدلہ لے لیا[1]

ان لوگوں کے علاوہ حضرت خالد بن ولید کے اور بھی کئی لڑکے تھے ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ شام میں حضرت خالدؓ کے کئی لڑکے اور پوتے موجود تھے لیکن وہ سب طاعون کی وبا میں فوت ہو گئے۔ کوئی بھی باقی نہ بچا۔ ان کے گھروں اور جائیداد

---

[1] المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۹۰

کے وارث ایوب بن سلمہ بن عبداللہ[1] ذالولید ابن ولید بن ولید بن مغیرہ ہوئے، مؤلف کتاب اسد الغابہ[2] لکھتے ہیں "حضرت خالد بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی اور کوئی باقی نہ رہا۔ ایوب بن سلمہ مدینہ میں ان کے گھروں کے وارث ہوئے"۔ مؤلف کتاب نہایت الادب[3] لکھتے ہیں "حضرت خالد بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی مشرق اور مغرب میں کوئی شخص بھی ان کی اولاد میں سے باقی نہ رہا جو شخص ان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے"۔ مؤلف کتاب صبح الاعشیٰ[4] اور دیگر اہل علم حضرات بھی حضرت خالدؓ کی نسل کے ختم ہو جانے پر متفق ہیں۔

حضرت خالد کی وفات

حضرت خالد کی جائے وفات اور سنہ وفات کے بارے میں مؤرخین میں کافی اختلاف ہے ہم ذیل میں بعض روایات کو درج کر کے کوشش کریں گے کہ صحیح جائے وفات و سنہ وفات متعین کر سکیں۔

۱۔ طبری نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی[5]

۲۔ ابن عساکر لکھتے ہیں حضرت خالدؓ کی قبر حمص میں ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے جنازے کو کس کس نے غسل دیا تھا اور کون کون جنازے پر حاضر ہوا تھا[6]

۳۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں "حضرت خالد حمص کی سرحد پر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے گھوڑے اور ہتھیار سب یہیں تھے۔ حمص ہی میں آپ نے وفات پائی"[7]

۴۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں "معزولی کے بعد حضرت خالد بن ولید مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ نے

---

[1] ان کا نام ولید تھا لیکن رسول اللہ نے بدل کر عبداللہ کر دیا حضورؐ نے ایک دفعہ انکے بارے میں فرمایا تھا اگر بنو مغیرہ کا بس چلتا تو وہ ولید کو اپنا رب بنا لیتے، انساب القرشیین جلد ا صفحہ ۳۴۳ الاستیعاب جلد اول صفحہ ۳۹۹

[2] اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ [3] نہایت الادب جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ [4] صبح الاعشیٰ جلد اول صفحہ ۳۵۵۔ [5] طبری جلد ۴ ۲۱ھ کے واقعات

[6] ابن عساکر صفحہ ۲۶۵

[7] ابن عساکر صفحہ ۱۲۷

سے ملے، وہاں سے شام چلے گئے اور حمص میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے اسی جگہ ۲۱ھ میں آپ نے وفات پائی[1]

۵۔ مؤلف کتاب اسد الغابہ لکھتے ہیں "آپ نے شام کے مقام حمص میں وفات پائی۔ البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ۲۱ھ میں ہوئی"[2]

۶۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں "محمد بن سعد، ابن نمیر اور چند لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص میں وفات پائی۔ رحیم اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی۔

۷۔ ابن حجر اپنی کتاب "الاصابہ"[3] میں لکھتے ہیں "حضرت خالدؓ بن ولید نے ۲۱ھ میں شہر حمص میں وفات پائی یہ بھی کہا جاتا ہے آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ آپکی وفات حمص میں ہوئی۔ ۸۔ بدر عینی[4] لکھتے ہیں حضرت خالدؓ بن ولید نے ۲۱ھ میں حمص میں اپنے بستر پر وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے،

ان روایات پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی۔ کیونکہ ان روایات میں سے بعض میں سرے سے مدینہ کا ذکر ہے ہی نہیں اسی طرح بعض میں ۲۲ھ کا بھی ذکر نہیں۔ ۲۲ھ میں آپ کی وفات کا ذکر کرنیوالوں نے بھی جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں شک کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ اس لئے ہم یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ آپ کی وفات ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر ہوئی۔

اللہ حضرت خالدؓ بن ولید پر اپنی رحمتیں اور برکات نازل فرمائے آپ نے اسلام کی خاطر جو خدمات سر انجام دیں وہ ایسی ہیں کہ بھلائی نہیں جا سکتیں، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے واقعات پر غور کرے اور اپنے میں وہی صفات پیدا کرے جو حضرت خالدؓ میں تھیں کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی انہی صفات کو اختیار کرنے میں مضمر ہے

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

---

[1] ابن عساکر صفحہ ۱۱۲، [2] اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ [3] الاصابہ جلد اول صفحہ ۱۰۰
[4] شرح بخاری از علامہ عینی جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۵۔